سرت شبد یوگ کلپدرم

شیوبرت لال ورمن

سنت شبد یوگ کلپدرم

پہلا حصہ

جسمیں سنت مت مہاتماؤں کے جیون چرتر ہیں

سورٹھہ

سنتن کی متی گوڑھ   کیا کوئی مہا جانتی
تہاو نہ پاویں موڑھ   رشی منی یوگی تھک ہے

چوپائی (مصنف)

سادھو چرت شبھ سرس کپاسو۔ نرس وشد گن مے پھل جاسو
جو سہی دکھ پر چھدر دُرادا۔ بندنیہ جیہی جگ جس پادا

گوسوامی تلسی داس جی

از

بابو شیو برت لال ورمن ایم اے

ایڈیٹر سنت سماگم وغیرہ

پبلشر دیوان چند منیجر رادھا سوامی کارخانہ سلو سٹریٹ

قیمت فی جلد ڈھائی روپیہ

لاہور

پرارتھنا پرم پرش پورن دھنی سنگور مہاراج دیا کریں کہ ہم سب لوگ انکے سچے پتر اور سچے بھگت بنیں۔

ذیل میں اُن کتابوں کے نام درج ہیں جو مصنف نے شرت شبد یوگ تعلیم پرم کے لکھنے وقت پیش نظر رکھے تھے

سار بچن رادھاسوامی نظم ہندی
سار بچن رادھاسوامی نثر (ہندی)
سار اپدیش رادھاسوامی - اردو
سنت مت کا ابکرم (اردو)
سنت سنگرہ حصہ اول (ہندی)
" دوم (ہندی)
رادھاسوامی مت پرکاش (انگریزی)
ڈسکورسز آن رادھاسوامی فیتھ "
نام مالا رادھاسوامی (ہندی)
بھید بانی جلد ۱-۲-۳-۴ (ہندی)
بھید پرم پرکاش (ہندی)
پرم اپدیش رادھاسوامی جلد ۱-۲ "
ہنسوکت برہمہ شنکر جی مہاراج کے بچن ۵ حصے "
جیون چرتر رادھاسوامی صاحب "
جیون چرتر حضور مہاراج صاحب "

بیجک کبیر صاحب (ہندی)
کبیر کسوٹی "
کبیر صاحب کی شبداولی حصہ اول تا ... "
کبیر صاحب کی گیان گودڑی "

کبیر اپنشد کبیر منتھ انگریزی

گورو گرنتھ صاحب (گورمکھی)
شبد وسہ مہماں شبد "
گنگا نت نیم "

گھٹ رامائن تلسی صاحب (ہندی)
رتن ساگر تلسی صاحب (ہندی)

جگ جیون صاحب کی بانی (ہندی)
کیشوداس کی امین گھونٹ "
یاری صاحب کی رتناولی "
بلا صاحب کا شبد سار "
جھنکا صاحب کی بانی "
پلٹو صاحب کی بانی حصہ (ہندی)
حصہ ۱ "

دادو صاحب کی مکمل بانی (ہندی)

چرنداس جی کی بانی حصہ ۱ (ہندی)
" حصہ ۲ "
[illegible]

سہج پرکاش یعنی سہجوبائی کی بانی ہندی

دیاساگر دریا صاحب بہادر کی بانی ہندی

ریداس جی کی بانی ہندی
میرا بائی کی شبداولی "
میرا بائی کے بھجن "

رامائن گوسوامی تلسی داس جی "

رسالہ سادھ جلد ۱-۲-۳-۴ / ۵-۶-۷-۸
پنجابی سورہ حصہ اول ۲ "
بیبر بہ تانت

ولسن صاحب کا ہندوازم (انگریزی)

چرنداس کا حصہ گجراتی

فہرست مضامین سنت سمبیوگ

کلیدرم

حصہ اول

صفحہ

سنت مت کے سمجھنے کے لئے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے سنت مت کا پرچار کیا ہے - خواہ جو اس کے گورو ہیں. ان کی زندگیوں کے سوانحات اور واقعات کو غایر نگاہ سے مطالعہ کیا جائے. کیونکہ اس طریق کے اصُول گو قلم اور زبان سے کبھی کبھی بیان کئے جاتے ہیں. مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کی عملی اور مجسّم صورت صرف ان کے گورو - پرچارک اور پیرو کاروں کے ذات جسم - اور طرزِ عمل میں نظر آسکتی ہے - سنت مت کو

سینہ کا علم

کہا جاتا ہے - یہ سفینہ کا یعنی کتاب کا علم نہیں ہے یہ پُشتہا پشت سے برابر گورو اور شاگرد کے سلسلہ میں سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے - ممکن ہے کہ کسی کسی نے ان کے قلمبند یا کتاب بند کرنے کی کوشش بھی کی ہو - مگر وہ کوشش ہمیشہ ادھوری غیر مکمل اور ناتمام ہوگی - سبب یہ ہے - کہ سنت مت کا تاکیدی حکم ہمیشہ یہ رہا ہے کہ عمل سے زیادہ تعلق رہے - بات - چیت قیل و قال - بحث و مباحثہ سے ہمیشہ گریز رکھا جائے - صرف ست سنگ میں خیالات کا اظہار ہو - اور لوگ اِن خیالات کو سُن کر ان کو اپنی زندگی کا جزو بنائیں +

یہ کرنی کا بھید ہے ناہیں بُدھ بچار
کتھنی چھانڈ کرنی کرے تب پاوے کچھ سار

سنت مت کا دُنیا کے اور تمام مذاہب سے یہ فرق ہے کہ وہ علم - تقریر - یا زبانی جمع خرچ پر زور نہیں دیتا - اُس کا سارا زور عمل پر رہتا ہے - اگر دھرم جیون

دھرم بنتا ہے ۔ تو وہ قابل قدر ہے۔ لیکن اگر وہ کتابی دھرم ہے تو فضول اور ناکارہ ہے ۔ اور جس قدر جلد ہو اُس کو ترک کر دیا جائے اُتنا ہی اچھا ہے کیونکہ اُس سے نہ تو زندگی میں کسی قسم کی تبدیلی آویگی ۔ اور نہ وہ زندگی دُنیا میں اصلی اُپکار یا خیر و برکت کی باعث ہوگی جس کو جہاں اور جس طرح دھرم سے فائدہ حاصل کرنے اور فائدہ پہنچانے کا موقع حاصل ہوا ہے ۔ وہ صرف عمل کرنے ۔ سادھن سمپن ہونے اور کرنی کرنے سے ہوا ہے ۔ اس لئے اس طریق میں وہاں حجت اور یکتی پرمان کی بالکل ضرورت نہیں پڑتی ۔ اور نہ لوگ کسی شخص کے سُنی سُنائی باتوں پر اس قدر دھیان دیتے ہیں ۔ اور نہ اُن کو اِدھر توجہ کرنے کا حکم ہے ۔ سنت مت گو

سرب مت رکشک

ہے ۔ مگر اس خصوصیت کے لحاظ سے اور مذہبوں کے ساتھ اُس کا بہت بڑا اختلاف ہے ۔ اور یہ اختلاف ہر جگہ جہاں جہاں سنت مت کے عقیدتمند وں کی مذہبی مجلسیں یا ست سنگ ہونگی ۔ وہاں محسوس شکل میں نظر آئے گا ۔ سنت مت کو دُنیا کے کسی مذہب سے تکرار اور لڑائی نہیں ہے ۔ وہ قدم قدم پر درگزر کرنے کے لئے تیار ہے ۔ اور نہ صرف اتنا ہی بلکہ اور مذہبوں کی نسبتی حالت اور مذاج کو پیش نظر رکھ کر وہ اُن کی اصلی حیثیت کو سمجھ کر اُن کی حمایت بھی کرتا ہے ۔ لیکن جس بات کی اُن کے یہاں سب سے زیادہ تاکید ہے وہ عملی جیون اور عملی زندگی ہے ۔ اگر سنت مت کا کوئی آدمی دیکشت ہو کر ابھیاس نہیں کرتا ۔ سادھن میں مصروف نہیں رہتا ۔ اور مذہبی کام کے لئے اپنا وقت اور مال خرچ نہیں کر سکتا ۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اُس سنت مت سے ذرا بھی مس نہیں ہے ۔ اور نہ وہ صحیح لفظوں میں سنت مت کا پیرو کار ہے ۔ کیونکہ سنت مت اگر کسی بات کا مخالف ہے تو وہ صرف

واچک گیان

ہے۔ سُنی سنائی باتوں کو سیکھ کر اُن پر دھواں دھار تقریریں کرنا۔ خواہ کتاب پڑھ کر اُن کے اصول اور سدھانت کے متعلق بحث ومباحثہ سے تعلق رکھنا واچک گیان ہے مذہب کی بھلائی خواہ مذہب کی تعلیم کا صرف نوک زبان تک محدود رکھنا واچک گیان ہے۔ اس سے نہ کبھی کسی کا بھلا ہوا اور نہ ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ کسی حد تک زبانی اقرار بھی رُوح کی جذبات کو متحرک کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ مگر جہاں اس کا مساوات ہو گیا۔ پھر ذہن کی سوچ وچار کی طاقت کند ہونے لگتی ہے۔ اور آگے کا راستہ نہ پاکر اس کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ مگر عمل کرنے میں یہ نقص نہیں ہوتا۔ کیونکہ عمل کرنے سے خود بخود ترقی کے مدارج نگاہ کے سامنے آتے جاتے ہیں۔ اور رُوح ایک درجہ سے گذر کر دوسرے درجہ میں خود بخود پہنچتی جاتی ہے اور اُس کا انجام اتنا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے لئے بلا مدد غیرے اصلیت کی پہچان کر لیتی ہے۔ اور اصلیت کو سمجھ کر اصلیت سے مل کر ایک ہو جاتی ہے۔ یہ سنت مت ہے۔ صرف زبان ہی سے کچھ مت کہو۔ من بچن کرم سے اصول کو اپنی زندگی کا جزو بنالو۔ اور تم جیتے جی سچائی کا دوبدو معانقہ کر سکوگے اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر کچھ نہیں ہے +

جہاں تک ظاہری باتوں سے تعلق ہے۔ وہاں تک ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب کی۔

دو قسمیں

ہیں۔ ایک سماجک دھرم دوسرا آتمک دھرم۔

اُس کو سماجک دھرم کہتے ہیں۔ جس کی بنیاد مجلسی تقویت اور مجلسی طمانیت پر منحصر ہو۔ مل جل کر بیٹھنا اُٹھنا۔ بندگی بھجن کرنا تیج تیوہار منانا۔ اور موقع موقع پر اپنی سوشیل حالت کی درستگی۔ اصلاح اور بہبودی کو مدِ نظر رکھنا یہ سوشل مذہب

یہ سماجک دھرم کی خصوصیتیں ہیں مگر

آتمک دھرم

اس سے جُدا ہے۔ اس کا تعلق صرف آتمک اُنتی یعنی رُوحانی ترقی سے ہے۔ اس میں اپنی رُوحانی ترقی کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کا حکم ہے۔ سماجک دھرم پرورتی مارگ ہے۔ آتمک دھرم نورتی مارگ ہے۔ ایک کا منشا یہ ہے کہ دنیاوی ترقی ہو۔ قومی اور ملکی ترقی ہو۔ آل اولاد بڑھیں۔ دولت و عزت ہاتھ آوے۔ رسوخ اور ثروت حاصل ہو۔ دوسرے کا منشا یہ ہے کہ انسان جیتے جی ان سب بندھنوں سے آزاد ہو جائے۔ ان کی جڑ اس طرح کاٹ دے کہ پھر ان کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ ان دونوں طریق میں بدیہی فرق ہے۔ اور اس لئے ان کا آپس میں ملنا بہت مشکل ہے۔ یہ فرق اس لئے دکھایا جاتا ہے کہ لوگ غلطی میں نہ پڑیں۔ ان کی نسبتی حیثیتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اور اُس وقت اُن کا آتمک دھرم کے لئے سادھن کرنا کچھ معنی رکھیگا۔ اور اگر بغیر سمجھے بوجھے کام کیا جاتا ہے اور آدھا تیتر اور آدھا بٹیر ہے تو پھر اس کے متعلق ایک صوفی کامل کے اس شعر کو یاد رکھنا چاہیئے ؛

گر خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

سماجک دھرم میں لوگ یک ساتھ بیٹھ کر سندھیا پراتھنا کرتے ہیں ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے۔ پندرہ منٹ بھجن۔ پندرہ منٹ سندھیا۔ اور پندرہ منٹ پراتھنا۔ اور بیس منٹ لیکچر۔ مگر آتمک دھرم کے لئے کون وقت مقرر کر سکتا ہے۔ سماجک دھرم تو کال اور مایا کے پیٹ میں ہے۔ اُس کے واسطے وقت کی ضرورت ہے۔ سامگری کی ضرورت ہے۔ بہت سی ضروری پابندیوں کی ضرورت ہے۔ مگر آتمک دھرم کے لئے یہ سب پابندیاں فضول اور ڈھکوسلا ئی

ہیں۔ ایک شخص ایکانت میں مالک کے بھجن سمرن کے لئے بیٹھا ہے۔ چت ایکاگر
ہوگیا ہے۔ اُس کو خبر بھی نہیں کہ وقت کب اور کیسے گذر گیا۔ ممکن ہے۔ وہ دن
بھر محویت کی حالت میں رہے۔ اور وقت کی خبر بھی نہ رکھے۔ کیونکہ آتمک دھرم
کال اور مایا کے جھگڑوں سے چھڑانے کا مارگ ہے۔ یہ اِن دونوں دھرموں
میں صریحی اور بڑی فرق ہے۔ اور لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ جو مفاد ایک سے
حاصل ہوتے ہیں۔ وہ سب انگ سے دوسرے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔
مگر ممکن ہے۔ نم

اعتراض

کر سکو کہ سنت مت کے پیرو کاروں کے یہاں بھی مجلسیں اور ست سنگ ہُوا کرتے
ہیں۔ اُن کے یہاں بھی پوتھیوں کا پاٹھ۔ بھجن اور بچن ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے۔
اس کا بھی سماجک دھرم کے ساتھ بالکل سبندھ نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں جو کچھ
عمل کیا جاتا ہے۔ وہ صرف روح کے جذبات کے حرکت دینے کی غرض سے
ہوتا ہے۔ اور جہاں کوئی صاحب دل ست سنگ کراتا ہے۔ وہاں اُسی طرح وقت
کا پتہ نہیں رہتا۔ جیسے کہ روح کی وجد اور مستی کے وقت کیفیت رہتی ہے۔ سنتوں
کے یہاں

دو قسم کے ست سنگ

کی ہدایت ہے۔ ایک ظاہری دوسرے باطنی

ظاہری ست سنگ

میں ہت چت سے گورو کی بات اور بانی کو سُننا اور اس پر وچار نا ہوتا ہے۔ مگر
سُننے سے یہ مُراد نہیں ہے کہ ایک کان سے سُنا اور دوسرے سے نکال دیا۔
بلکہ اُن کو وچارنا اور اُن کو اپنے روح کی غذا بنانا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ گورو کی ذاتی
مثال دیکھ کر اُس کی مقناطیسی اثرات کو جذب کرتے ہُوئے جو لفظوں کی جھار

کی شکل میں برآمد ہوتی ہے۔ سامع بلا کسی خاص قسم کی محنت کے عمل تصور کی پختگی کا درجہ حاصل کرتا جائے۔ اور اُس میں بھی وہی رنگ و رُوپ جھلکنے لگے۔

باطنی ست سنگ

سے مراد ابھیاس سے ہے۔ جس میں بھی قریب قریب مگر زیادتی کے ساتھ وہی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ جو باہر ہوتی ہے۔ توجہ کے دھار کو ایک خاص مرکز پر قایم کر لیا۔ اور اس کو قایم کر کے چت کی ایکاگرتا کا فائدہ اُٹھا کر اہل طریقت کے بموجب گھٹ میں راستہ طے کرنے کے سادھن میں لگ گئے۔ اور دھیرے دھیرے اپنا کام بنا لیا۔ چونکہ ان باتوں کی وضاحت اس کتاب کے دوسرے حصّہ میں بہت کچھ کھول کر کی گئی ہے۔ اس لئے یہاں اُن پر بحث کرنا فضول ہے +

الغرض سماجک دھرم اور آتمک دھرم میں یہ بہت بڑا فرق ہے + لیکن ممکن ہے کہ اس طرح صاف صاف کہنے پر بھی کوئی شخص نادانستہ

غلط فہمی اور غلطی

کا شکار رہ جائے۔ چند الفاظ میں اُس کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ سنت یہ کبھی نہیں کہتا کہ تم یونہی بلا سمجھے بُوجھے گھر بار چھوڑ دو۔ گرہس اور تیاگ فضول و مہمل اصطلاح ہیں۔ اصلی بات تو یہ ہے کہ انسان اصلیت کو سمجھے اور جا ہے جس طرح سمجھے۔ اور جو اصلیت کو سمجھ لیتا ہے۔ اُس کا گرہستی رہنا یا ورکتی بننا ایک بات ہوتی ہے +

من کے مارے بن گئے - بن - تج - بستی ناہیہ
کہیں کبیر کیا کیجئے - یہ من ٹھہرے ناہیہ

اصلی مقصد تو من کے اُوپر قابُو پانے کا ہے۔ جو لوگ یونہی گھر بار۔ جورو لڑکے چھوڑ کر سادھو ہو جاتے ہیں۔ سنت مت کے اصلی معنوں میں اُن کی عزت نہیں

ہے۔ سچائی تو یہ ہے کہ گھر میں رہے اور گھر کا ہو کر نہ رہے۔ سب کچھ کرے۔ اور کرتا ہوا کچھ بھی نہ کرے۔

سنت سُجان وہی جگ میں گھر ہی جن جوگ کمایا ہو

سچے سادھو

سنت مت میں گرہستی ہی زیادہ تر کملاتے دکھلا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ سادھن میں لگے ہوئے اپنا کام بناتے چلے جائیں۔ اور دائیں بائیں مُڑے ہوئے بغیر اپنا رُخ معراج کی طرف رکھیں۔ ایسے گرہست بہ آسانی دنیا میں رہتے ہوئے اپنا کام بنا لیتے ہیں۔ اور صرف سادھو ہی کیوں سنت بھی تو زیادہ تر گرہستی ہی ہوئے ہیں ✦

سنت

اُن کو کہتے ہیں جنہوں نے اپنی رُوحانی تکمیل کر لی ہے۔ اور رُوح کے مقام آخری تک واصل ہو گئے ہیں۔ جو مالک کُل سے ایک ہیں۔ اور اگر تم اِن کی زندگیوں کو دیکھو گے تو تم کو بہ آسانی پتہ لگ جائے گا۔ کہ زیادہ تر گرہستیوں ہی میں سنتوں کا ظہور ہُوا ہے۔ اور گرہستیوں ہی کے زیادہ تر چھانے کا خیال بھی اُن کو مدِ نظر رہا ہے

مثلاً

کبیر صاحب۔ گورو نانک صاحب۔ جگ جیون صاحب۔ رادھا سوامی صاحب اور حضور مہاراج رائے سالگرام صاحب ہی کو دیکھو۔ اِن میں سے سب گرہستی تھے اور گرہستی ہی میں رہکر کام کیا ہے ✦

اِن سب سنتوں کے بشچھ چرتر کا مطالعہ سنت مت کے متعلق واقفیت بہم پہنچانے کا پہلا سب سے زیادہ ضروری اور اہم مضمون ہے۔ کیونکہ تاوقتیکہ اُن کی زندگی کے حالات غور کے ساتھ مطالعہ نہ کئے جائیں۔ اُن کی تعلیم کی نسبت صحیح رائے قایم کرنے میں غلطی کا گمان ہو سکتا ہے ✦

مگر

ان سب کے جیون چرتر مشکل سے ہاتھ آتے ہیں۔ اب تک کسی کو اِن
کے یکجا کرنے کا خیال نہیں ہوا تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ اس کام کی جرأت کی
اور جہاں تک ہو سکا۔ چند صفحوں میں ان کے حالات اکٹھا کر دیئے تا کہ طالبعلم
اور ست سنگوں کو جو دقتیں حاصل ہوتی ہیں۔ وہ دور ہو جائیں۔ اور اُن کو سنت مت
کے پرچے اور تحقیق کے سِلسِلہ پر غور کرنے کا موقع ہاتھ آوے۔
یہ کام آسان نہیں تھا۔ مشکل تھا۔ اور مجھ کو خوف ہے۔ بہت سے ظاہر
بین اور سطح بین پڑھنے والے اس میں طرح طرح کے نقص دیکھیں گے۔ سب
سے زیادہ

تعجب کی بات

جو اُن کو اس میں نظر آئے گی۔ وہ یہ ہو گی کہ جہاں اس میں ایک طرف اعلےٰ درجہ
کے موحدانہ زندگیاں موجود ہیں۔ ساتھ دوسری طرف بہت سے پنتھ ایسے
ملیں گے۔ جن میں باطل پرستی وغیرہ کا بھی رواج ہے۔ اِس کے متعلق
میں نے چند لفظوں میں اوپر لکھ دیا ہے کہ سنت مت کو دُنیا کے سماجک
دھرموں سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ اور نہ وہ اُن کا ضد ہے۔ مگر ایسا بھی کبھی
کبھی ہو جاتا ہے کہ گنگا کا پانی گنگوتری سے نکل کر راہ میں اور طرح کے پانیوں
سے رل جاتا ہے۔ یہی کیفیت بعض بعض پنتھیوں کی ہوئی ہے۔ مگر سرچشمہ
کی طرف نگاہ رکھنے والوں کو یہ دھوکا نہیں ہوتا۔ اس قسم کے

پنتھائی

کئی ایک ملیں گے۔ جن میں بہت سی باتیں خلاف اصُول نظر آئینگی۔ جیسے
ست نامی پنتھ جگجیون صاحب۔ خواہ پرنامی پنتھ پران ناتھ جی کا۔
تاہم طالبعلم کو ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے اصلیت کی طرف

نگاہ رکھنی چاہیئے - اور یہ دیکھنا چاہیئے - کہ ان سب کا اصلی سدھانت کیا ہے - اور اِن کی روح کیا ہے - اور جو شخص اس نظر سے اِن مختصر جیون چرتر کو پڑھے گا - وہ میری دانست میں کسی حد تک سنت مت کی ماہیت غرض اور اصلیت کو سمجھ سکے گا - اِن کے یکجا کرنے کی

غرض

یہ ہے کہ سنت مت کے پیروکار جن کی تعداد اس وقت کم نہیں ہے - بلکہ کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہے - اپنی اصلیت کو نہیں جانتے - اور باوجودیکہ سب کے سدھانت ایک ہیں - مگر آپس میں ایک دوسرے کو مخالف سمجھ رہے ہیں - ایسا کبھی نہ ہونا چاہیئے - ان کو مِل جُل کر رہنا چاہیئے - پہلے بھی یہ مِل جُل کر رہتے تھے اور چاہے سفیر دا والے آپس میں لڑتے بھی رہے ہیں - مگر پنتھائی علیحدہ علیحدہ نام نام رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کی مدد اور سنبھال کرتے رہے ہیں - آپ دیکھئے - گورو نانک صاحب کے خاندان اور کبیر صاحب دادو صاحب کے خاندان سے کس طرح سمجھتی کے تعلقات تھے - یہاں تک کہ جس وقت گورو گوبند سنگھ جی پنجاب سے چلے گئے - اُن کو دادو پنتھی سادھوؤں کے درمیان پریم اور پرتیت کی نگہ ملی - اس لئے - اِن جیون چرتروں کے پڑھنے والے خواہ وہ کسی پنتھ کے ہوں رشک و حسد کو چھوڑ کر آپس میں اتحاد و محبت سے پیش آویں - یہ میرے اس کوشش کی پہلی غرض ہے - دوسری یہ ہے - کہ جب معلوم ہو گیا کہ سب کا سدھانت ایک ہے تو اصلی تعلیم کے حاصل کرنے کے خیال سے کسی ایک کو دوسرے سے مل کر فایدہ اُٹھانے میں دریغ نہ ہوگا - اور سب سُرت شبد ابھیاس کو جو اب بہت پنتھوں سے گُپت ہو گیا ہے - جہاں سے ملے لگا سیکھینگے - اور اپنے جیون کو عملی جیون بنائیں گے - اور محض واچک گیانی نہ بنے رہیں - یہ میری دوسری غرض ہے - تیسری غرض یہ ہے کہ بالعموم تمام پنتھائی حقیقت سے ناآشنا

اور نا واقف ہو گئے ہیں۔ صرف ٹیک رہ گئی ہے۔ اور بھیکھ کا نام رہ گیا۔
ہے۔ اس کے سلسلہ میں وہ پڑھ کر اور ساد ھن ہیمن بن کر سنت مت کے
حقوق کے ثابت کرنے میں نہ کسی سے جھینپینگے اور نہ شرم کرینگے۔ یہ میری تیسری
غرض ہے۔ چوتھی غرض یہ ہے کہ جب وہ سدھانت کو سمجھ لیں گے تو پھر از
سر نو اس کے پرچار میں حصّہ لیں گے۔ اور سنت مت کو جو دراصل دُنیا کا
ایک اور عالمگیر روحانی طریق ہے۔ سب جگہ پھیلاویں گے۔ تاکہ انسان اُس کے
برکت اور مفاد سے محروم نہ رہ سکے۔ یہ میری چوتھی غرض ہے۔ پانچویں غرض
یہ ہے کہ آج کل دنیا میں مغایرت۔ بیگانگی اور نفاق کے نظارے ہر جگہ
نظر آرہے ہیں۔ انہوں نے دُنیا کو نرک کنڈ بنا رکھا ہے۔ مذہبی متنا و اور بھی
اس نفاق کے بانی مبانی ہو رہے ہیں۔ سنت مت چونکہ سرب مت رکشک
ہے۔ اور اُس میں ذات پانت کی تفریق و تمیز نہیں ہے نہ تھی اور نہ ہوگی۔
وہ عالمگیر اخوت پیدا کرنے میں سب سے زیادہ کامیاب ہوگا۔ اور ہم کو اُمید
رکھنی چاہیئے کہ اُس کی طفیل نہ صرف غلط فہمیاں دُور ہونگی۔ بلکہ انسان بھائی
بھائی بن جائیں گے۔ اور رُوح کی اصلی مقصد کی طرف مائل ہو کر اسکی تکمیل کی کوشش
میں لگیں گے۔

سنت مت کی نسبت واقفیت پیدا کرانے کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ جو
میں نے مہاتماؤں نے مختصر جیون چرتروں کے سلسلے میں ظاہر کیا ہے۔

دوسرا ذریعہ

اس کی تعلیم فلسفہ۔ اور سرت شبد یوگ ابھیاس کی وضاحت کا
ہے جس کو میں اسی کتاب کے دوسرے حصہ میں بیان کرنے کی کوشش
کرونگا۔

لوگ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب میں کبیر صاحب کو خاص کر بہت کچھ اہمیت

دی گئی ہے۔ مگر اُن کو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس کتاب کا لکھنے والا کبیر پنتھی نہیں ہے۔ اُس نے اپنی دانست میں صرف انصاف کو مدنظر رکھا ہے۔ کیونکہ کبیر صاحب سے پہلے کسی نے سنت مت کا پرچار اس طرح نہیں کیا ہے۔

کہیں کبیر ہم دُھر کے بھیدی لائے حکم حضوری

اس کے سوا

سنت مت کے پرچارکوں کو یہ جان لینا چاہیئے کہ سنتوں میں جو شخص بھید مانتا ہے وہ غلطی کرتا ہے۔ جتنے سنت ہیں۔ سب ایک ہیں۔ سب کے اصُول ایک ہیں۔ وہی کبیر صاحب ہیں۔ وہی نانک صاحب ہیں۔ وہی رادھا سوامی صاحب ہیں۔ اور جہاں کہیں سنت مت کی تعلیم موجود ہوگی۔ وہاں اس حقیقت کے جاننے والے بھی موجود ہونگے۔ کیونکہ وہ [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] سنتوں کی تعظیم کو دل میں جگہ دیتے ہوئے سب!

وقت گورو

کے سروپ میں پرگٹ دیکھنے اور اُن کے ذات میں شردھا بھگتی رکھنے کے خواہشمند ہونگے۔ کیونکہ جیوؤں کا جو کام بننا ہے۔ وہ صرف وقت گورو سے بن سکتا ہے۔ یہ ایک

بہت ضروری بات

ہے۔ جو سب کو ذہن نشین کر لینی چاہیئے۔ پھر کسی کو آپس میں لڑنے جھگڑنے کا موقع نہ رہیگا۔ پرمارتھ کی دولت دب ملیگی۔ وقت گورو ہی سے ہاتھ آویگی اس لئے ٹیک ہی ہمیشہ وقت گورو کی ہونی چاہیئے۔

اس کتاب میں بہت سے پرچارک سادھوؤں وسَت سنگیوں کی حیثیت سے [illegible] ۔ [illegible] تھوڑے سے سنت ہیں۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکا۔ حتی الامکان ان کے [illegible] لکھنے کی کوشش کی۔ مگر فرصت کم ہے۔ کام [illegible] ہے۔

سب کے بیانات ہمیں نہیں آسکے لیکن اگر ممکن ہوا تو طبع ثانی میں اور حالات بھی اضافہ کر دیئے جائینگے۔ اور اگر کہیں غلطی رہ گئی ہے تو اس کی بھی اصلاح کر دی جائیگی ۔

جو لوگ اس کو پڑھیں۔ وہ میری غرض کو نظر کے سامنے رکھیں اور باہمی فروعی اختلافات کو چھوڑ کر اصلی سدھانت اور اصول کے جاننے کی کوشش کریں سنت مت کے پیروکاروں کے لئے میں میری یہی پرارتھنا ہے۔ اور بس ۔

گورو دیا کریں۔ کہ جو لوگ اس کو پڑھیں۔ وہ مالک کے سچے بھگت بنیں اور اُن کی موت سے جگت کا اپکار ہو ۔

شو

ــــــــ ✽ ــــــــ

سُرت شبد یوگ کلپدرُم

حصّہ اوّل

سنت مت کی تواریخ پر سرسری نظر

باب پہلا

سنت مت کیا ہے؟

دُنیا کیوں ہوئی کس طرح ہوئی۔ کیسے ہوئی۔ اس قسم کے مشکل سوال ہیں کہ جن کا جواب کوئی شخص مشکل سے دے سکیگا۔ یہ بات نہیں ہے کہ اس کا جواب نہیں ہے یا اس معمّہ کا حل نہیں ہے۔ سوال کا جواب اور معمّہ کا حل دونو ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ مگر جب تک کہ انسان کے دلی اور دماغی حالت اس طرح کی نشو و نما پا جائے کہ وہ خود اپنے طور پر اس کی طرف سے اپنے اندر اطمینان نہ پیدا کرے۔ تب تک کسی کو نہ تو جرأت ہو سکتی ہے کہ اس راز سربستہ کے پردوں کو چاک کر دکھائے۔ اور نہ اس کو مجاز ہے کہ خیالات کی قابلیت و قبولیت کے

۱؎ سنت مت کے اصول و فلسفہ کے حالات دوسرے حصّہ میں درج ہیں:۔

سے مادہ کی عدم موجودگی میں خواہ مخواہ اپنے خیال کو جبر یا سختی کے ساتھ
کسی سے دل و دماغ میں حلول کرے۔ قدرت کے کاروبار میں جُدا جُدا
قابلیتیں ہیں۔ جُدا جُدا طاقتیں ہیں۔ جُدی جُدی نگاہیں ہیں اور اس لئے
اختلاف اور تعدّد کے طبقے ہیں۔ جیسی جیسی قابلیتیں ہونگی ویسے ویسے
حالات کا انکشاف ہوگا۔ جیسی جیسی طاقتیں میسر ہیں۔ ویسے ویسے اس کے
کاروبار ہونگے۔ جیسی جیسی نگاہیں ہونگی ویسے ویسے نظارے دکھائی دینگے
۔ چمگادڑ کو سورج نظر نہیں آتا۔ تم دیکھتے ہو۔ لیکن کیا تم میں طاقت ہے کہ
چمگادڑ کی آنکھوں کو اپنی سی بنا لو۔ وہ جب دیکھیگا اپنی آنکھ سے دیکھیگا
اگر تم سے کچھ ہو سکے تو اتنا کر سکتے ہو کہ ساز و سامان ترتیب و تعلیم اور
درس و تدریس کے کاروبار کا سلسلہ فراہم کر دو۔ وہ وقت پر اپنی طبعی
جذبات کی بالیدگی اور روحی محسوسات کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اس سے
فائدہ اٹھا دیگا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ موت کے نظارے صرف اپنے ہی
آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ مگر یہ سچائی صرف یہاں ہی تک محدود نہیں ہے
بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کو انسان صرف اپنی ہی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اندھے
کو ہزار شیشہ دکھاؤ۔ وہ کیا دیکھ سکیگا۔ ضرورت ہے کہ اس کی قوت بصارت کو
تقویت ملتی رہے۔ کسی وقت اس کی کافی نشو و نما کے بعد وہ خود بخود دیکھ سکے
گا اور اندازہ کر سکیگا۔ کوئی علم ایسا نہیں ہے۔ جو انسان کسی کو زبردستی پڑھائے
پڑھنے والا جب پڑھیگا آپ پڑھےگا۔ اور وہ صرف اُس وقت پڑھیگا جب
اس میں پڑھنے کا مادہ آجائے گا۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہر ایک شے ہر ایک آدمی کو اس کی نگاہ کے
خاص ساخت کے موافق جُدا جُدا نظر آتی ہے کوئی کسی کے ایک پہلو کو دیکھتا
ہے کوئی اس کے چاروں پہلوؤں پر نظر ڈال سکتا ہے۔ کوئی ایسا ہے جو صرف

سطح پر نظر ڈال سکتا ہے۔ چوتھا اِن سب کے برعکس ہے وہ نہ صرف سطح کے چاروں پہلوؤں پر غائرنگاہ ڈالنے کی لیاقت رکھتا ہے۔ بلکہ اس کی تیز نظر سطح کے اندر گھُس کر اُس کے اندرونی حالات کو بھی دیکھ بھال سکتی ہے۔ یہ دُنیا کا حال ہے۔ نہ سب ایک سے ہو سکتے ہیں۔ نہ سب سے ایک ہونے کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ گو معراج ایک ہی ہے۔ وہ دو تین چار نہیں ہوتا۔ مگر کوئی کسی کے نگاہ کو کیا کرے ❖

تم دیکھتے ہو کاغذ کا یہ صفحہ تمہارے آنکھ کے سامنے ہے چکنا ہے ہموار ہے۔ رنگین ہے۔ لیکن ذرا زیادہ طاقت کا شیشہ آنکھوں میں لگا لو۔ کیا نظر آتا ہے! سطح چکنی نہیں ہے کھُرکھُری ہے۔ اس پر میدان کے ٹیلوں کی طرح ذرّے اُبھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چکنائی کافور ہے۔ رنگ غائب ہے اب بتاؤ کیا ہو گیا؟ جو نظارے پہلے دیکھے تھے اب بھی وہی ہیں۔ مگر شیشے نے اور ہی تماشا دکھا دیا۔ اسی طرح اگر اس سے بھی زیادہ تیز شیشہ ہاتھ آ سکے۔ تو یہ پچھلا تماشہ بھی نئے رنگ و روپ میں نظر آنے لگیگا۔ وعلی ہذالقیاس ❖

انسان کی آنکھوں کا دل کا و دماغ کا یہی حال ہے۔ جس میں جتنی طاقت ہے۔ وہ اُتنا ہی دیکھتا ہے۔ اُتنا ہی سوچتا ہے۔ اُتنا ہی سمجھ سکتا ہے۔ تم ہزار کوشش کرو۔ یکسانیت کے پیدا کرنے میں تم کو ناکامیابی ہوگی۔ کیونکہ ابھی تک اُن کے محسوسات وجذبات کو علم کا وہ طبقہ حاصل نہیں ہوا جو تم کو ہے۔ یہی حال آنکھ کان زبان لمس وغیرہ کا بھی ہے۔ چیونٹیاں بولتی ہیں۔ تم نہیں سُن سکتے۔ پرند چوں چوں کرتے ہیں تم کو برائے نام سنائی دیتا ہے۔ مگر جن کی سماعت کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ ان کی حالت دگرگوں ہے۔

بہ آوازِ مُرغے بنالد فقیر

یہ ایک سچائی ہے جس کو کوئی ذہانت آدمی بھی غور کرنے سے

سمجھ سکتا ہے انکار کرنا یا اصلیت کا اقرار کرنا دوسری بات ہے۔ مگر یہ اصلیت ہے۔ جو جیسا ہوگا۔ اُس کا مذہب اُس کا طریق اُس کا خیال اور اُس کا طرزِ عمل ویسا ہوگا ؎

انسانی گروہ میں طبیعتوں کے اختلافات ہر جگہ نظر آئیں گے۔ اِس سے چارہ نہیں ہے۔ جس میں جو قوت پھر گئی ہے۔ وہ کام کرتی ہے۔ باقی قوتیں محجوبیت کے پردہ میں پڑی ہوئی ہیں۔ بہت سے انسان ایسے ہیں۔ جو نباتات کی طرح کھاتے پیتے و حرکت کرتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو جانوروں کی طرح وحشی مزاج ہیں۔ تھوڑے سے سمجھنے کے لایق ہیں اور ایسے انسان در اصل بہت ہی کم ہیں۔ جو ہر شے کو اُس شے کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہیں ؎

جب دلی عقلی دماغی اور جسمانی قواؤں کا یہ حال ہے تو پھر کیسے کوئی اُمید کر سکتا ہے۔ کہ بہت سے لوگ کسی خاص معاملہ پر متفق الرائے ہو سکیں گے۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ طاقتیں سب میں ہیں۔ مگر کسی میں اُن کا اظہار زیادہ ہے اور کسی میں کم ہے۔ اور اس لئے درس تدریس۔ سوچ وچار۔ غور اور فکر کے معاملات میں اس قدر اختلافات نظر آتے ہیں ؎

دُنیا کے اختلافات کو جانے دیجئے۔ کیونکہ اُن کی تشریح امر محال ہے انسانی کاروبار کے اختلافات کو دیکھئے۔ اور آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ سب ایک سے نہیں ہیں۔ اور اختلافات کے طبقہ میں رہتے ہوئے ایک ہو بھی نہیں سکتے۔ مختلف الحالی قدرت کی جان کہی جاتی ہے۔ یہ دوند کی سرشتی ہے۔ یہاں ہر جگہ دو پنا نظر آئے گا۔ ایک پھل کے بیج ایک سے نہیں ہیں۔ ایک شاخ کے پتے ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ ایک ہی مطبع کی چھپی ہوئی کتابیں ایک سی نہیں ہوتیں۔ ایک ہی شخص کی سینکڑوں تصویریں ایک دوسرے سے

مختلف ہیں۔

یہ اختلافات آخر کیوں ہیں؟ اِن کا جواب یہ ہے کہ دیش۔ کال اور نمت نے یہ صورت بنا رکھی ہے۔ جہاں مایا ہوگی۔ وہاں اختلافات ہونگے۔ جہاں کال ہوگا۔ وہاں اختلافات ہونگے۔ جہاں وسعت فاصلہ اور بعد کا امکان ہوگا اختلافات ہونگے۔ سورج ایک ہے۔ مگر دیکھنے والے اُس کو ایک طرح پر نہیں دیکھ سکتے۔ کسی کو کچھ دکھائی دیتا ہے۔ کسی کو کچھ کیونکہ دیش کال اور نمت نے یہ فرق بنا رکھا ہے۔ اور جہاں یہ فرق ہوگا۔ وہاں تفرقہ ہوگا۔ اور جہاں تفرقہ ہوگا۔ وہاں دُکھ ہوگا۔ اور جہاں دُکھ ہوگا وہاں پرانی دُکھی ہونگے۔ اور دُکھ کی موجودگی میں سُکھ نہ ہوگا۔ اور جب سُکھ نہ ہوگا شانتی نہ ہوگی۔ اور شانتی نہ ہونے سے تفرقات سے بڑھنے کا قدم قدم پر اندیشہ رہے گا۔ اور دُنیا آتشکدہ کی صورت میں نظر آئے گی۔ جس میں پرانی ایندھن بن کر جلتے ہوئے پرتیت ہونگے۔

کیا اس میں تم کو شک ہے؟ یہ حقیقت ہے جس کی طرف سے کبھی آنکھ نہیں میچنی چاہئیے۔ بلکہ اُس کو سمجھ بُوجھ کر اُس سے فائدہ اُٹھانے کا انتظام کرنا چاہئیے۔

اِس قسم کی سمجھ بُوجھ پیدا کرنے اور اس قسم کے فائدہ حاصل کرنے کا اہتمام جس طریق نے بڑے التزام اور خوبی کے ساتھ کیا ہے۔ وہ سنت مت ہے۔ جو کسی کا برودھی نہیں ہے۔ بلکہ سب کو اُن کی مناسب حیثیت بتاتا ہوا معراج کی طرف چلنے کا اشارہ کرتا ہے۔

سنت مت تمام علوم و فنون کا جوہر اور عطر ہے وہ سارے طبقات کو یکے بعد دیگرے نگاہ کے سامنے لاکر اور ان پر اختیار دلاکر روح کو اُونچے کی طرف چلنے اور معراج آدرش یا آئیڈیل تک پہنچنے کا جتن بتاتا ہے۔

لفظوں میں اٹکنے والے نادان سنت مت کے اصطلاحات کو اور نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ لفظوں پر اٹکتے ہیں۔ اور بحث مباحثہ کرتے ہیں۔ یہ سنت مت کے اصلی تعلیم سے کوسوں دُور ہیں ✦

دُنیا کو تفرقات اور اختلافات سے پریشان دیکھ کر سنتوں نے اس قسم کا انتظام کیا کہ انسان آہستہ آہستہ بلند نظر ہو کر اپنے اندر چڑھائی کرتا ہُوا چلے۔ اور اُس اصلی تتو سے جو پرم پد ہے۔ سار تتو ہے۔ سار بھید ہے۔ سار شبد ہے۔ اور ست نام خواہ انام ہے۔ مِل کر ایک ہو رہے۔ اس وقت خود بخود دُکھوں کی نورتی ہو جائے گی۔ اور دوند کی بھیانک رچنا سے نکل کر وہ ایسے ستھان میں پہنچیگا۔ جہاں پر تفرقہ کا اندیشہ نہیں ہے۔ یہ سنت مت کی تعلیم کا عطر اور خلاصہ ہے ✦

رُوح تو یہ ہے۔ مگر اِس روح کے اُوپر چولے اُس یا غلاف پڑے ہوئے ہیں۔ وہ نیک سے انیک ہیں۔ اِن غلافوں کو چیرتے ہوئے اُن کے مرکز خواہ نجیعہ استھان تک پہنچنا اور آہستہ آہستہ ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ کی سیر کرتے ہوئے پرم پد میں چل کر ایک ہو رہنا۔ یہ اُس طریق کا ابھیاس اور شغل ہے۔ جو سُرت شبد کی مدد سے کیا جاتا ہے ✦

سنت فرماتے ہیں۔ عالم ناسوت میں زود ہے ہے۔ عالم ملکوت میں دوند ہے۔ عالم لاہوت میں دوند ہے۔ ہاہوت ہوت الہوت کوئی بھی اِن سے خالی نہیں ہُوت میں آرام ہے۔ اور دُکھ ہے۔ وہاں ایک ست نام ہے۔ اُس کے سوا دوسرا نہیں ہے۔ اور وہی سنتوں کا بسرام ہے ✦

دوند کوئی اور چیز نہیں ہے۔ دوند دو کو کہتے ہیں۔ جہاں دو ہوتے ہیں وہاں تفرقہ اور دوئی کا ہونا لازمی ہے۔ یہ رچنا جس میں ہماری موجودہ بُود باش ہے۔ مرکب رچنا ہے جس میں رُوح اور جسم کا میل ہے۔ اور چونکہ

جسم کے ساتھ تمام جسمانی غلبات اور نفسانی جذبات وخواہشات رہتے ہیں شانتی اور قرار کا ہاتھ آنا مشکل ہے یہ شانتی اس وقت نہیں نصیب ہو سکتی۔ جب تک مفرو رچنا سے تعلق نہ پیدا کر لیا جائے یہ مفرو رچنا روح کی ہے اور اس کے عالم کو عالم علوی کہتے ہیں ترکیبی رچنا کے طبقات عالم سفلی کہلاتے ہیں*

وچار یا تمیز کا درجہ صرف وہاں تک ہے جہاں تک دوبیت پد کا یعنی ترکیبی اور مرکب رچنا کا تعلق ہے۔ مفرو رچنا میں وچار نہیں ہوتا۔ اس لئے جو طریقہ تعلیم کہ صرف وچار ہی تک محدود ہے اور آدرش یا معراج پر ٹھہرنے اور پہنچنے کا پتہ نہیں دیتا۔ اس سے اصلی اُدھار کے ذریعہ کا ہاتھ آنا مشکل ہے۔ سنت مت جہاں پریم کے ساتھ وچار چلتا ہے ساتھ ہی اصلیت کے بھی ذہن نشین کرانے کا اس معقولیت کے ساتھ ایسا انتظام ہے کہ اور جگہ وہ کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ اس طریق کی اعلےٰ تعریف ہے۔

اس وچار یا غور وفکر کی ابتدا عالم ناسوت سے شروع ہوتی ہے۔ اُسکی حد مقام ہونے نامے تک ہے۔ اس کے بعد پریم کا پھندا ہے۔ جہاں وچار ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے اور پھر کبھی دکھ اور درد کی مصیبت کا خوف نہیں رہتا۔ سنتوں کے اصطلاحات ہیں۔ کنول۔ چکر یا ٹھیکے وغیرہ الفاظ جو استعمال کئے جاتے ہیں۔ وہ دراصل منزل مقصود کے راہ میں درمیانی مرحلے ہیں اُن کو سہنس دل کنول۔ ترکٹی۔ سُن مہاسن بھنور گپھا ست لوک کہتے ہیں یہ یونہی نہیں ہیں بلکہ روح جس طرح بتدریج آلائشات نفسانی سے آزاد ہو کر لطیف ہوتی جاتی ہے وہ اپنے اندر ان کو محسوس کرتی ہے۔ اور ان سے گذر کر مقام آخری میں واصل ہو جاتی ہے۔

ہے ؂

روح کی اس طرح چڑھائی کا سب سے زبردست۔ یقینی اور سہل طریقہ سرت شبد یوگ ہے۔ اور یہ یوگ جوان۔ بوڑھے۔ مرد۔ عورت۔ اور لڑکوں تک کے لئے یکساں ہے۔ اس کے سنجم بہت آسان ہیں۔ سنتوں نے کلی یگ میں خاص کر صرف اسی سادھن کو ضروری اور مفید بتایا ہے۔ باقی اوروں کا نشیدھ کر دیا۔ کیونکہ وہ مضر بیمار کرنے والے اور جسم۔ دل اور دماغ کے کمزور بنانے والے ہیں۔ اُن میں خطرات وخدشات ہیں۔ اس کے نقل میں کسی قسم کا خوف نہیں ہے۔ اُن کے مدّت العمر تک سادھن کرنے میں بھی حقیقت کا پردہ نہیں کھلتا۔ اس کے چند روز کے ابھیاس سے اکثر ادھکاری وسنسکاری جیووں کو خود بخود اپنے اندر انکشاف کا موقع ہاتھ آنے لگتا ہے اور نج انبھو کے ساتھ وہ سچائی کو یقینی طور پر سمجھنے لگتا ہے۔ اور اپنی زندگی اسی میں جان جاتا ہے۔ کہ آیا وہ موکش ہو گیا یا موکش کے قریب ہے۔ یہ بات دوسری طرح کے سادھن سے جلد ہاتھ نہیں آتی ؂

دوسری فصل

سنت مت کے پرچار کی ابتدا پہ ایک نظر

سنت مت کا پرچار ہمیشہ کلی یگ میں ہوتا ہے۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اور یگوں میں اس کا پرچار رہتا ہے۔ سنت مت کی تعلیم کا ماحصل ہر وقت اور ہر زمانہ میں رہتا ہے۔ اس کا تعلق نہ صرف زمین ہی کے کرہ سے ہے بلکہ سارے برہمانڈ کے اجرام اور سیارے وستاروں سے ہے۔ . . . .

مگر ہم کو چونکہ اسی زمین سے نسبت ہے۔ اس لئے ہماری نگاہ اس وقت صرف اسی تک محدود رہیگی۔ پہلے یگوں میں اس کی تعلیم زور و شور کے ساتھ نہیں ہوتی۔ بلکہ گپت ریتی سے دی جاتی تھی۔ کلی یگ میں پرگٹ ریتی سے اس کی منادی کا اہتمام کیا جاتا ہے؛

ست جگ ترتیا۔ دواپر بیتیا ۔ کاہو نہ جانی شبد کی ریتیا
کلی جگ میں سوامی دیا بچاری پرگٹ کرکے شبد پکاری

سوال کیا جائیگا کہ کلی یگ کو یہ خصوصیت کیوں دی جاتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کلی یگ میں سب یگوں سے زیادہ انسان باہر مکھی ہو جاتا ہے۔ اُس کی مادی ضرورتیں اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ہر ایک شے کا محکوم بنا لیتا ہے۔ اور روحی احساس میں کمی آجاتی ہے۔ تمیز۔ تفریق۔ بیگانگی نااتفاقی۔ بہت بڑھ جاتی ہے۔ انسان انسان کا دُشمن ہو جاتا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کی پامالی کی فکر میں رہنے لگتی ہے۔ ایک ملک دُوسرے مُلک کے بربادی کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ اور دُنیا میں ہر جگہ کہرام مچ جاتا ہے۔ اس کا اصلی سبب صرف یہ ہے کہ جیو بالکل جیو کوٹی میں آجاتا ہے۔ اور باہر مکھی بن کر اصلیت سے دُور ہو جاتا ہے؛

ست یگ میں سب جیو ایشور کوٹی ہوتے تھے۔ اُن میں ستوگنی حالت رہتی تھی۔ باہمی تمیز اور تفریق کا عدم تھی۔ اُن کا جیون یا دُرح میں رہا کرتا تھا۔ یہ دُنیا کا سونہلا زمانہ ہوتا ہے ترتیا میں یہ حالت صرف تین حصہ رہتی ہے ایک حصہ خرابی کا آگیا تھا۔ اور تفریق تقسیم کا سلسلہ حل کردرن آشرم تک محدود تھا۔ یہ دُنیا کا روپہلا زمانہ تھا۔ دواپر میں ست کا بھاؤ آدھا رہ گیا۔ ذات پانت کی بنیاد پڑی تفریق و تقسیم کا سلسلہ بڑھ گیا۔ نفرت اور کراہیت کی ترقی ہوئی۔ یہ دنیا میں مسی یعنی تانبے کا زمانہ کہلاتا ہے۔ کلی یگ میں ست صرف

ایک حصہ رہ گیا۔ باقی تین حصے خرابی کے آگئے۔ یہ دنیا کا آہنی یعنی لوہے کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس میں حد درجہ کی مصیبت جوگنی پڑتی ہے۔ ابتدا عمر ہی سے معاش کی فکر کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور اُسی کی تکسیب اور تکمیل معراج زندگی بن جاتی ہے۔ اور زندگی کی صرف اناج یا مستقول شے پر ہیں آجاتی ہے جیو سمجھنے لگتے ہیں کہ اگر اناج نہ ملے تو وہ مر جائینگے۔ اس قدر وہ نادان اور باہر مکھی ہو جاتے ہیں۔ مادہ ان پر سب ہر طرح سے غالب آجاتا ہے اور روح دب جاتی ہے۔ اس حالت میں جیوؤں کو جو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا بیان طوالت سے خالی نہیں ہے۔ ان جیوؤں میں بہت سے سمجھدار آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس حالت کو ناپسندیدگی کی نگاہ دیکھتے ہیں۔ انکو دنیا سے اُپرام ہو جاتا ہے اور وہ ایسے اعلیٰ اور سہل تعلیم کے خواہش مند ہوتے ہیں جو انکو اصلیت کا پتہ دیکران سب آفات سے نجات دے اور بلند نگاہ بنا کر موکش کا درجہ بخشے اس وقت سنتوں کا پرگٹ روپ میں ظہور ہوتا ہے۔ اور سنت مت کی تعلیم کا پرچار کرتے ہیں۔

کلی یگ میں تکلیفوں کا نظارہ دیکھنے کے لیئے ہم کو کسی اور ملک کی طرح توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھارت درش کرۂ ارض کا شرومنی ہے نادان آدمی اس کی موجودہ حالت دیکھ کر جو چاہیں وہ کہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ زمین کے کرۂ کا مرکز یہی بھارت ورش ہے۔ بودھ۔ تیرتھنکر۔ اوتار۔ اور سنت اسی میں پرگٹ ہوتے ہیں اور انکے تعلیم کا سلسلہ براہ راست یا اور طور پر زمین میں محیط ہو کر شانتی کا باعث ہوتا ہے۔

اس کلی یگ کی ابتدا بھارت سے ہوئی اس کے بعد دنیا میں جو جو خرابیاں واقع ہوئیں۔ ان کا بیان کرنا فضول ہے۔ اس کے رفع و انسداد کے لیئے بودھ دیو کا ظہور ہوا۔ ان کے بعد پھر خرابیوں کی نئی نئی صورتیں ظہور پذیر

ہونے لگیں۔ جن کا مفصل حال قلمبند کرنا مشکل کام ہے۔ خلاصہ کے طور پر
یہاں چند مورخین و مصنفین کے نوشتوں کے ترجمے داخل کئے جاتے ہیں۔
جن سے خود بخود پتہ لگ سکے گا۔ کہ وہ زمانہ کس قسم کا تھا۔ اور آیا سنت مت
کی تعلیم لوگوں کے دُکھ دُور کرنے۔ اُن کے با اخلاق و مہذب بنانے اور مالک
کے طرف سب کی توجہ کرنے میں کس طرح کام کیا ہے اور آیا اُس کی ضرورت
تھی یا نہیں۔ ذیل جو کچھ ہم قلمبند کرتے ہیں۔ وہ ہمارا اپنا بیان نہیں ہے۔ بلکہ
مُسلمان مصنفیں و مورخین کے نوشتہ جات سے اخذ کیا گیا ہے۔

غیاث الدین کا ذکر ہے۔ اس نے رانا مل بھٹی کی خوبصورت لڑکی کا حال
سُن کر اس کو سخت ستایا۔ ایک مرتبہ جیسلمیر میں آٹھ ہزار راجپوت عورتیں ایک
ساتھ اس کے حملہ کے وقت چتا پر بیٹھ کر جل گئیں۔ دوسری دفعہ اسی طرح کے
جوہر کے وقت چوبیس ہزار معصوموں نے آگ میں جل کر اپنی عصمت کو دھبہ سے بچایا
فیروز شاہ کے زمانہ میں ٹیکس کی وہ بھرمار تھی کہ لوگ بہ مشکل گذران کر سکتے تھے

تیمور کا حال سنئے اُس نے دیال پور کے پانچ ہزار۔ اجودھیا کے چودہ ہزار
بنارس کے تیس ہزار ہندوؤں کو محض بُت پرستی کے الزام میں قتل کر دیا تھا۔
ان سب مقتولوں کے لڑکے بالے۔ عورت اور بچوں کو غلام اور لونڈی بنایا بھٹیر
کے شہر میں ایک موقع پر جب محصول کے معاہدہ میں تکرار ہوئی تو اس سے اٹھتیس
ہزار ہندوؤں کو مکان میں قید کر کے آگ لگا دی۔ ان میں سے دس ہزار آدمی
بھاگ نکلے۔ ان کو پکڑوا کر سرد مہری سے قتل کرا دیا۔ لوگ زندگی سے بیزار ہو
رہے تھے۔ کتنے آدمی پہلے اپنے بچوں کو زہر کھلا کر پھر خودکشی کر بیٹھتے تھے۔ اس
نے ایک لاکھ پچیس ہزار ترکی سپاہی اس لئے رکھے تھے۔ کہ ہندوؤں کو لوٹا
کریں۔ اور ستائیں۔ چند دنوں کے بعد اُن کے پاس اتنی دولت اکٹھا ہو گئی کہ پھر
وہ نوکر چھوڑ چھوڑ کر اپنے اپنے مُلک کو چلے گئے۔ وہ کہا کرتا تھا ہمارے بادشاہی

کرنے کو نہیں آیا۔ صرف ہندوؤں کو نیست و نابود کرنے کے لیئے آیا ہوں۔ اس نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہندو قتل کیئے۔ میرٹھ کے حملے کے وقت کتنے مندر توڑ ڈالے۔ ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے سے ہمیشہ عار تھا۔ یہ زبردستی ان کے مُنہ میں گائے کا گوشت ڈال کر بیدین کروایا کرتا تھا۔ تزک بابری میں لکھا ہے جو ہندو لڑائی میں گرفتار ہو کر آئے تھے۔ وہ بادشاہ کے سامنے قتل کیئے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اتنے آدمی مارے گئے کہ بادشاہ کو اپنی قیام کی جگہ تبدیل کرنی پڑی۔ ہندوستان میں جو جا بجا ویران ٹیلے نظر آتے ہیں۔ یہ اسی وقت کے ظلم کی یادگاریں ہیں۔ یہ سب آباد شہر تھے۔ اب اُجاڑ ویرانے ہیں ۔

ہندوستان کے قدیم شہر کیسے آباد تھے۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے۔ قنوج میں بیس ہزار صرف تنبولیوں کی دوکانیں تھیں۔ شہاب الدین نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اب وہ قنوج کہاں رہا ۔

متھرا پچیس مربع میل آباد تھا محمود غزنوی نے اس کو اُجاڑ کر زمین دوز کر دیا۔ محمود کا میر منشی ایک مندر کی نسبت لکھتا ہے۔ ایسے مندر کی تعمیر میں کروڑوں دینار خرچ ہوئے ہونگے۔ اس کی شان و شوکت کے بیان میں زبان قاصر ہے۔ محمود شاہ کے ہاتھ میں کیا لگا۔ دولت کی کان مل گئی۔ فوج نے اتنا لوٹا کہ سب کے دل کو آسودگی ہو گئی ۔

بھیلسا کا مندر ایک سو پچاس گز اُونچا۔ اور آدھا کوس چوڑا تھا۔ متعدد سالوں میں یہ کروڑوں روپے خرچ کر کے بنایا گیا ہوگا۔ اس کو شمس الدین نے خاک میں ملا دیا۔ امیر خسرو لکھتے ہیں۔ اس شیوالہ کے توڑنے میں لاکھوں آدمی مارے گئے۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ کروڑوں کے جواہرات ہاتھ لگے۔ دیواروں کے نقش و نگار میں جواہرات اور قیمتی پتھر لگے تھے۔ اس کی جگہ مسجد بنائی گئی جو اب تک موجود ہے ۔

محمد موسیٰ اپنی کتاب تواریخ سندھ میں لکھتا ہے۔ محمد قاسم نے جب شمس آباد کو اُجاڑا تو لاکھوں ہندوؤں کو جان سے قتل کیا۔ بیس ہزار ہندو غلاموں کی حیثیت میں بغداد بھیجے گئے۔ اُن کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں جو شاہی نسل سے تھیں جب بغداد کے خلیفہ نے ان کو اپنے حرم میں رکھنے کا ارادہ کیا۔ لڑکیاں نے کہا۔ حضرت ہم کو محمد قاسم نے خراب کر دیا ہے۔ حرم سرا میں رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ خلیفہ نے غصہ میں آ کر حکم دیا محمد ابن قاسم کی کھال کھنچوا لی جائے اور اس کو بیل کی کھال میں بند کر کے بھیج دیا جائے۔ ایسا ہی ہوا۔ اس نظارہ کو دیکھ کر لڑکیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ حضرت! یہ کیا کیا؟ ہم کو تو دھوکے اور فریب سے اپنے باپ کے قاتل کو قتل کرانا تھا۔ مگر آپ نے دانائی سے کام نہیں لیا۔ اس نے ہماری عصمت دری نہیں کی تھی۔ بادشاہ کو سخت تعجب ہوا۔ اور ان کو بھی اُسی وقت قتل کر دیا گیا +

میر معصوم اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ ملک سندھ کے بھاٹیا لوانا جاٹ کوریا وغیرہ کے لئے خلیفہ عمر کا حکم تھا۔ نہ اچھا کپڑا پہنیں۔ نہ اچھا کھانا کھائیں۔ نہ گھوڑے پر سوار ہوں۔ نہ دو منزلے مکان بنوائیں۔ خوبصورت لڑکے لڑکیوں کو گھر میں نہ رکھیں یا تو بادشاہ کی نذر کر دیں۔ یا کسی مسلمان کو دے دیں +

تواریخ چچنامہ میں مرقوم ہے کہ جب سندھ دیش کا قلعہ راوڑ مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ وہاں سے تین ہزار ہندو مرد و عورتوں کو قید کر کے غلام و لونڈی کی حیثیت میں خلیفہ ولید کے پاس بغداد بھیجا گیا۔ ان میں سے کچھ تو فروخت ہوئے کچھ مسلمانوں کو انعام میں دے دیئے گئے۔ خلیفہ ولید نے بغداد سے محمد ابن قاسم کو لکھا۔ تم سے جہاں تک ہو سکے۔ کافروں کو چین نہ لینے دو۔ جیسے ہو سکے مسلمان بناؤ۔ اگر نہ مانیں قتل کر دو۔ اس نے اس طرح حکم پا کر شہر دیپال پور کے بڑے بڑے مندر مسمار کرا دیئے اور لاکھوں روپیہ کی دولت بغداد کو بھیجی +

تیمور شاہ اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہے "ہندوستان میں آنے کا میرا مطلب

میرا مطلب یہ ہے کہ اوّل ہندوؤں کو مسلمان بنایا جاوے۔ دوسرے اِن کا مال لوٹ کر مسلمانوں کو دیا جائے۔ "مسلمان مورخین لکھتے ہیں۔ کہ جب تیمور کو پتہ لگا کہ سارے قیدی کافر ہیں۔ تو اِن میں سے ایک لاکھ کو چُن کر قتل کر دیئے[1] +

اب آپ دیکھئے۔ ایسی حالت میں جب انسان کے سِفلی جذبات مُنہ زور تماشے دکھائیں۔ انسان کے دُکھوں کا کیا حال ہو گا:

یہ سب خرابیاں محض اس وجہ سے ہوئیں کہ انسان نے مواحدت اور یگانگت کے طریق کو جواب دے دیا۔ تفرقہ پردازی اور باہمی تمیز کے شگاف کو روزانہ فراخ بناتا گیا۔ ہندوؤں میں خود وہ تمیز ناخوشگوار حالت پیدا کر رہی تھی۔ کُل یُگ تھا ہی۔ مگر اِس مسخ کرنے والی مادی طاقت نے اُس سے دو سو گز اور آگے قدم جمایا۔ ہر جگہ الامان الامان کی صدا بلند ہوئی۔ جیو دُکھی ہوئے اور اُن کے دُکھوں کے دور کرنے کے لئے سب سے پہلے پرم سنت کبیر صاحب کا ظہور ہُوا۔ جو سنت مت میں بہت قابل تعظیم سمجھے جاتے ہیں۔ یہ مالک کے دیا کے سروپ تھے۔ اور مخالفین معاندین اور حاسدین کا ذرا بھی لحاظ نہ کر کے اُنہوں نے وحدانیت کا وہ راستہ دکھایا۔ جو کروڑوں کے تشفی کا باعث ہُوا۔ اور بہت عرصہ تک بذات خود صلح کل طریق کی منادی کرتے رہے۔ اُن کی پیدائش سمت ۱۴۵۵ بکرمی جیٹھ سُودی پورنماشی سوموار کے دِن کاشی جی میں ہوئی تھی۔ اور سمت ۱۵۷۵ بکرمی میں سُودی ایکادشی بُدھ وار کے دن بہت ہوئے۔ اس حساب سے اُن کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوتی ہے۔ اُن کے ہمعصر بادشاہ حسبِ ذیل تھے:

محمود تغلق

سید ظفر خاں

مبارک شاہ۔

[1] منقول از پنجابی شوما

محمد شاہ

علاؤالدین

بہلول لودی

ابراہیم لودی

کبیر صاحب کے حالات دوسرے باب میں بالتفصیل قلمبند ہوئے ہیں۔

کبیر صاحب سے پہلے کسی کو اس بات کا خیال بھی پیدا نہیں ہؤا تھا کہ اس خاص تعلیم کے ذریعہ تمام بنی نوع خواہ وہ اپنی قومیت و ظاہری مذہب کے خیال سے کچھ ہی ہیولا نہ ہوں۔ آپس میں مل سکتے ہیں اور اس طریقہ پر دکھی جیوڑں کو وحدانیت اور توحید کے تعلیم کی مدد سے بھوساگر پار کرنے کا موقع ہاتھ آسکتا ہے۔

جس وقت کبیر صاحب نے اس طریقہ پر تعلیم دینا شروع کیا بمشکل سے لوگ ان کی طرف رجوع ہوئے کیونکہ اول تو وہ مسلمان تھے۔ اور مسلمانوں میں بھی نہایت رذیل قوم میں سے تھے۔ دوسرے دنیا کے ظاہری علم سے بالکل خالی اور محروم محض نظر آتے تھے۔ مگر جب انہوں نے کچھ عرصہ تک اپنا شنکہ نام بجایا۔ جن کی آنکھیں تھیں۔ انہوں نے ان کے صورت میں ست پرش کا جلال دیکھا اور ان کے قدموں میں آکر بھگتی اور پریم کا سبق سیکھنے لگے

ہندؤں میں تو خیر ان کے شاگرد کتنے ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ اور ہندو مسلمان دونوں جماعتوں میں ایسے باکمال بزرگ پیدا ہونے لگے۔ جنہوں نے کبیر صاحب کے صدا کو ہر جگہ بجادیا۔ اور وہ آواز ہر جگہ گونج اٹھی۔ جس نے سنا دل میں جگہ دی دوسروں کو سایا اور آہستہ آہستہ

ہمارے مُلک میں روحانیت کی سیراب و شاداب کرنے والی لہر آگئی - جو برابر کام کرتی رہی - اور اب تک کام کر رہی ہے - کوئی یہ نہ سمجھے کہ جس نے کو کبیر صاحب نے لے کر کام کرنا شروع کیا تھا - وہ خاتمہ پر پہنچ گیا نہیں - وہ اب بھی اپنا کام کر رہا ہے - اور اُس کے کام کا اثر یقینی طور پر سارے مُلک میں پھیلتا جا رہا ہے - جلدی کی ضرورت نہیں ہے ؞

دوسرا باب

فصل پہلی

کبیر اور کبیر پنتھ

کبیر صاحب ولی مادرزاد تھے

کبیر صاحب پرم سنت تھے اور ولی مادرزاد تھے۔ یہ کہنا کہ اُنہوں نے اپنی تعلیم کے مسائل کسی خاص کتاب یا مذہب سے اخذ کئے تھے۔ بالکل غلط ہے۔ اُن کا فلسفہ انتخابی فلسفہ نہیں ہے۔ نہ وہ ویدانت ہے۔ نہ سانکھ ہے نہ نیائے ہے نہ میمانسا ہے۔ وہ ایک خاص قسم کے موجد تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔ گو وہ خیال ہندوؤں میں بالخصوص اور اہل تصوف میں بالعموم سینہ بہ سینہ چلا آیا ہو۔ اگر اس آخری رائے کو صحیح تسلیم کریں اور اس کے صحیح تسلیم کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہ ہونا چاہئے۔ تب بھی کبیر صاحب نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ پہلے اس کی شکل بے قاعدہ تھی۔ اُنہوں نے اس کو نہ صرف باقاعدہ بنایا۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ اس کو ایسے دلچسپ پیرایہ میں پیش کیا۔ کہ اُس زمانہ کی روحانیت پسند طبیعتیں اُن کی طرف مائل ہو گئیں۔ اور اس ملک میں ایک ایسا

لکھوں کو سیلاب آگیا کہ سب پر اس کا رنگ چڑھ گیا۔ اور ان کے
شبدوں کی صدا سے در و دیوار گونجنے لگے۔ پورب پچھم اتر دکن
ہر جگہ ان کے خیالوں کی اشاعت کی لہر پھیل گئی۔ سب کو کسی نہ کسی صورت
میں اس کا اثر ماننا پڑا۔ اور وہ اثر ابتک اپنا کام کر رہا ہے ؁

کبیر صاحب کی پیدائش و نام

کبیر صاحب نورا نامی مسلمان جولاہے کے گھر میں پرگٹ ہوئے تھے
اور انکی استری کا نام نیمان تھا۔ کبیر صاحب نے اپنی تصانیف میں جابجا
اپنے جولاہا ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہندؤں میں بہت سی داستانیں مشہور
ہیں۔ ان سے کبیر صاحب کے ایک بیوہ برہمنی کے لڑکے ثابت کرنے
کی کوشش کی گئی ہے۔ اور سوامی رامانند کے دعا دینے سے اس کے
انگوٹھے سے اس کی پیدائش کے یقین دلانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔
کبیر نام تو صرف کہ یہ بھی سمجھا گیا ہے کہ چونکہ یہ ہاتھ کے انگوٹھے
سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے ان کا نام کربیر تھا اور وہ بگڑ کر
کبیر ہو گیا۔ ہندؤں میں آج تک کسی کا نام کبیر سننے میں نہیں آیا۔ مسلمانوں
میں کبیر ایک عام نام ہے جو اب تک بہت سے آدمیوں کا رکھا جاتا
ہے۔ اس لئے بامعنی لفظ کے توڑنے مروڑنے کے بجائے یہ مان لیا
جائے کہ ان کا کبیر ہی نام تھا۔ تب بھی ان کی عظمت میں فرق
نہیں آتا۔ بعد کو کبیر صاحب کا نام پڑا

کبیر پنتھیوں کا پیدائش کے متعلق عقیدہ

برہمنی بیوہ کے بطن سے پیدا ہونا ... ان ناموں کا ... کے مشہور ...
کتاب میں لکھا ہے چونکہ ... [illegible]

زیادہ مشہور ہو گئی تھی - اور انہوں نے بھی اس کو اسی طرح اپنی کتاب میں درج کر لیا۔ کبیر پنتھی جہاں اس کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ کبیر صاحب خود مالک کے ظہور تھے۔ اور لہر تالاب کے کنول کے پتے پر ان کے پرکٹ ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ نورا جولاہا کسی برات سے واپس آ رہا تھا پیاس کی شدت تھی پانی پینے کے لئے وہ تالاب کی طرف جھکا۔ وہاں اس کو مالک کی قدرت کا تماشہ نظر آیا کبیر صاحب انگوٹھے کو منہ میں لگائے ہوئے پانی میں کنول کے پتے پر تیر رہے تھے نورا کے ساتھ (غالباً) اس کی بیوی نیما بھی تھی۔ نیما بانجھ تھی اس کے لڑکا بالا کوئی نہیں ہوتا تھا اس کو اس عجیب و غریب لڑکے کو دیکھ لینے کی خواہش ہوئی۔ مگر وہ کچھ سمجھ کر چپ ہو گئی۔ شوہر اور بیوی کے درمیان کچھ دیر تک بحث ہوتی رہی آخر انسلوفی محبت جوش میں آ گئی۔ نورا نے ان کو اٹھا کر نیما کی گود میں رکھ دیا۔ اور اس نے کبیر صاحب کو اپنا لڑکا بنا لیا۔ وہ اسی کے لڑکے مشہور ہو گئے۔ اور ان کا نام کبیر رکھا گیا

پیدائش کا سنہ

کبیر صاحب کی زندگی کے واقعات کچھ اسی طرح مبہم ہیں کہ ان سے ٹھیک ٹھیک ان کی پیدائش کی سمت کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ جب تک زمانہ و محققانہ طریقہ پر تحقیقات کر سکے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس خاص سمت میں پیدا ہوئے تھے۔ مجبور ہم کو روایات کی مدد لینی پڑتی ہے۔ اور ان پر غور کر کے ایک نتیجہ پر قائم ہونے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ روایتیں کہتی ہیں کہ وہ سمت ۱۴۵۵ بکرمی یا ۱۳۹۸ء میں لہر تالاب میں پرگٹ ہوئے تھے۔ پیدائش کے سنہ کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ مگر چونکہ ان کی موت پندرھویں صدی کے آخری حصہ میں واقع ہوئی تھی اور اس کا کچھ کچھ پتہ چلتا ہے۔ اسی سمت سے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ سنہ سمت کی پندرھویں صدی کے شروع میں ظاہر ہوئے تھے۔ بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ جب تک ٹھیک ٹھیک سمت نہ معلوم ہو مجبو

ہم کبیر پنتھی صاحبان کے نوشتہ جات ہی پر یقین کرنا پڑتا ہے۔ شاید سنہ پیدائش
کا مسئلہ حل بھی کبھی نہ ہوگا۔

یہ کہا جاتا ہے کہ کبیر صاحب کا ظہور محمود تغلق کے زمانہ میں ہوا تھا

لڑکپن کا زمانہ

کبیر صاحب لڑکپن ہی سے تیز مزاج تھے۔ اور ان میں وہ اوصاف جو بزرگوں
سے مخصوص ہیں۔ اسی وقت موجود تھے۔ مالک کی بھگتی کا ابتدا ہی سے خیال تھا
پریم مجسم۔ بھگتی کا رنگ رگ رگ ریشہ ریشہ میں بہتا ہوا تھا۔ مگر تعجب یہ ہے کہ گو وہ
مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ مگر ان کے مذہب و شریعت کی جانب کبھی متوجہ نہیں ہوئے
بلکہ برعکس اس کے ان میں ہندوؤں کے جذبات زور شور کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ یہ کم
دیکھنے کی بات نہیں ہے۔ اس وقت اس ملک میں اسلام اپنے عروج پر تھا۔ ہندو
دھرم نہایت کمزور ہو رہا تھا۔ اور اس پر طرح طرح کی بلائیں نازل ہو رہی تھیں
ہندوؤں کے مذہب کی توہین و تذلیل کے سامان ہر طرف سے موجود رہتے تھے۔ ایسے زمانہ
میں ایک مسلمانوں کے یہاں پرورش پانے والے بچہ کا ہندوؤں کی طرف رجوع ہونا بھی
ایک قسم کی کرامات ہے۔ اس لئے کرشن بھگوان کی وہ بات یاد آجاتی ہے کہ جب جب دھرم
کی ہانی ہوتی ہے۔ اس وقت مالک پرگٹ ہو کر اس کی رکشا کرتا ہے۔ اس خوفناک
زمانہ میں کوئی ہندو آزادی کے ساتھ ہندی ناقوس نہیں کر سکتا تھا کون جانے کبیر
صاحب کا ظہور اسی وجہ سے مسلمانوں میں ہوا ہو۔

ایک اور تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ جولاہوں کی قوم ہندو تو کبھی اچھوت تک سمجھتے ہیں
مسلمانوں میں بھی وہ رذیل سمجھے جاتے ہیں۔ میرے اپنے وطن کی بات ہے
لڑکپن میں جب میں کسی مسلمان کو چھو لیتا تھا۔ تو میری دادی جو تھیں مجھے نہانے
کے لئے مجبور کر دیتی تھیں اور نہانے سے پہلے گھر میں نہیں آنے دیتی تھیں۔ اب
اب زمانہ نہیں رہا۔ سخت تبدیلی آگئی ہے۔ لیکن چالیس پچاس برس پہلے جب اس

قسم کی تنگ خیالی تھی تو ہر شخص سوچ سمجھ کر نتیجہ اخذ کر سکتا ہے۔ کہ بنارس میں متعصب جولاہوں کی کیا حیثیت رہی ہوگی۔ ایسے زمانہ میں ایک جولاہے کا گورو بن کر ہندو و مسلمان دونوں کو مذہبی وحدت دینا اور ان کے روحانی جذبات مطمئن کرنا کسی معمولی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن یہ نہیں کبیر صاحب کو مذہب کی دشمنی تھی۔ اور رام نام کے بھجن گایا کرتے تھے۔

سوامی رامانند جی سے تعلق

ہندوؤں میں یہ ایک عام خیال ہے کہ بغیر گورو کے اُدھار نہیں ہو سکتا۔ گورو بن گت نہیں۔ گیان بن مت نہیں۔ یہ خیال تمام ہندوؤں میں مضبوطی کے ساتھ سرایت کر گیا ہے۔ بلکہ جہاں جہاں تصوف کی تعلیم کا اہتمام ہے۔ گورو کی شخصیت کی اہمیت پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ کبیر صاحب ایک موقع پر خود کہتے ہیں:۔

گورو بن مالا پھیرتے۔ گورو بن دیتے دان
گورو بن دان حرام ہے جائے پوچھو وید پران

مولوی روم صاحب جو مسلمانوں میں اعلیٰ درجہ کے صوفی تسلیم کئے جاتے ہیں ان کی ساری مثنوی اس قسم کی تعلیم سے بھری پڑی ہے۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر۔ ہست بس پر آفت و خوف و خطر
بے از ندیدہ کسے راحق نوال۔ شمۂ گفتم ز اصحاب وصال

ترجمہ۔ گورو کو قبول کر کیونکہ بغیر گورو کے اس سفر (طریقت) میں آفات و خطرات ہوتے ہیں بغیر گورو کی دیا کے مالک کی ذات نہیں ملتی میں نے تھوڑی سی (عظمت) مہاتماؤں کی کہی ہے۔

اس خیال سے کبیر صاحب نے گورو دھارن کرنے کا ارادہ کیا۔ اتفاق سے سوامی رامانند

جی مشہور آچاریہ تھے۔ کبیر صاحب ان کی طرف رجوع ہوئے۔ مگر چونکہ رامانند جی
ویشنو تھے اور سری سمپردائے آچار وچار کے دلدادہ تھے۔ وہ مسلمانوں کو کون کہے
نیچی ذات کے ہندوؤں تک سے گریز رکھتے تھے۔ اس لئے ان کو کبیر صاحب کے
چیلا بنانے سے اعتراض تھا۔

رامانند سے ملاقات

مگر آخر جس کو سچا شوق ہوتا ہے۔ وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جاتا ہے ایک دن
کبیر صاحب رامانند جی کے درشن کو گئے۔ وہ کوٹھے پر پوجا میں بیٹھے ہوئے تھے اور
دھیان میں تھے۔ کبیر صاحب کی۔ ابھی پانچ برس کی تھی۔ انہوں نے رامانند
کے شاگردوں سے پوچھا مہاراج جی کہاں ہیں۔ ان سے ملکر گرو دکشا لینا چاہتا ہوں
پہلے کبیر صاحب کی خواہش سے ناواقف تھے۔ پہلے بھی ان کا تذکرہ آچکا تھا۔ وہ
بولے چلا جا۔ جہاں ہاتھی اونٹ کو تھاہ نہیں ملتی وہاں مینڈھک کہتا ہے۔ اتنا
پانی ہے۔ رامانند جی بڑوں بڑوں سے بات نہیں کرتے ترک مسلمان کو کیا
چیلا بنائینگے۔ وہ اس وقت دھیان میں ہیں نہ مل سکیں گے۔ کبیر صاحب نے
وہ دھیان میں نہیں ہیں وہ تو چمار کی دکان جوتے کا مول بھاؤ کر رہے ہیں یہ سنتے ہی چیلوں
نے ان کو دو طمانچے رسید کئے آخر لڑکے ہی تھے لوٹ پوٹ ہو گئے اور رونے چلانے
لگے۔ رامانند جی ان باتوں کو سن رہے تھے۔ بے تحاشہ اوپر سے چلے آئے اور کبیر صاحب
کو گود میں اٹھا کر اوپر لے گئے۔ اور شاگردوں کو کہا۔ یہ کوئی مہاتما جوی بالک ہے تم کو
مارنا نہیں چاہئے تھا۔ واقعی بات یہ ہے کہ میں کل جوتا خریدنے گیا تھا خرید نہیں سکا
وہی خیال میرے دل میں تھا۔ اور دھیان کے وقت وہی ابھر آیا تھا
رامانند جی سے۔ اور کبیر صاحب کیا بات چیت ہوئی۔ اس کا پتہ روایتیں نہیں
دیتی ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے چیلا بننے کی خواہش ظاہر کی۔ اور
چونکہ کبیر صاحب ان کی نگاہ میں صاحب دل صاحب کمال نظر آئے۔ انہوں نے

شاگرد کرنے سے انکار کر دیا۔ اور مایوس ہو کر گھر واپس آ گئے ؎

چیلے بن گئے

جس میں طلب صادق ہوتی ہے۔ وہ کامیاب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا
یہ قدرت کا اصول ہے۔ کبیر صاحب نے گھر آ کر اس بات پر غور کیا۔ اور دوسرے روز
جب ابھی رات باقی تھی۔ وشواسو میدہ گھاٹ پر گنگا کے کنارے جا کر سیڑھی پر
لیٹ رہے۔ رامانند کا معمول تھا۔ وہ چار بجے صبح اندھیرے میں اشنان کرنے
جاتے تھے۔ کبیر صاحب سیڑھی پر لیٹے تھے۔ ان کا کھڑاؤں ان کے جسم پر پڑ گیا
چوٹ آئی اور وہ رونے لگے۔ رامانند بڑے نرم مزاج تھے گھبرا گئے اور ان کے
سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے۔ بیٹا رام رام کہو۔ کبیر صاحب کی مراد بر آئی۔ انہوں نے
سمجھا اپدیش مل گیا۔ اور دوسرے دن سے حضرت آپ کو رامانند کا چیلا مشہور
کر دیا بلکہ تلک وغیرہ لگا کر رام رام کا جاپ کرنے لگے ؎

رامانند جی کی خفگی اور شانتی

کاشی جی میں مشہور ہو گیا کہ رامانند جی نے ایک مسلمان کو اپنا چیلا بنا لیا
اور اس خبر نے ہندو سوسائٹی میں ایک کھلبلی سی ڈال دی۔ اور اس بات کا چرچا
ہونے لگا۔ رامانند نے بھی سنا اور ان کا دل ملول ہو گیا۔ کبیر صاحب کو بلا کر
پوچھنے لگے میں نے کب تم کو چیلا بنایا۔ کبیر صاحب نے جواب دیا فلاں رات
کے وقت گنگا کنارے آپ نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا بیٹا رام رام کہو رام
رام کہو۔ اسی وقت سے میں آپ کا شاگرد ہو گیا۔ رام نام پرم منتر ہے۔ آپ
نے اسی کا مجھ کو اپدیش دیا۔ اور میں اسی وقت سے اس کا جاپ کرتا ہوں
رامانند اس شردھا اور بھگتی کو دیکھ کر بڑے خوش ہو گئے اور کہنے لگے واقعی
میں نے اس طرح شردھا والوں کے چیلا بنانے میں دیر کر دی ہے۔ اور اس دن سے کبیر
صاحب ان کے شاگرد کہلانے لگے ؎

رامانند جی میں تبدیلی

اب تو کبیر صاحب بلا روک ٹوک رامانند جی کی صحبت میں شریک ہونے کا موقع پاتھا گیا۔ یہاں ان کی صحبت نے کچھ اثر پیدا کیا۔ رامانند خود آزاد خیال ہو گئے۔ اور اب ان کی تعصب و تنگدلی کا قلعہ کچھ اس طرح منہدم ہو گیا کہ اس کا نام و نشان تک نہیں رہا۔ اب تک وہ رامانج سمپردا کے مقلد تھے اس وقت سے انہوں نے رامانندی پنتھ کی بنیاد ڈالی۔ جس میں ہر قسم کے برے بھلے آدمیوں کو مذہبی دعوت دینے کا اہتمام کیا گیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ ایام سفر میں رہنے کی وجہ سے رامانند جی اپنے اچار وچار کی پابندی نہ رکھ سکے اس لئے ان کے ہم جماعتوں کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے اور ان کے گورو راگھوانند جی نے ایک علیحدہ فرقہ قائم کرنے کی ہدایت کی یہ بات بھی کسی حد تک صحیح ہے مگر اصلیت یوں ہے۔ کہ کبیر صاحب جی کی صحبت کی بدولت یہ تبدیلی آ گئی +

رامانند جی کے شاگرد

اس تبدیلی کے بعد رامانند جی کا وہ حال نہیں رہا جو پہلے تھا۔ اب ان کے شاگرد مختلف قسم کے آدمی بن گئے اور ہندو سوسائٹی جن کو رذیل اور نیچ سمجھتی تھی۔ وہ بھی ان کی صحبت میں آ کر فیضیاب ہونے لگے۔ ان کے شاگردوں کے زمرہ میں یہ خاص خاص نام بیان کرنے کے قابل ہیں +

(۱) کبیر صاحب جو قوم کے جولاہے تھے۔ اور مسلمان سمجھے جاتے تھے +

(۲) پیپا جی راجپوت جو معہ اپنی عورت سیتا کے چیلا بنے تھے +

(۳) سکھا نند جی جو مسلمانوں کے ہاتھ سے روٹی کھا لینے کی وجہ سے شودر بن گئے تھے +

(۴) دھنا جاٹ جو گاسے چرایا کرتا تھا

(۵) گنگا جی طوائف +

(۶) سدنا جی قصائی۔

(۷) ریداس جی چمار

(۸) گھونا بھریا آسانند جی وغیرہ

رامانند جی کی تبدیلی عقاید کے ایک آدھ واقعات

کبیر صاحب میں مذاق کرنے کی عادت بہت تھی۔ اور وہ مذاق کچھ ایسی سنجیدگی کے ساتھ کیا جاتا تھا کہ دل میں اس کا خاص طرح کا اثر پڑتا تھا۔ اور سب سے پہلے اس کا اثر رامانند جی پر ہوا۔ رامانند جی ابتدا ہی سے کبیر صاحب کو باکمال شخص سمجھتے تھے۔ کبیر صاحب بھی ادب و تعظیم کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ مگر جب کبھی موقع ملتا تھا اور ان کے دل میں اثر ڈالنا مقصود ہوتا تھا تو مذاقیہ پیرایہ میں اُپدیش دینے سے بھی نہیں چوکتے تھے +

ایک مرتبہ کنوار مہینہ کے کناگت کے دن رامانند جی کو اپنے گورو رگھوانند کے شرادھ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ سارے شاگردوں کو حکم ہوا۔ جا بجا سے دودھ بھی لوٹا لبالب لیے نکلے۔ یہ اہیروں کے گھر نہیں گئے۔ بلکہ جہاں گایوں کی ہڈیاں پڑی تھیں وہاں جا کر ہڈیوں سے تازہ دودھ مانگنے لگے۔ اور شاگردوں نے اسکو گستاخی سمجھا اور رامانند جی سے جا کر شکایت کی۔ انہوں نے ان کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو دوسرے شاگرد ان کو ترک۔ مسلمان اور ادھرمی کہہ کہہ کر شکایت کر رہے تھے۔ رامانند جی نے پوچھا کیوں ہڈیوں سے دودھ مانگنے سے کیا مطلب بھلا کہیں گائے کی ہڈیاں دودھ دیتی ہیں۔ کبیر صاحب نے فرمایا۔ زندہ لوگوں کے پینے کے لیے زندہ گائے کا دودھ۔ اور مردوں کے پینے کے لئے مردہ گاؤں کا دودھ موزوں ہوگا۔ جب آپ ایک مرے ہوئے بزرگ کا شرادھ کر رہے ہیں۔ تو پھر مری ہوئی گائے کی ہڈی کیوں نہ دودھ دیگی۔ اگر وہ سچ ہے تو یہ بھی سچ ہے۔ رامانند جی خاموش ہو گئے۔ اور ان کے دل پر

بہت بڑا اثر ہوا۔ اس طرح ایک مرتبہ سورج کے ارگھ دیتے وقت بھی ان
کو جتایا تھا۔

کبیر صاحب بہ حیثیت جولاہہ

کبیر صاحب رامانند جی کے شاگرد ہونے پر عرصہ تک اپنے باپ کے
کام کاج کرتے رہے۔ ان کو کپڑا بننا خوب آتا تھا۔ اور کہیں کہیں استعارہ کی
صورت میں بڑے تجربہ کاری کے ساتھ اس پیشہ کی اصطلاحات کا اپنی بانی
میں ذکر کیا ہے جن سے کہ اصل روحانی مراد لینی چاہئے۔ یہ کپڑا بن کر بازار میں
فروخت کر آتے تھے۔ اور جو قیمت مل جاتی۔ وہ ماں باپ کو لا کر دیا کرتے تھے
لیکن کبھی کبھی ایسا بھی واقعہ ہو جایا کرتا تھا۔ کہ اگر کسی فقیر یا غریب آدمی
کو دیکھا۔ تو یا تو اس کو کپڑوں کا تھان حوالہ کر دیا یا قیمت دیدی ہے۔

ایک دن آپ کپڑے لیکر بازار کی طرف چلے۔ سامنے سے ایک ننگا سادھو
آرہا تھا۔ اس نے کہا بابا سردی سے سخت تنگ ہو رہا ہوں۔ کچھ تھوڑا سا کپڑا دیدو تو
آرام مل جائے۔ یہ ہنسے اور کہا بہت اچھا ہوا۔ تم نے لین دین کے جھگڑے ہی
کو سمیٹ لیا۔ اور بہت جلدی بوجھ اتر گیا۔ چنانچہ کپڑا اسے دے کر خوش خوش گھر
چلے آئے۔ نعمان نے پوچھا آج کتنے دام ملے۔ انہوں نے کہا۔ مائی آج اتنی قیمت
ملی ہے کہ جس کا حد و حساب نہیں۔ ایک ننگے سادھو کو کپڑے دیدئے ہیں۔ وہ
خوب دعائیں دیتا ہوگا۔ بھلا اپنی بیٹے کے مزاج سے واقف تھی۔ چپ ہو رہی
کئی روز تک متواتر اسی قسم کے واقعات پیش آئے۔ لوئی اور نعمان دونوں جھلا
گئیں۔ کہنے لگے اب فاقہ کرنے کے سوا اور کوئی بات نظر نہیں آتی۔ کبیر صاحب
ہنسے اور سادھو کی سیوا کرنے والے بھوکے نہیں رہتے۔ ابھی یہ بات ختم
بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ایک شخص آیا۔ اور کبیر صاحب کو کچھ نقد و جنس
بھینٹ کر گیا۔ وہ انہوں نے اپنے باپ کے حوالہ کیا اور کہا مالک پر وشواس رکھو

کبیر صاحب بہ حیثیت روحانی معلم

کبیر صاحب نے عرصہ تک راما نند جی کا ست سنگ کیا۔ درست سنگ کرایا پھر آپ خود روحانی تعلیم دینے لگے۔ ہندو مسلمان دونوں دھرم کے پیروکاروں کو اپنے مذہب کی دعوت دیا کرتے تھے اور دونوں ہی کے عقائد کا کھنڈن کرتے تھے مگر کھنڈن کرنے کا طریقہ بھی خاص طرح کا تھا۔ جہاں عقیدہ کی تنقید کرتے تھے ساتھ ہی ہمدردی کے ساتھ ان کو اپنے وسیع دل میں جگہ دینے کے بھی خواہشمند رہا کرتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندو مسلمان تصوف کے رنگ سے رنگے جائیں تاکہ متانتروں کے جھگڑوں سے نجات حاصل رہے اور اب تک کبیر صاحب کے کھنڈن کے شبدوں کا یہ اثر ہے۔ کہ جب کوئی اُن کو سنتا ہے ہنستا ہے۔ مسکراتا ہے۔ مگر برا نہیں مانتا۔ ان کے اثر کو اپنے دل میں جذب کرتا ہے۔ اور خود بخود ان کی صداقت کی جانب مائل ہو جاتا ہے۔ ایسا مزیدار کھنڈن بھی اور کہیں جگہ نہ ملیگا۔ حقیقت یہ ہے کہ کبیر صاحب بڑا وشال اور مہان ہردہ لیکر آئے تھے۔ اور بالکل اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے پھوڑے پھنسی میں نشتر لگا کر مرہم پٹی بھی ساتھ ساتھ کر دی جاتی ہے۔

بحث و مباحثہ

جس وقت دھرم کا پرچار ہونے لگا۔ جوق جوق آدمی خود بخود اُن کی جانب رجوع ہوئے۔ دنیا کو معلوم ہو گیا کہ روحانی سورج نے پرکاش کیا ہے۔ اور سب کو شوق ہوا کہ اس کی روشنی میں اپنا اپنا کام بنالیں۔ جب کبھی دنیا میں ایسے مہاتماؤں کا ظہور ہوتا ہے۔ ان کے خیال کی لہریں اسی طرح حقانیت کی روشنی کو چاروں طرف بکھیر دیتی ہیں۔ جیسے سورج کی نورانی کرنیں نمایاں ہو کے پردوں کو چیر کر اپنی عجیب و غریب طاقت دکھاتی ہیں۔ سوئے ہوئے بیدار ہو جاتے ہیں اور اس مبارک وجود کی زیارت اور درشن کے لئے ہزاروں پائیں سے

دوڑنے لگتے ہیں اور فیض کے چشمہ پر پہنچکر اپنی پیاس بجھاتے ہیں جو حقیقت سے بیگانے ہیں۔ ان کی اس تک رسائی محال ہے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ سورج بھی مشعل سے دکھایا جاتا ہے۔ اور تاوقتیکہ کوئی شخص قدیم نوشتہ جات کے حوالے دیکر اپنے مسائل کو پیش کرے یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ یہ سمجھ نہیں رکھتے کہ علم و ہنر کا مخزن ان مہان آتماؤں کا دل ہی ہوا کرتا ہے۔ وہ ان کے محتاج نہیں ہوتے۔ مگر برعکس ان کے جن میں حقانیت کا انکور نکلنے پر ہوتا ہے۔ وہ اپنی روحانی تشفی کے لئے ویسے ہی اس کے قدموں کی طرف دوڑتے ہیں جیسے چراغ کے روشن ہونے پر کیا جانے پروانے کہاں سے آجاتے ہیں یا گلاب کے کھلنے پر مکھیوں کا ہجوم حلقہ مارنے لگتا ہے +

کبیر صاحب کی طرف عوام کا رجحان دیکھکر مولویوں اور پنڈتوں کو خوف پیدا ہوا شاستر ارتھ اور بحث مباحثے کا چیلنج دیا گیا۔ یہ سنی سنائی پڑھی پڑھائی کہتے تھے وہ اپنی دیکھی بیان کرتے تھے۔ یہ عالم تھے وہ عامل اور عمل مجسم تھے۔ اور ان کے درمیان فرق کا ہونا لازمی اور بدیہی امر تھا۔ عالموں کو شکست ہوگئی۔ اور حقانیت کی لہروں کو دنیا میں اور بھی تیزی کے ساتھ پھیلنے کا موقع ہاتھ آیا +

پنڈتوں کے ساتھ شاستر ارتھ

جس وقت کبیر صاحب کے تعلیم کی قدس بنارس میں دھوم مچگئی دور دور سے لوگ ان درشن کو آنے لگے اور حقیقت پسندوں کی آنکھ پر وہ دور ہوگیا۔ اور جولاہے کی صورت میں ان کو معرفت اور حقیقت مجسم کی زیارت نصیب ہوئی

اُتم اور چنڈال گھر۔ یک دیپک اجیار چراغ

تلسی ستے پتنگ کے۔ سبھی جوت یکسار پروانہ

جاتی اور برن کا خیال خام مٹ گیا اور سب پروانوں کی طرح اس نور معرفت کے مشعل کے اردگرد منڈلانے لگے۔ دھرم داس نامی ایک دولت مند شخص

باندھو گڑھ سے آیا۔ اس کے پاس دھن بہت تھا۔ اس نے پنڈتوں کی سبھا اکٹھی کی۔ کبیر صاحب کو بھی بلا بھیجا۔ پنڈت نت شاستروں کی یکتیاں پیش کرتے تھے۔ کبیر صاحب اس طرح بولتے تھے گویا آپ نے شاستروں کو منتھن کر رکھا ہے سب لاجواب ہو گئے۔ اور ہار مان لی۔ دھرم داس کا اعتقاد بڑھ گیا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ مجھ کو اپنے چرنوں میں لیجئے۔ مگر کبیر صاحب نے جواب دیا ابھی تجھ میں کرم کا بندھن مضبوط ہے۔ جانی ابھیمان دور نہیں ہوا ہے کچھ دن صبر کر۔ اور وہ خاموش ہو کر اپنے وطن کو واپس گیا۔

مولویوں کے ساتھ مباحثہ

پنڈتوں کو یہ شکایت تھی کہ ہندو کبیر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں چیلے بنے لگے تھے۔ مولوی شاکی تھے کہ کبیر صاحب مسلمانوں کو ہندوؤں کے تصوف کی دعوات دیکر اپنے طرف جھکا رہے تھے۔ پنڈت تو لاجواب ہو گئے۔ مولویوں نے شورش شروع کی۔ اور ان کو مناظرہ کے لئے پیغام بھیجا۔ مانک پور (الہ آباد) جھوسی (الہ آباد) اور جونپور میں مولویوں اور مسلمانی پیروں کی بڑی تعداد تھی۔ کبیر صاحب وہاں گئے اور ان سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ بیجک کے ۴۸ ویں رمینی میں کبیر صاحب خود اس طرح فرماتے ہیں۔

مانک پور کبیر بسیرا۔ مدحت سنی شیخ تقی کیرا
اوجو سنی جون پور تھانہ۔ جھوسی سنی پیرن کے ناما
اکیس پیر لکھے تیہی ٹھاما۔ خطبہ پڑھیں پیغمبر ناما
سنت بولت مو سے رہا نہ جائی۔ دیکھ مقبرہ رہے بھولائی
حبیب اور نبی کے کاما۔ جہاں لون عمل سو سب ہی حراما
شیخ اکردی سکردی۔ مانو بچن ہمارا
آدی انت اتپتی پرلے۔ دیکھو درشٹ پسارا

ترجمہ (۱) کبیر کہتے ہیں کہ مانک پور میں رہنے والے شیخ تقی کا نام سنتے تھے کہ وہاں ان کا تکیہ ہے (۲) اور جو جونپور نامی (ایک دوسرا) مقام ہے۔ اور جھونسی میں بہت سے پیروں کا نام سنا گیا (۳) اس جگہ سے اکیس پیروں کے دستخطی خطوط آئے جو پیغمبر کے نام خط پڑھتے تھے۔ (۴) مجھ سے بغیر بولے رہا نہیں گیا میں نے کہا (اے پیرو کیا اندھیر ہے) تم مقبرہ دیکھ کر بھول گئے (مُردار پرست بن گئے اور اصلیت کا پتہ نہیں پایا) حبیب (خدا) اور نبی (محمد) کے نام سے تم جہاں تک عمل کرتے ہو سب حرام ہے (۶) اے شیخ سکر دی وغیرہ بھی تم ہماری بات کو مانو۔ ابتدا۔ انتہا۔ انتی اور پرلے کے مضامین کو ذرا دور بین نظر والے بنکر غور کرو تب حقیقت کو سمجھ سکو گے۔

در کی بات کہو درویشا ۔ بادشاہ ہے کونسے بھیشا
کہاں کو رچ کہاں کرے مقام ۔ کون صورت کو کرے سلام
میں تو ہی پوچھوں مسلمانا ۔ لال زرد کا تانا بانا
قاضی کاج کرو تم کیسا ۔ گھر گھر ذبح کراؤ بھینسا
بکر مرغی کن فرمایا ۔ کس کے حکم تم چھری چلایا
درد نہ جانے پیر کہاوے ۔ بیت پڑھ کے جگ سمجھاوے
کہے کبیر ایک سید کہاوے ۔ آپ سمری کا جگ بھولا وے
دن بھر روزہ رہت ہو ۔ رات ہنت ہو گئا ہے
یہ تو خون وہ بندگی ۔ کیونکر خوش خدا ہے

اس کا مطلب واضح ہے۔ غرضیکہ اس طرح مباحثے مسلمانوں کے ساتھ ہوئے جن میں وہ لاجواب ہوئے یہ مباحثے غالباً سکندر لودی کے عہد میں ہوئے تھے اور ان کی وجہ سے اسلام کے خیمہ میں کچھ کھلبلی سی پڑ گئی تھی جس کی وجہ سے فرشتہ اور ابوالفضل سے نامی گرامی محقق اپنی کتاب تواریخ

دیں اور دینی چاہئیں قید کیئے گئے۔ ہاتھی کے پاؤں کے تلے پامال کرنے کا خوف دلایا گیا۔ مختلف قسم کی سختیاں روا رکھی گئیں۔ جن کا ذکر بھگت مال اور کبیر پنتھیوں کے گرنتھ معجزانہ پیرایہ کرتے ہیں مگر ناکامیابی ہوئی۔ کبیر صاحب نے اپنے وعظ کے سلسلہ کو بند نہیں کیا اور نہایت بےخوفی سے اس کو جاری رکھا۔ مجبوراً بادشاہ نے ان کو رہا کر دیا اور ان سے معافی مانگی۔

سکندر لودی اپنے ظلم و ستم کے لئے تواریخ میں مشہور ہے۔ اس نے ایک جودھن نامی پنڈت کی زبان محض اس ایک بات کہنے کی وجہ سے نکلوائی تھی کہ ہندو مسلمان دونوں کا دین سچا ہے۔ کبیر صاحب نے اس کو سمجھایا کہ تو جانتا ہے شمس تبریز اور منصور کے ساتھ ظلم کرنے کا کیسا سخت بدلہ دیا گیا کیا تو بھی ویسے ہی سزا بھگتنی چاہتا ہے۔ یہ واقعات چونکہ مسلمانوں کو معلوم تھے بادشاہ ڈرا۔ اور یہی سبب خاص کر معافی مانگنے کا ہوا ہے۔

برہمنوں کی مخالفت

کبیر صاحب کے نام کی جس قدر روز بروز شہرت بڑھتی گئی۔ اسی قدر کاشی جی کے برہمنوں نے ان کی مخالفت کی طرف توجہ دی۔ مگر کسی کی کچھ پیش نہیں گئی۔ بارہا موقعوں پر عام طور پر لوگوں میں مشہور کرا دیا گیا کہ کبیر جی کے گھر جلسہ ہے۔ اور تمام سادھو مہاتما اکٹھا ہو گئے۔ مالک کی اپار دیا جو کوئی ان کے دروازہ پر آیا کبھی خالی نہیں گیا۔ اسی طرح اور بھی صورتوں میں ان کو زک دینے کی کوشش کی گئی۔ مگر نتیجہ سب کا لاحاصل ہوا۔

کبیر

یہ تو عالم برہمنوں کی دشمنی کا حال تھا۔ عوام کو ان کے برخلاف ورغلایا گیا اور چاروں طرف سے کبیر صاحب پر گالی گلوچ اور پھٹکار کی بارش ہونے لگی۔ کبیر صاحب ہمیشہ عوام کی غلطیوں پر ہنستے رہتے۔ اور جو کوئی گالی گلوچ دینے کے ارادہ

سے آتا تھا۔ آخر کار وہ شرمندہ ہو کر جاتا تھا۔ اور ان کی پریم بھگتی کا قایل ہوتا تھا۔ اس طرح جو طاقت کہ کبیر صاحب کے نور کم کرنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ وہ ان ہی کی طرف لگ گئی اور کثرت سے لوگ شاگردی اختیار کرنے لگے۔

اس قسم کی مخالفت کی یادگاریں پوربی ہندوؤں میں اب تک کبیر رواج ہے۔ کبیر صاحب کی زندگی ہی میں لوگ ان کے دوہے اور ساکھی کثرت سے پڑھتے تھے۔ جن کے لئے کبیر شبد ہمیشہ استعمال کیا جاتا تھا۔ عام مخالفین نے ہولی کے موقع کے لئے کبیر صاحب کے زک دینے کے واسطے سوانگ رچے اور ان کی ساکھیوں کو توڑ مروڑ کر گالی گلوچ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ اور یہ ہولی کا سوانگ اب تک روز اندہ گاؤں گاؤں میں ہوتا رہتا ہے۔ اس موقع پر جو دوہے پڑھتے جاتے ہیں وہ کبیر ہی کہلاتے ہیں۔ مگر دیکھئے مالک کی قدرت کہ ان دوہے کبیر گانے لگے۔ مگر کبھی سننے والوں پر کبیر صاحب کے برخلاف برے خیالات نہیں پیدا ہوتے اور غٹ کے غٹ لوگ شاگردی میں آ گئے۔

دھرم داس کا پچھتاپ

دھرم داس کبیر صاحب کا خیال تھا۔ ایک دن وہ روٹی اپنے ہاتھ سے پکا رہا تھا۔ یہ غالباً بندرابن کا واقعہ ہے جہاں کرشن اپاسک ویشنو کثرت کے ساتھ رہتے تھے۔ ویشنوں میں دستور ہے کہ وہ لکڑیاں کو بھی دھو کر چولہے میں جلاتے ہیں۔ اتفاق سے جب اس نے دھوئی ہوئی لکڑیوں کو لگایا ان کے اندر چیونٹیوں کے انڈے بچے کثرت سے تھے کچھ تو جل گئے اور باقی چیونٹیاں باہر کی طرف بھاگنے لگیں۔ دھرم داس جو اہنسا کے اصول کا معتقد تھا دل میں دکھی ہوا اور رونے پچھتانے لگا۔ اتفاق وقت کبیر صاحب وہاں پہنچ گئے۔ پوچھا۔ کیوں پریشان ہو۔ اس نے جواب دیا میں نے آج بڑی ہنسا کی۔ کتنی جانیں میری وجہ سے تباہ ہوئیں۔ اس کا دکھ ہے۔ کبیر صاحب ہنسے۔ اے دھرم داس! تو کیوں اتنا

دکھ ہانتا سے کرشن بھگوان تیرے اشٹ ہیں۔ جنہوں نے کورکشیتر کے میدان میں
کروڑوں زندگیوں کا خاتمہ کرا دیا تھا۔ کیا تو اپنے اشٹ دیو کو بھول گیا۔ اے سادھو

جیو بنا جیوے نہیں ۔ جیوے جیو آہار
کہے کبیر اگوڑھ مت ۔ سادھو کرو وچار

دھرم داس کی گویا آنکھ سی کھل گئی۔ چرن شرن میں لینے کی درخواست
کی مگر کبیر صاحب بولے۔ ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ اور وہ وہاں سے کسی طرف
کو چل دئے ۔

دھرم داس کو شاگرد بنانا

پھر دنوں بعد کبیر صاحب باندھو گڑھ پہنچے۔ دھرم داس کے دل میں ان کی
محبت پیدا ہو گئی تھی۔ پھر وہ ہی درخواست کی کبیر صاحب بولے جو دنیا کے
جنجال میں پھنسا ہے وہ پرمارتھ ادھکاری نہیں ۔

کبیر من تو ایک ہے بھاوے جہاں لگائے
کے سیوا کر سادھو کی کے گرو کے گن گائے

اگر پرمارتھ کی دولت چاہتا ہے۔ تو سارا روپیہ پیسہ غریبوں کو تقسیم کر دے
اور ایک کمل اوڑھ کر میرے پیچھے پیچھے چلا آ۔ دھرم داس ہر چیز قربان کرنے کے
لئے تیار تھا۔ ایسا ہی کیا اور کبیر صاحب نے ان کو اپنا خاص شاگرد بنا لیا۔ ان کی عورت
آ کر رونے لگی کہ مجھ کو بھی چرنوں میں لگاؤ۔ یہ بولے۔ بیٹی تو بھی زر و زیور غریبوں
کو دیکر کمل اوڑھ کر آ جا۔ اس نے بھی ویسا ہی کیا۔ اور ان کی چیلی بن گئی۔ دھرم
داس کے لڑکے اپنی باری پر آئے۔ ناتھ! تم ہی یہاں باپ والے یتیموں کے
ماں باپ ہو۔ اگر آپ نے ماں باپ کی گود سے محروم کیا تو تم اناتھوں کو اپنی
گود میں لیجئے۔ اور کبیر صاحب نے دست شفقت ان کے سر پر رکھ کر کہا۔ تم
دھنیہ ہو۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ اور خوش ہو کر دعا دیتا ہوں کہ

بیالیس پشت تک اسے دھرم داس تمہارے گھرانے کے لوگ روحانی بادشاہ ہونگے اور ان سب کو کرتارتھ کر دیا۔ دھرم داس کبیر صاحب کے گورمکھ تھے اور سب سے زیادہ منظور نظر تھے ۔

کبیر صاحب کے شاگرد

یوں تو کبیر صاحب کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں تھی مگر ان میں یہ شاگرد مخصوص ہیں جو بیان کرنے کے قابل سمجھے جاتے ہیں اور جنہوں نے کبیر صاحب کے پیغام کو جابجا دورہ کرکے سب کو سنایا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں :-

(۱) دھرم داس جی سو گورمکھ ۔

(۲) سرت گوپال جی ۔

(۳) بھگوان داس جی ۔

(۴) جگو داس جی ۔

(۵) نرائن داس جی } یہ دونوں دھرم داس جی کے لڑکے تھے

(۶) چورامن داس جی }

(۷) جیون داس جی ۔

(۸) کمال جی ۔

(۹) [illegible] جی ۔

(۱۰) گیانی جی ۔

(۱۱) صاحب داس جی ۔

(۱۲) نتیانند جی

(۱۳) کمال ناد ۔

ان میں سے یہ ممکن ہے کہ کمال اور کمال ناد دونوں ایک ہی شخص کے نام ہوں۔ مگر یہ خیال صحیح ہے۔ تو پھر کبیر صاحب کے فرقہ بارہ ہی شاگرد تھے۔

کبیر صاحب نے ان کو بدھ بھگوان کی طرح جا بجا وعظ کرنے کے لئے بھیجا۔ اور ان کی زندگی ہی میں ان کی تعلیم ہندوستان کے قریب قریب تمام حصوں میں پھیل گئی۔ اور ہزاروں کو روحانی تشفی پانے کا موقع ہاتھ آیا۔ ان سے پہلے سوامی شنکر آچاریہ نے بھی اسی طرح اپنے دس نامی شاگردوں کے ذریعہ ویدانت کا وعظ دنیا کو سنایا تھا۔ اور جا بجا اپنے مٹھ قائم کر کے ان خیالات کے پرچار کے مضبوط مرکز بنا دیئے تھے۔

شاگردوں کے کام

ترینہ کہتا ہے کہ کبیر صاحب بنارس چھوڑ کر اور جگہ کم پھرتے تھے جا پور ہیونسی۔ جونپور، برندابن اور باندھوگڑھ و گجرات کے سوا پتہ نہیں لگتا۔ تو اور بھی کہیں گئے ہونگے۔ اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کیا جائے۔ تو بذات خاص ان کا دورہ بہت کم ہوا ہے۔ کوئی کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ وہ بلخ میں بھی گئے تھے۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کو اپنے خیالات کی اشاعت دینے کا اوزار بنا لیا۔ آپ زیادہ بنارس ہی میں رہے اور وہاں ہی جیو کو تاریا گیا۔ روایات اور نوشتہ جات سے ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔ کہ کہاں کہاں ان کے شاگرد مقیم ہو کر ستسنگ کراتے تھے۔ تاہم جو کچھ پتہ لگ سکتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے جس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

دھرم داس ساری عمر کبیر صاحب کی خدمت میں رہے اور تن من دھن سے اُن کی سیوا کیا کرتے۔ ان کے دو لڑکے نرائن داس اور چیورامن باندھوگڑھ کے مہنت ہوئے جو علاقہ ریوان میں ہے۔ اور یہ بنس گورو کہلاتے ہیں۔ اور ان کی اولاد اپنے سلسلہ میں برابر کبیر صاحب کے خیالات کا پرچار کرتی رہی ہے۔

شرت گوپال جنہوں نے سکھ ندھان نامی گرنتھ کی ترتیب دی ہے کبیر چورا بنارس کے مہنت ہوئے۔ ان کی سمادھی مگہر میں ہے۔ اور ان کے نام سے

پوری اور دوارکا میں دو مٹھ اس وقت تک موجود ہیں ◆

بھگوان داس جی جن کو کبیر صاحب کے حیات میں بیجک نامی گرنتھ کے ترتیب کا کام سپرد ہوا تھا۔ دھرم داس کی سنگت کے مہنت تھے۔ اور اُن کی اولاد بھی وہاں ہے ◆

جگو داس کی گدی کٹک (اڑیسہ) میں قائم ہوئی اور انہوں نے اُتکل دیس میں اس مت کو پھیلایا ◆

جیون داس خواہ جگ جیون صاحب اودھ میں ست نامی پنتھ کے بانی ہوئے اور جو قوم کے کشتری تھے اور کوٹوا نامی ستھان میں جو لکھنؤ اجودھیا کے درمیان واقع ہے ان کی سمادھی ہے۔ ان کے خیالات اور عام کبیر پنتھیوں کے اصول میں کچھ جزوی اختلافات ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زمانہ کے امتداد سے بہت کچھ اثر پیدا کیا ◆

ٹکسالی جی کا مٹھ بڑودا (ن) میں ہے اور وہاں کے لوگ کثرت سے ان کی شاگردی میں آئے ◆

صاحب کمال اعلیٰ درجہ کے ابھیاسی تھے۔ ان کو کبیر صاحب نے بمبئی کے آس پاس رہ کر پرچار کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کے حالات کچھ اتنے کم ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں ملتا کہ انہوں نے کوئی کام کیا اور آیا ان کے بعض وغیرہ بھی ہیں یا نہیں ہیں۔ میں نے بڑی تلاش سے کچھ دوہے فراہم کئے تھے جو ان کی مختصر سوانح عمری کے سلسلہ میں اسی کتاب میں موجود ہیں اور جن کے آخر میں شاہ کمال آتا ہے۔ ان کا نام بھی مسلمانی ہے اور شاہ کا خطاب بھی ہندوانہ نہیں ہے ◆

گیانی جی سہسرام میں رہے۔ اور وہاں ہی ساری عمر کبیر صاحب کے خیالات کی اشاعت کرتے رہے سہسرام بہار میں ہے ◆

صاحب داس جی کٹک میں متمکن ہو گئے تھے اور کچھ مسائل میں رد و بدل کر کے مول پنتھ کی بنیاد ڈالی ◆

کمیانند جی اور صاحب کمال دکن میں گئے۔ اور بعد اُمھر وہاں ہی مقیم ہو رہے

کبیر صاحب کی اولاد

کمال اور کمالی کی نسبت عام آدمیوں کا یہ خیال ہے۔ کہ یہ خاص کبیر صاحب کی اولاد ہیں۔ کمال لڑکے تھے اور کمالی لڑکی تھی۔ مگر بعض بعض روائتیں اس قسم کی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف انکے بنائے ہوئے لڑکے تھے کبیر صاحب کی کوئی صلبی اولاد نہیں تھی۔ ان کی بیوی کا نام لوئی جی بتایا جاتا ہے جو بہت ہی دھرماتما اور پتی ورتا استری تھیں۔

کمالی

کمالی بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ ایک دن وہ کنوئیں پر پانی بھر رہی تھی ایک پنڈت ادھر سے گذرا۔ دوپہر کا وقت گرمی کا دن۔ پیاس سے بے تاب تھا۔ اس نے کمالی سے پانی مانگا اور اس نے رحم کر کے اس کو پانی پلا دیا۔ جب اس کی پیاس بجھ گئی تو پنڈت نے پوچھا تیری ذات کیا ہے اس نے کہا تم کو پانی پینے سے پہلے سوال کرنا چاہئے تھا۔ اس نے ضد کیا۔ کمالی بولی میں ذات کی جولاہنی اور کبیر صاحب کی لڑکی ہوں۔ یہ سن کر براہمن کو سخت رنج ہوا۔ کہنے لگا تم نے میری ذات برباد کر دی۔ اب میں براہمنوں میں کیسے شریک ہو سکونگا۔ کمالی کے دل کو بھی صدمہ پہنچا۔ اتنے میں کبیر صاحب وہاں آ گئے اور ان کی گفتگو سن کر کہنے لگے۔ تم کو پہلے ہی سے سوچ سمجھ لینا چاہئے تھا۔ یہ چھوت چھات کیا ہے۔ پانی میں بچھوے۔ مچھلی۔ خون۔ سڑے گلے پتے۔ مردوں کی لاشیں سب کچھ رہتی ہیں۔ کتنے اندھیر کی بات ہے ان سے تم کو کراہیت نہیں ہوتی۔ اور تم انسان سے نفرت کرتے ہو۔ زمین میں کتنے مردے گڑے ہیں کتنے جلائے گئے۔ خود تم چلتے وقت کتنے جانوروں کو پاؤں کے نیچے کچلتے رہتے ہو۔ اس زمین کا پانی پیتے ہو اس کے پھل پھول اور اناج کھاتے ہو۔ جس مٹی سے برتن بنتے ہیں۔ وہ بھی

ناپاک ۔ اجلا سے ہے۔ جو دھوتی تم پہنتے ہو۔ وہ جولاہوں کی بنی ہوئی ہے۔ مکھیاں کوڑے پر بیٹھ کر تمہارے کھانے کے سامان پر بیٹھتی ہیں۔ ان سب باتوں سے تم کو نفرت نہیں مگر تم انسان سے نفرت کرتے ہو کمال ہے تم کو بھرم مار رکھا ہے۔ اس بھرم کو دل سے نکال ڈالو۔ جاؤ۔ وید پڑھو۔ اور رام کا نام لو۔ تم پوتر ہو صرف اپنے خیال سے ناپاک بنتے ہو۔

پنڈت کے دل پر ان کا اپدیش اثر کر گیا۔ اور وہ کبیر صاحب کا شاگرد ہو گیا۔ کمالی اسی کو بیاہ دی گئی۔

کمال

کہتے ہیں کوئی مردہ لڑکا بہا آتا تھا۔ کبیر صاحب نے اُس کو پانی سے نکالا اور اس کو زندہ کیا۔ اسی کا نام کمال رکھا گیا۔ مگر ہر جگہ کمال کو کبیر کا لڑکا کہا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی شخص ان کی نسبت قطعی طور پر فیصلہ نہیں دے سکتا کہ اصلیت کیا ہے کمال واقعی صاحب کمال تھے۔ جب بڑے ہو گئے تھے۔ ان کی دھوتی اکثر ٹھیک نہیں آتی تھی ہمیشہ کھل جایا کرتی تھی۔ کبیر صاحب نے کہا۔ بیٹے خوب کس کر باندھو۔ کمال نے پوچھا پیچ پیچ کس کر باندھ لوں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ کمال نے مضبوطی کے ساتھ لنگوٹی باندھلی اور پھر گھر بار سے اداسین رہنے لگے کبیر صاحب نے یہ حالت دیکھی فرمانے لگے۔

بوڑا بنس کبیر کا کہ جنمے پوت کمال

کمال نے اس تاریخ سے مجرّدانہ زندگی شروع کی اور ساری عمر ریاضت و نفس کشی میں بسر کر دی۔ بھول کر بھی گرہست آشرم کا خیال دل میں نہیں لایا اور یونہی جابجا دورہ کرتے رہے۔ صرف کبھی کبھی کبیر صاحب کے درشن کو آجایا کرتے تھے۔

اس آدھے مصرعہ کی بابت ایک اور روایت عوام میں مشہور ہے۔ اس موقع پر پورا دوہا بن جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دورہ کے ایام میں کمال صاحب گوالیار میں کسی مہاجن کے یہاں مقیم ہو گئے۔ اس نے دھن دولت دینا چاہا۔ انہوں نے ویراگ اور تیاگ کا ورت دھارن کر رکھا تھا۔ اس کی درخواست قبول نہیں کی۔ جب یہ سو گئے
دھاوو مہاجن نے ایک ہیرے کا ٹکڑا ان کی بندھی ہوئی پگڑی میں باندھ دیا۔ یہ بیخود تھے۔ کبھی خیال تک نہیں ہوا۔ اخراجی حیثیت میں گھومتے پھرتے ہوئے کاشی جی میں پہنچے۔ جب سو رہے تھے۔ کبیر صاحب کی نگاہ پگڑی کے پیچ کی طرف گئی۔ اس کو کھول کر دیکھا ہیرا بندھا ہوا تھا۔ اس وقت ان کے منہ سے یہ دوہا نکل گیا +

نام صاحب کا بیچ کر۔ گھر لے آیا مال
بوڑا بنس کبیر کا کہ جنمے پوت کمال

کمال کو خود ہیرا دیکھ کر تعجب ہوا۔ آخر اس مہاجن نے جو ان کے ساتھ درشنوں کے لئے آیا تھا اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ اور کبیر صاحب کو اطمینان بھی ہو گیا۔ کمال کے نظم بھی نہیں ملتے جو کہیں ملے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے جذبات بہت اونچے اور بہت لطیف تھے۔ سنجیدگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور وہ نداق جو کبیر صاحب کی بانی میں عام ہے۔ یہاں اس کا ذرا بھی کہیں پتہ نہیں ہے۔ ایک مست فقیر ہے جو ہمیشہ وجد و سرور کی حالت میں رہتا ہے اور دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہے۔ کمال کی شخصیت اس قسم کی ہے +

کبیر صاحب کے کام پر سرسری نظر

کہتے ہیں کبیر صاحب کی عمر ۱۲۰ برس کی تھی۔ جس کی ابتدا محمود تغلق کے زمانہ میں اور انتہا سکندر لودی کے عہد میں ہوئی اور اس قیمتی زندگی کا کثیر حصہ جیو کے سمجھانے میں صرف ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان میں ان کے خیالات کا پرچار ہو گیا۔ اور اب تک وہ کسی نہ کسی حیثیت میں کام کر رہا ہے۔ آج کل

اس ملک میں کبیر پنتھیوں کی خاص تعداد ہے۔ ۱۹۰۱ء کے مردم شماری میں ان کی تعداد ۱۳۴۳ ہزار بتائی گئی تھی۔ مگر وہ اس سے کہیں زیادہ ہوگی۔ کیونکہ ممالک متحدہ میں اکثر ان کو رامانندیوں کی پنتھ میں شامل ہو کر لیا گیا ہے۔ سب سے زیادہ تعداد ممالک متوسط میں ہے۔ اس سنہ ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کا حساب اس طرح کیا گیا ہے:

ممالک متوسط	۴۹۳۳۹۳
ممالک متحدہ	۴۱۵۷۷۱
سنٹرل انڈیا	۱۳۴۶۰۰
بمبئی	۹۴۰۷

۱۴۴۳۱۷۱

اس میں اڑیسہ بہار وغیرہ کے کبیر پنتھیوں کا حساب شامل نہیں کیا گیا وہاں بھی ان کی خاص تعداد ہے۔ پنجاب میں بھی کبیر پنتھی کم نہیں ہیں۔ مگر اس آبادی کے نقشہ پر نہ جایئے۔ اس بات کو دیکھئے کہ کبیر صاحب کے خیالات نے کس حد تک ہندو قوم کو متاثر کیا ہے۔ پنجاب میں گورو نانک صاحب نے اسی نغمہ کو گایا۔ یہاں تک کہ جب گورو گوبند سنگھ صاحب نے خالصہ پنتھ کی بنیاد ڈالی تو وہ خواہ مخواہ کبیر پنتھ میں بسا ہوا تھا۔ کبیر پنتھ اب بھی خالصہ۔ احمد آباد کے دادو صاحب انہیں کے پیرو ہیں۔ دادو کا مشہور فرقہ نامی اسی پنتھ سے اخذ کیا گیا ہے۔ ساد پنتھ جس کے بانی بیر بھان جی ہیں۔ کبیر صاحب ہی کے خوشہ چینوں میں تھے۔ دادو کے لال بابا انہیں کا راگ گاتے ہیں۔ غازی پور کے شیونا رائن صاحب انہیں کے گھرانے میں سے تھے۔ مالک پور کے ملوک داس جی کبیر صاحب کے معتقد تھے۔

بہار اور انیوپانہ کے دونوں دریا صاحب اسی سرچشمہ سے فیضیاب ہوئے۔ چرن داس جی کا پنتھ ان کے خیالات سے خالی نہیں ہے۔ پلٹو صاحب اسی اثر سے رنگے ہوئے ہیں۔ بمبئی کے مشہور بھگت تکا رام تاتیا جی ان تعلیم سے بہرہ ور تھے۔ کتنے پنتھ نکلیں گے جو کبیر صاحب کی تعلیم کے مشکور ہیں اور یہ ہندوستان کے تمام حصوں میں موجود ہیں +

الغرض کبیر صاحب نے جو کام کئے وہ کئی پہلو سے حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں اور ان کے خیالات سے رنگے ہوؤں کی تعداد لاکھوں نہیں۔ بلکہ کروڑوں تک پہنچتی ہے +

کبیر صاحب اور کبیر پنتھیوں کی تصانیف

کبیر صاحب پڑھے لکھے تھے یا نہیں اس پر بحث کرنی فضول ہے۔ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ وہ سنسکرت جانتے تھے۔ ہاں بھاشا سے ضرور واقف ہوں گے۔ اور اگر ہم غلطی پر نہیں ہیں تو ہندی بھاشا کے پیدا کرنے والے کبیر صاحب ہی کہے جا سکتے ہیں۔ ان سے پورانی کتاب صرف پرتھوی راج راسا ہے۔ جو چاند باروٹھ نامی شاعر نے تصنیف کی ہے مگر اس کو ہندی نہیں بلکہ پراکرت کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد سب سے پہلے نظم لکھنے اور کہنے کا رواج کبیر صاحب کے زمانہ سے ہوا۔ انہوں نے مختلف قسم کے نظموں کی بنیاد ڈالی۔ یعنی چوپائی ہیں ساکھی دوہے ہیں بسنت جھولنا شبد۔ کہرا سب کبیر صاحب کے رواج دینے سے رواج پذیر ہوئے۔ ان کے سوا جو کتاب ہندی کی نظم میں لکھی گئی وہ محمد ملک جائسی کی مشہور کتاب پدماوت اس کے بعد سورداس جی کے پد اور تلسی داس جی کی رامائین ہیں۔ اور اس وجہ سے کسی کو اس بات کے اقرار کرنے میں تامل نہیں ہو جانا چاہئیے کہ ہماری زبان کے رواج دینے اور بڑا قاعدہ بنانے میں

بیدم سنت کبیر صاحب سے بہت منقول کئے گئے ہیں ۔

کبیر صاحب نے خود تو شاید کوئی کتاب نہیں لکھی۔ ان کے کلاموں کو ان کے معتقد شاگردوں نے ترتیب دیا ہے۔ جن میں سے بیجک سب سے زیادہ مستند گنا جاتا ہے۔ اور کبیر پنتھیوں کی مقدس کتاب ہے۔ ذیل میں ہم چند کتابوں کے نام دیتے ہیں جو کبیر صاحب سے مخصوص و منسوب کی جاتی ہیں اور جن کی ترتیب مختلف وقتوں میں ہوئی ہے۔ اگر ان کو کبیر صاحب کی تصنیف نہ تسلیم کیجئے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ خیالات و کلام زیادہ ان ہی کے ہیں اور کبیر پنتھی ان سب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی اور پڑھتی جاتی ہیں۔ ان کی مختصر فہرست ذیل میں ہے ۔

(۱) بیجک (۲) سکھ ندھان (۳) گورکھناتھ کی گوشٹی
(۴) کبیر پنجی (۵) کبیر بانی (۶) رامانند کی گوشٹی
(۷) انند رام ساگر (۸) شبداولی (۱۰۰۰ شبدوں کی)
(۹) منگل (۱۰۰ چھند) (۱۰) بسنت (۱۰۰ چھند)
(۱۱) ہولی (۲۰۰ چھند) (۱۲) ریختہ (۱۰۰ غزلیں) (۱۳) جھولنا (۵۰۰ چھند)
(۱۴) ہنڈولا (۱۲ چھند) (۱۵) کہرا (۵۰۰ چھند) (۱۶) بارہ ماسہ
(۱۷) چانچر (۲۲ چھند) (۱۸) چونتیسی (۲ چھند) (۱۹) الف نامہ (۳۰ چھند)
(۲۰) رمینی (۲۱) ساکھی (۵۰۰۰ دوہے مگر ان سے بھی زیادہ تعداد میں دوہے ملتے ہیں جو ایک لاکھ سے کم نہ ہونگے ۔)

(۲۲) نربھید کی رمینی (۲۳) اکھر کھنڈ کی رمینی (۲۴) اگادھ منگل
(۲۵) اگم جیار (۲۶) الکھ ٹوک (۲۷) اہمول
(۲۸) انبھو ساگر (۲۹) انوراگ ساگر (۳۰) اسار گرہی کا رنگ
(۳۱) اگم بھجو (۳۲) بلخ بیچ (۳۳) بھگتی کا انگ
(۳۴) بھو تارن (۳۵) بھوپالی بودھ (۳۶) بجوگ کی رمینی

(۳۵) گرڑ بودھ　(۳۸) گوری　(۳۹) گورکھ گوشٹی
(۴۰) گورداپدیش　(۴۱) گیان دیپک　(۴۲) گیان گودڑی
(۴۳) گیان ساگر　(۴۴) ہنسا ولی　(۴۵) ہنومان بودھ
(۴۶) ہوری رام لیلا وغیرہ وغیرہ

ان میں سے بہت سی کتابیں نئی ہونگی۔ بہت نئی کتابوں میں ذیل سمجھو

(۱) کبیر ساکھی　(۲) چرتر بودھ　(۳) کسوٹی
(۴) کبیر بنشوپد　(۵) کبیر اپاسنا　(۶) کمال گوشٹی
(۷) اکرنی بن تنغی کو الگ　(۸) کرنی بہت تنغی نوانگ　(۹) کہ سنگت کو انگ
(۱۰) کرم نولی　(۱۱) محمد بودھ　(۱۲) مکتی مال
(۱۳) موسیٰ بودھ　(۱۴) نام مہاتم　(۱۵) نانک گوشٹ
(۱۶) نرنجن گوشٹ　(۱۷) نربھے گیان　(۱۸) پیا پہچان کو انگ
(۱۹) پرلو مہاتم　(۲۰) سنتوکھ بودھ　(۲۱) سار سنگرہ پد شلوتہ
(۲۲) سرو گن ساگر ستایتہ　(۲۳) سنت کبیری شنک بیوک　(۲۴) شبد کھاولی
(۲۵) شبد چوتیسی　(۲۶) سکندر بودھ　(۲۷) سودنس گنجار
(۲۸) سوکرت دھیان　(۲۹) اگر گیتا　(۳۰) وششٹ منی گوشٹ
(۳۱) دیویک ساگر　(۳۲) دیویک سنگرام　وغیرہ وغیرہ

ممکن ہے کہ ان میں سے بھی کوئی کوئی پورانی ہوں ❖

کبیر صاحب کی آخری زندگی اور گپت ہونا ❖

کبیر صاحب نے بہت دنوں تک پرچار کیا اور آخری عمر تک اس کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ جس کا ذکر کسی قدر بیان آچکا ہے ❖ عالم ضعیفی میں وہ کچھ کمزور سے ہو گئے۔ اور جس جوش کے ساتھ کام کرتے تھے اس میں کمی آگئی ان کے بہت سے شاگرد ان کے پہلے ہی چل بسے تھے

کیونکہ کسی کی بھی اتنی عمر نہیں تھی ॥

جب وہ بیمار ہو گئے اور مرنے کا وقت آیا تب ان کے بعض بعض شاگردوں کی یہ خواہش معلوم ہوئی کہ ان کا دیہانت کاشی جی میں ہو جہاں انہوں نے مدت العمر تک لوگوں کو چتایا ہے۔ انہوں نے اس بات کو سُنا کہنے لگے کیا اب تک تم کو گیان نہیں ہوا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رام کاشی اور مگہر دونوں ہی جگہ بستا ہے۔ کونسی جگہ ہے جہاں وہ نہیں ہے۔ تم نے اس کی مہما کو محدود سمجھ رکھا ہے۔ کیا وہ وہاں مجھ کو نہیں بچا سکتا۔ ہر جگہ رام کی ہے۔ وہ سب میں پرپورن دیا پک ہے۔ اگر کاشی میں مرنے ہی سے مکتی ہوئی تو میں یہاں شریر نہ تیاگوں گا۔ مجھ کو مگہر لے چلو۔ میں وہاں ہی پران چھوڑوں گا ॥

جو کبیرا کاشی مرے تو رام سے کون نہورا

یہ تو ان کا آخری وقت آگیا تھا۔ یا پیروکاروں کی ضعیف الاعتقادی دیکھ کر ان میں طاقت آگئی اور یہ اٹھ کھڑے ہوئے یا ٹھیک بیٹھے نہیں چلے آئے جہاں مرنے سے آج کل کے آدمیوں کے عقیدہ کے موافق گدھے کی یونی ملتی ہے۔ اُن کو گپت ہونے ہوتے ضعیف الاعتقادی کو دکھ پہنچانا منظور تھا تاکہ کسی کو بھرم نہ رہ جائے جب وہ یہاں آگئے چادر تان لی اور وہ زندگی جس نے معرفت حقیقت کے امرت کی رہنمائی کی تھی دم کے دم میں گپت ہو گئی۔ یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ جو یہاں آتا ہے کوئی ہو اس کو کال اور کرم کا قرضہ ادا کرنا ہوتا ہے یہاں امرت نہیں ہے یہاں زہر ہے۔ یہ پرماتما کی سلطنت نہیں ہے۔ گو وہ سرب ویاپک ضرور ہیں یہ کال کی بادشاہت ہے اور کال کی بادشاہت میں آکر ہر شخص کو اس کے قانون کے بموجب موت کا قرضہ ادا کرنا ہوتا ہے وفادار رشتہ دار رونے لگے مگر رونے سے کیا ہوتا ہے ॥

جو آئے ہیں جائینگے راجہ رنک فقیر

ایک سنگھاسن چڑھ چلے اک بٹیے جات زنجیر

جبھی سب روپ بیٹھ چکے۔ ان کے مرتک سنسکار کرنے کا سوال پیش ہوا
ہندو کہتے تھے ہم جلا دینگے مسلمان کہتے تھے ہم دفن کرینگے۔ یہاں ہم حافظ کے
اُس کلام کی سچائی کو دیکھتے ہیں جس سے زندگی بسر کرنے کی سچے اصول
کی ہدایت ہوتی ہے

چناں با ذی یا حافظا در عالم فانی پس از مردن
مسلماناں بزمزم شوید و ہندو بسوزانند۔

کبیر صاحب ہندو مسلمان دونوں کو پیارے تھے دونوں ہی ان کی
آنکھوں کے تارے تھے۔ دونوں ہی کو انہوں نے محبت سے اپنایا تھا اس
لئے دونوں ہی ان کی لاش کے دعویدار ہوئے

مسلمان کہتے تھے کبیر صاحب کا جسم مسلمانوں کے گرو کا تھا ہم ان
کو کبھی نہ جلانے دینگے ہندو کہتے تھے وہ ہندو تھے اور بات بھی سچی تھی
کبیر صاحب کی تعلیم ہندو فلسفہ کی مظہر ہے اس کو اسلام سے کچھ واسطہ ہی
تک نہیں لگی تھی۔ مسلمان کب سنتے تھے ایسے موقعوں پر ان کے
یہاں رگڑ کا سوال ہی پیدا ہو آتا ہے

جب لڑائی ہونے لگی اور بجلی خان پٹھان نے بجلی کی طرح کڑک کر کہا
کہ ہم لاش نہ لیجانے دینگے روایت کہتی ہے اس وقت ایک معجزہ ہوا کبیر
صاحب نے خود ہی پرگٹ ہو کر کہا ذرا چادر کو اٹھا کر دیکھو لاش کہاں ہے؟

یہ معجزہ دونوں قسم کے تعصب سے برخلاف قدیم ہے روحانی شخصوں کیلئے اسکا امکان ہو سکتا ہے

جب چادر اٹھائی گئی تو نیچے پھول بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ انہوں نے

فرمایا اس کو آپس میں تقسیم کر لو۔ اور اپنے دین کے موافق کریا کرم کرو۔ پھول تقسیم ہو گئے آدھے ہندوؤں نے لئے آدھے مسلمانوں نے لئے مسلمانوں نے دفن کیا۔ ہندوؤں نے بنارس کے کبیر چورا پر لا کر اس کو جلا دیا۔ مگہر ضلع گورکھپور میں کبیر صاحب کا روضہ ہے جس کے لئے منصور علی خان نے ایک جاگیر وقف کر دی ہے۔ کبیر چورا میں سمادھی ہے۔ جہاں کبیر پنتھ کے مہنت رہتے ہیں۔ دونوں جگہیں مقدس تیرتھ مانی جاتی ہیں۔ اور کبیر پنتھی چاہے ہندو ہوں یا مسلمان ان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ کبیر صاحب کاشی کے روز بدھ وار سمت ۱۵۵۵ میں گپت ہو گئے۔

کبیر صاحب نے کال کے قانون کے بموجب چولا چھوڑ دیا۔ مگر ان کی روحانیت کا جھنڈا اب تک گڑا ہے۔ اے پڑھنے والو! اگر کبیر صاحب کی روحانی تعلیم سے تم کو فیض نہیں ملا تو اتنا تو سمجھ لو کہ

زندگی جاودانی یافت ہر کہ نکو نام زیست

کبیر صاحب کا نام اب تک لوگوں کے ورد زبان ہے۔ اس لئے پرماتما کو مت بھولو۔ یاد رکھو۔

در پیش ہے سب کے واسطے منزل عجیب آہ
غافل نہ ہو ہوش میں آ اجل عنقریب ہے

کبیر صاحب کے وفات کی کسی نے قطعہ تاریخ نہیں کہی۔ مگر دیہاتی شاعر نے ان کی شان میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی سوچنے کے قابل ہے۔ نابھا جی بھگت مال میں یوں فرماتے ہیں:-

(۱) بانی ارتھ کھرب میں گر نیتی ہیں گوشہ ہزار
کہا پرش کبیر میں نا کہا کچھ بچار
(۲) بھگتی بمہرو سے آپ نے مگہر تجھ تقدیر

اناسی کے گود میں تلسیں داس کبیر

گوسوامی تلسی داس جی کہتے ہیں :-

سار و ستو سب کبیر نے کہا

شیش بچا سو سور دے کہا

تلسی رام نام پد کہا

ملوک داس جی کہتے ہیں :-

نج کاشی مگہر گئے ۔ دونوں دین کے پیر

چاروں جگ سے نیارے ستگورو ست کبیر

دادو صاحب فرماتے ہیں ۔۔۔

کاشی تج مگہر گئے ۔ کبیر بھروسے رام

سندیلی صاحب ملے دادو پورا کام

[illegible] داس صاحب کا واکیہ ہے :۔۔۔

[illegible] بیٹھے نہ بیٹھے شریر

گئے ملیھی سنت کبیر

اے پرم پرش کبیر! تیرے چرنوں کو ہم سچے دل سے نمسکار کرتے ہیں کون کہتا ہے تو گپت ہو گیا ۔ ہم اب بھی تیرے شبدوں کو دو نیو ارشن گونجتی ہوئی پاتے ہیں ۔ ہم تجھ کو نمسکار ہے ! غریب داس جی کہتے ہیں ۔۔۔

تو رہو کبیر کا سب کھیل با سا گپت پرگٹ عجب تماشہ

جہاں سنت تہاں پرگٹ جنائی ۔ جہاں سنت تہاں گپت

دوسری فصل

کبیر صاحب کی تعلیم

جنہوں نے کبیر صاحب کے گہرے فلسفہ کا مطالعہ نہیں کیا۔ وہ اُن کی عظمت کو نہیں جان سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ خیال کے کوئی بھی پہلو ایسے نہیں ہیں۔ جو کبیر صاحب کے مکمل فلسفہ میں نہ آ جاتے ہوں۔ آج کل جن کو بالکل نئے مسائل سمجھے جاتے ہیں اور جن پر لوگ بحث کرتے ہیں وہ سب کبیر صاحب کے اُپدیش میں موجود ہیں۔ ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ خیالات کے اظہار کے سامان مختلف ہیں۔ یہ زمانہ اور ہے۔ وہ زمانہ اور تھا۔ آج کل کی زبان اور ہے اس وقت کی زبان اور تھی۔ آج کل کے بیان کرنے کا انداز اور ہے اس وقت اور انداز تھا۔ مگر جو لوگ حقیقت رس ہیں۔ اور جن کی نگاہ سچائی کی طرف جاتی ہے۔ وہ بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ کہ کبیر صاحب کی تعلیم کیسی گہری۔ کیسی حقیقت تک پہنچانے والی اور کیسی لطیف و مکمل ہے۔

ہندی زبان

کبیر صاحب نے اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ صرف ہندی زبان کو بنایا۔ اس کا سبب بھی ہے۔ جب کبھی دنیا میں پاک شخصیتیں آتی ہیں۔ وہ عوام کے جذبات کا زیادہ خیال رکھتی ہیں۔ عالم فاضل لوگ بالعموم مغرور ہوتے ہیں۔ اور وہ سب سے زیادہ سچائی کے راہ سے منحرف رہتے ہیں۔ ان کی نگاہ باہری باتوں کی طرف رہتی ہے۔ جوہر کی طرف نہیں رہتی۔ دقیق الفاظ استعارات صنائع و بدائع کو وہ سب کچھ سمجھ لیتے ہیں خیال کی طرف کم مائل ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ [illegible] کے اندر کے مضمون کو نہیں سمجھتے۔ ظاہری خوبصورتی

کے شیدائی اور سودائی بنے رہتے ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ لفظ اور جسم کی موت
ہے۔ اصلیت صرف روح میں ہوتی ہے۔ ان کا راستے پر لانا مشکل ہوتا
ہے۔ کیونکہ یہ ہمیشہ سدھانت کا ما بجھا دیتے رہتے ہیں۔ اور طرح طرح کی تاویل
چھانٹ کر کے کلام کو ایسا لباس و معنی پہنایا کرتے ہیں جو کہنے والے کا مقصود
بھی نہیں ہوتا۔ عالم اُس دھن میں رہیں گے کہ گنیں کب لکھی گئی تھی کرشن بھگوان
کب ہوتے تھے۔ کس طرح لڑائی کی گئی ہیں کتنے شلوک ہیں کتنے لفظ و حرف ہیں
وغیرہ وغیرہ۔ ان کی اُن آدمیوں کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے جو آم کے باغ
میں جاکر آم نہیں کھاتے پیڑ گنا کرتے ہیں۔ اس لئے جب کبھی دنیا میں روحانی
مصلح اپنا پرکاش کرتے ہیں۔ وہ زیادہ تر عام آدمیوں کو مخاطب کیا کرتے ہیں اور
ان کو روحانیت کا عطیہ بخشتے ہیں۔ اگر وہ عالموں کی طرف متوجہ ہوں تو کبھی خیالات
کی اشاعت نہ ہو سکے۔ اور ان کی زندگی کا مقصد پورا نہ ہو۔ یہ وجہ ہے کہ صرف
سادھارن کی زبان میں گفتگو کی جاتی ہے۔ بسا اوقات ان مہاتماؤں کو عالموں
کی زبان سے بھی کمتر واقفیت ہوتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ کبیر صاحب نے ہندی
میں اور بجز اس کے پوربی ہندی کی ہیں جو بنارس وغیرہ اضلاع سے مخصوص ہے۔ اپنی
تعلیم دی۔ یہ خصوصیت اور روحانی معلموں میں بھی نظر آئیگی عالم کم ہوتے ہیں
ان کی تعداد چونکہ بہت محدود رہتی ہے اس لئے وہ ادھر راغب نہیں ہوتے۔ ماحاصل
یہ ہوتا ہے کہ کثیر عالم جن میں سچائی کی پیاس ہوتی ہے۔ خواہ ان کے سرچشمۂ فیض
سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

کبیر صاحب کا مذہب

کبیر صاحب کا مذہب دراصل پریم و بھگتی کا مذہب ہے۔ جس قدر دنیا میں
ہونے کے طریقے نظر آویں گے سب پریم کے رنگ ہیں۔ اصل میں پریم ہی
سب کچھ ہے مالک پریم سروپ ہے۔ بلکہ مالک خود پریم ہے۔ اور جس طرح

سورج کی کرنیں دنیا میں بکھری ہوئی روشنی کا تماشہ دکھاتی ہیں۔ اسی طرح سے پریم کی دھاروں نے مالک کے چرنوں سے نکل کر ہر جگہ اپنا منڈل بنا رکھا ہے۔ کشش کی طاقتیں ہیں سب پریم ہیں۔ جتنے بنانے والی اور بگاڑنے والی قدرت کی قوتیں اس نظام کائنات میں کام کر رہی ہیں وہ پریم ہی ہیں ذرہ ذرہ کو پریم ہی نے ایک دوسرے سے گتھ رکھا ہے۔ جسم کے اعضا پریم ہی کی طاقت سے جڑے ہوئے ہیں۔ سارے تعلقات پریم ہی کے ہیں۔ راگ اور دویش بھی اصل میں پریم ہی شے ایک ہے۔ اس کے اظہار کی دو صورتیں ہیں ایک اپنی طرف کھینچتی ہے دوسری اس سے بھاگتی ہے۔ ظاہر بین آدمی ان میں اختلافات دیکھتے ہیں۔ اصل ذرا بھی فرق نہیں۔ ایک پہلو مثبت ہے دوسرا منفی ہے۔ ایک مکمل وصف ہے۔ دوسرے میں یقیناً نسبتاً کمی ہے مگر یہ کمی و بیشی بھی اصل میں نہیں ہے۔ صرف نسبتی نقطہ نگاہ سے کہی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک پرش ہے ایک پرکرتی ہے۔ ایک جسم ہے ایک روح ہے ایک سنٹری فیوگل فورس ہے ایک سینٹری پیٹل فورس ہے ایک سنہ ہے دوسرا است ہے۔ ایک نور ہے دوسرا سایہ ہے ایک رحمٰن ہے دوسرا شیطان ہے اور ان دونوں نے مل کر اس جگت کو رچا ہے۔ رحمٰن کی بادشاہت میں پریم کی ادھکتا ہے۔ شیطان کی سلطنت میں اس کی کمی ہے اور ان دونوں کے پرے پریم کا پورن بھنڈار ہے۔ جس میں کمی بیشی کا امکان نہیں ہے۔ اور وہی پریم مارگ والوں کا آدرش اور مدعا بتلایا گیا ہے۔

گیان اور پریم میں فرق نہیں ہے۔ کیونکہ پریم کی نگاہ خود گیان ہی کی نگاہ ہے اور یہ دونوں اصطلاحات صرف نسبتی الفاظ ہیں۔ حقیقت میں نہ یہ جدا جدا ہیں نہ ان کے معنی جداگانہ ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ تصوف میں ان کے درمیان فرق نہیں تسلیم کیا جاتا ہے۔

گیان اور پریم سے مراد جو آج کل دنیا نے لی ہے وہ ایک امیلبنٹ کے

دو مختلف پہلو اور ان کے دو مختلف اوصاف دکھانے کا کام ہے۔ گیان عمل تحلیل
ہے۔ وہ کانٹ چھانٹ کرتا ہوا اصلیت کے سمجھانے کا سامان پیدا کرتا ہے
پریم عمل ترکیب سے ایک بنے اور ایک ہو کر رہنے کا طالب ہے اور اگر اس پر
اچھی طرح غور کیا جائے تو بآسانی سمجھ میں آ سکیگا۔ کہ ان میں سے کس کو ترجیح ہونی
چاہئے۔ عمل تحلیل کو یا عمل ترکیب کو؟ عمل تحلیل دیر کے بعد مطلوب تک ملاتا ہے
عمل ترکیب فوراً دونوں کو ملا کر ایک کر دیتا ہے۔ اس لئے کبیر صاحب کے مذہب میں
پریم کی مہما بڑے زور شور کے ساتھ بیان کی جاتی ہے ٭

پریم کا جذبہ جس وقت انسان کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ایک ہوئے
بغیر نہیں رہ سکتا۔ جہاں کہیں جس چیز کا پریم دل میں پیدا ہوگا۔ وہاں دو حالتیں ضرور
ہونگی۔ ایک تو یہ ہے کہ پریمی اپنے آپ کو بھول جائیگا۔ دوسرے پریتم کا خیال
بجود اس کے دل میں سرایت کر جائیگا۔ اسی وجہ سے ہمیشہ یہ تعلیم دیگئی ہے کہ مالک
کو اپنے دل کی تمام طاقتوں سے پیار کرنا تاکہ وہ تمہارا اور تم اس کے بن جاؤ۔ اور یہی
ایک ہونا پریم مارگ کا اونچا آدرش۔ سچا مقصد اور اعلےٰ معراج ہے۔ کبیر صاحب
کا مذہب اس لئے پریم کا مذہب ہے اور جو کچھ گیان دھیان اس کے سلسلہ میں بتایا
جاتا ہے وہ صرف سادھن ہے مقصد نہیں ہے ٭

فلسفہ

ہم پہلے نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ کبیر صاحب نے اپنے خیالات کسی سے
عاریت نہیں لئے جو جی میں آیا وہ کہہ سنایا۔ ایک بے پایاں کنار سمندر ہے جو
بڑے زور شور کے ساتھ امنڈ رہا ہے۔ جو اس کے قریب آتے ہیں یا تو بالکل اس
کی لہروں سے لت پت ہو جاتے ہیں یا جو خوف سے ساحل پر رہتے ہیں ان
پر کچھ بوندیں پڑ جاتی ہیں۔ اور وہ بھی خالی نہیں جاتے۔ یہ کبیر صاحب کے بیان
کی خوبی ہے۔ [illegible] مگر اس [illegible]

کی روح آب و تاب کے ساتھ چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور سننے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ اگر اور کوئی شخص ان باتوں کو کہتا ہے تو دلآزاری کے جرم کا مرتکب ہو مگر وہ بڑے شوق کے ساتھ بے تکلفانہ لہجہ میں مذاق اور تمسخر کی زبان میں بھی بُری طرح کھنڈن کرتے ہیں۔ مگر کسی کو بُرا نہیں لگتا۔ اور سب دل سے اس طرف مائل ہو کر ان کی سنتے ہیں۔ اور خوشی سے ان کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ ان کو خود کسی بات کا خیال نہیں مگر دل میں چونکہ پریم ہے اس لئے اس کا موافق اثر پڑتا ہے ❖

سادھو ایسا چاہیئے سانچی کہے بنائے

کے ٹوٹے کے جوڑ دے بن کہے بھرم نہ جائے

انہوں نے فلسفہ کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔ عملی تخیل سے ویسے ہی تعلق رکھا ہے۔ جیسے عمل ترکیب سے مگر فوقیت پریم ہی کو دی ہے ❖

ان کے فلسفانہ مسائل پر میں بہت کچھ لکھ سکتا ہوں مگر ضروری اور مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ان کی انوکھی زبان میں ادا کئے جائیں۔ تاکہ پڑھنے والوں کو پتہ لگ سکے کہ ان کے کلام کا ایک ایک لفظ کس طرح خیال کے رنگ کو تربیت دیتا ہے اور کس طرح وہ خیالی آنکھوں کے سامنے ایک نئی دنیا کے کھولنے کا اہتمام کرتے ہیں ❖

پیدائش کائنات (اُتپتی)

نثری بیجک کے ابتدائی رمینی میں وہ اس طرح فرماتے ہیں۔

(۱) انتر جوت شبد ایک ناری۔ ہری۔ برہما کے تا کے ترپورٔاری

(۲) تے تر یئے۔ بھگ لنگ انت۔ ترگن جانے آدی و انتا

(۳) بکھری۔ ایک سبد ھاتے کیا۔ چودہ۔ ٹھہر۔ بارٹے۔ سو لیتا

(۴) ہری۔ ہر برہمہ مہنتو ناؤں۔ نے پن تین۔ بسا واٹی گاؤں

ترجمہ (۱) ابتدا میں مالک انتر دھیان تھا۔ پھر اس میں پورا حرکت ابھیلا

ہوئی۔ جگنو کی طرح چمکنے والی تھی۔ پھر اس سے شبد پرگٹ ہوا۔ پھر اس نے ایک
سنہری کے روپ میں صورت اختیار کی۔ اور اس سنہری سے تین لڑکے۔ برہما،
اور مہیش پیدا ہوئے +

تشریح۔ جب سرشٹی نہیں ہوتی تب مالک اپنے سروپ میں آپ
مگن رہتا ہے۔ اس کا اندازہ کسی قدر سوشپتی یا گہری سمادھی کی حالت سے کیا
جا سکتا ہے۔ گو اس سے اور اس سے اصل میں کوئی نسبت نہیں ہے صرف سمجھ
بوجھانے کے لئے مشابہت سے کام لیا جا رہا ہے۔ پھر اس میں جوت (نور) پیدا
ہوتا ہے پرکاش ہوتا ہے۔ یہ نور اس میں موجود تھا مگر پرکاش نہیں کیا تھا۔ یہ مالک
کا وہ روپ ہے جو اپنا ظہور کرتا ہے۔ اس سے آگے جو حالت ہے وہ کہنے میں نہیں
آ سکتی۔ جس وقت ہلور یا نور کی حرکت ہوئی اس سے شبد پیدا ہوا۔ کیونکہ آواز حرکت
کے سلسلہ میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس پرم تتو کے ظہور کی تیسری صورت ہے
پھر بسنا روپ استری پیدا ہوئی۔ جس نے سرشٹی کا سلسلہ زور شور کے ساتھ
جاری کیا +

یہ چار حالتیں ہیں جن کو قانون ارتقا کے بموجب دکھانے کی کوشش
کی گئی ہے۔ اگر برہمانڈ کی رچنا کو چھوڑ دیا جائے اور آدمی ہی کی اُتپتی پر غور کیا جائے
تب بھی یہ آسانی سے سمجھ سکیگا کہ اس کے بیان میں کتنی سچائی ہے +

باسنا استری ہے یہ خواہش کی بہت ہی لطیف حالت ہے۔ جب انسان
کے دل میں کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تب ہی وہ کام کاج کرنے لگتا ہے اور اپنا
جگت رچتا ہے۔ جب تک باسنا نہیں ہوتی کام کاج نہیں ہوتا۔ اس لئے قدرت
میں بھی باسنا جس کا نام درگا۔ آدی مایا۔ آدیا ہے پرگٹ ہوتی ہے۔ اس
میں تین گُن ست۔ رج۔ تم چھپے رہتے ہیں۔ اصل میں یہ انہیں کے مجموعہ
کا نام ہے۔ اور جب یہ تینوں گن سامیہ اوستھا میں رہتے ہیں۔ تب اس کو پرکرتی

کہتے ہیں۔ یہی پرکرتی، یہی آودیا ہے۔ اور یہی جگت کی رچنے والی ہے ۞

اس ترگن آتمک ناری سے تین پتر پیدا ہوئے۔ برہما۔ وشنو اور مہیش
ان میں سے برہما رجوگن پردھان۔ وشنو ستوگن پردھان مہیش تموگن پردھان
ہیں۔ برہما رج ہے ستّ۔ تم کی تین صورتیں ہیں۔ لیکن ان صورتوں سے کوئی یہ نہ
سمجھ لے کہ برہما ستّ و تم سے۔ وشنو رج و تم سے۔ مہیش ستّ و رج سے خالی
ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ مایا چونکہ خود تین گن والی ہے۔ اس لئے اس کے تینوں
خاص پتروں میں بھی تینوں ہی گن رہتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کسی میں کوئی
اور کسی میں کوئی گن پردھان ہے۔ اور اسی وجہ سے وہ اس خاص اُن کے روپ
کہے جاتے ہیں ۞

اصل میں یہ تین دیوتا آدشکتی کی تین مختلف قوتیں ہیں۔ جو سرشٹی کی غرض کو
پوری کرتے ہیں۔ برہما جگت کو رچتا ہے۔ وشنو پالن پوشن کرتا ہے۔ شیو سنہار کرتے
ہیں۔ انہیں تینوں قوتوں کا ظہور سرشٹی اور پرلے میں ہوتا ہے اور جہاں جو حالت
نظر آوے گی۔ وہاں یہ تینوں ساتھ ساتھ کام کرتے ہوئے موجود ملیں گے ۞

جس طرح برہمانڈ میں یہ اپنے اپنے فرائض کو انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے
جسم میں بھی ان کا کام ہوتا ہے۔ پہلے ہمارے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے۔ یہ
ماسنلوپ ناری ہے۔ پھر خیال عملی صورت اختیار کرتا ہے۔ یہ برہما ہے
اس خیال کی تقویت کا سامان اکٹھا کیا جاتا ہے۔ یہ وشنو ہے۔ اور پھر اس میں
کانٹ چھانٹ ہوتی رہتی ہے۔ اور آخر میں وہ بگاڑ دیا جاتا ہے۔ یہ شیو ہے ۞

ترجمہ (۲) ان تینوں سے نانا پرکار کے جنگم اور لنگ پیدا ہوئے۔ [illegible]
ان کے بھی آد اور انت کا پتہ نہیں [illegible] ۞

تشریح۔ یہ [illegible] یعنی ترگن [illegible] شکتی کے تین خاص روپ ہیں۔ پھر
ان کے سلسلہ کے ساتھ نانا پرکار کے جنگم اور لنگ پیدا ہوں گے۔ لنگ

طاقت کی دھاروں کا نام ہے اور بھوگ وہ برتن یا جسم ہے۔ جس میں وہ قائم ہوتی ہے۔ حرارت ہمیشہ دھار کی شکل میں چلتی ہے۔ اور جہاں اس کو قائم ہونے کی جگہ مل گئی وہ وہیں ہی ٹھہر کر اپنے طاقت کا تماشہ دکھاتی ہے۔ اگر یہ بھوگ نہ ہو تو پھر طاقت کے سمجھنے و بوجھنے خواہ دیکھنے و جاننے کا موقعہ تک نہ ملے۔ اس طرح سمجھو سورج کی کرنیں لگ (دھار) کے آکار میں نیچے کی طرف اترتی ہیں اور جب وہ زمین پانی میں ٹھہرنے کی جگہ پا جاتی ہیں تب ان کو ظاہر ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اسی طرح ان تینوں ترمورتیوں سے بحساب طاقتوں کی دھاریں مجسم ہو کر پیدا ہو گئیں اور کروڑوں چاندار بن گئے۔ جو ست۔ رج و تم کی آمیزش سے عجیب غریب تماشے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کو یہ پتہ نہیں لگا۔ کہ اس سرشٹی کی ابتدا و انتہا کیا ہے اور کس طرح سے یہ عالم ظہور میں آئے۔ یہ سنسار کے استری پرش در اصل تم پرش و پرکرتی کے نانا پرکار کے روپ اور اسی کے عکس میں جو برہما وشنو و مہیش کے منفقہ قوت سے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر ان سب کو اپنے اودنت کا گیان نہیں ہے ✚

ترجمہ (۳) بدھاتا یعنی برہما نے ایک بکھری (حویلی) بنائی۔ اس کو چودہ حصوں میں تقسیم کرکے پاٹ لیا ✚

تشریح۔ بنانے کا کام برہما کا ہے۔ اسی نے اس جگت کی موجودہ صورت دی اور اس کے چودہ حصے کیئے ایک علوی دوسرے سفلی جن کو عوام چودہ لوک کہتے ہیں۔ ان کی فہرست یہ ہے :-

علوی۔ بھور۔ بھوہ۔ سوہ۔ مہ۔ جنہ۔ تپہ۔ ستیم ✚

سفلی۔ اتل۔ وتل۔ تلاتل۔ رساتل۔ مہاتل۔ ستل۔ پاتال ✚

یہ چودھوں متوون پرانیوں سے بھرے ہوئے ہیں ✚

(۴) چپر ہری (وشنو) ہر (مہادیو) برہما تینوں لوک اپنے اپنے لئے

مخصوص کیئے اور ان کو اپنے طور پر آباد کیا ۔

تشریح ۔ اس کا مطلب واضح ہے ۔ دنیا میں ہر جگہ خاص خاص طاقتوں کا بھنڈارا ہوتا ہے ۔ اور وہاں سے وہ طاقتیں ضرورت کے وقت اندر سرشٹی میں اپنا کام کرتی ہیں ۔ جیسے تمہارا اپنا دل و دماغ بھی خاص خاص طرح کی قوتوں کے خزانے ہیں ۔ اور جب کام پڑتا ہے ۔ تب ان سے دھار پھوٹ نکلتی ہے اور باہر بھیتر سب جگہ اس کا ظہور ہوتا ہے ۔ وہی خیال دماغ سے جاری ہو کر من میں آتا ہے ۔ من سے زبان پر آتا ہے اور ہاتھوں کو متحرک کرتا ہے ۔ پھر باہر کے لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں ۔ اسی طرح سے اور اسی شکل میں یہ وشنو لوک ۔ شیو لوک اور برہما لوک ہیں ۔ یہ رج ۔ ست ۔ تم کے بھنڈار ہیں ۔ اور ان سے کام کرنے کی دھاریں نکل کر کل برہمانڈ میں محیط ہو جاتی ہیں ۔ اور اپنے اپنے منصبی فرائض کو انجام دیتی ہیں ۔ یہ سب دھاریں ساتھ ساتھ ملی جلی رہتی ہیں ۔ اور ایک دیشی ہوتے ہوئے بھی سرب دیشی ہیں ۔ مثال کے طور پر سمجھو سورج کا منڈل ایک مخصوص جگہ رکھتا ہے ۔ مگر وہ چاند منگل زمین ۔ برہسپتی ۔ سنیچر ۔ شکر وغیرہ دیگر ان میں جو جاندار و جڑ پدارتھ بستے ہیں سب میں کرنوں کے ذریعہ ویاپک ہے ۔ کیونکہ اصل میں اس نظام شمسی کی ساری روشنی و حرارت سورج ہی سے آئی ہے ۔ اور وہی سب کا مرکز اور سب کی جان ہے ۔ اسی طرح شیو لوک ۔ برہما لوک ۔ اور وشنو لوک ۔ ایک دیشی ہوتے ہوئے بھی اس برہمانڈ میں اپنی شکتی کی دھاروں کے ذریعہ محیط کل ہیں ۔ اور ایک جگہ رہ کر سب جگہ پھیلے ہوئے کام کر رہے ہیں ۔ یہ رچنا شکتی اس طرح پر ہو رہی ہے ۔

سرشٹی کی مزید وضاحت

آپ فرماتے ہیں :-

بھاؤنا برہم ارنبھ کون کے بھاوئے ۔ دوسر پرگٹ گین سو تھاؤ جگ

پھر گئے ملیون۔ پانی اور چھایا ۔ بھولنہار کے بر گئی مایا

پھر گئے انڈ۔ پنڈ۔ برہمنڈا ۔ پرتھوی پرگٹ کین نوکھنڈا

پھر گئے سدھ سادھک سنیاسی ۔ تنہی سولاگ رہے ابناشی

پھر گئے سر نر منی سب جھاری ۔ تینو کھوج پرے سب ہاری

تشریح۔ مطلب واضح ہے۔ اسی ست۔ رج۔ تم۔ کے سلسلہ میں نانا پرکار کے سامان پیدا ہوئے۔ پہلے یہ صرف بھاؤ روپ تھے یعنی بہت لطیف تھے پھر ستھول ہوئے۔ اور جانداروں کے پیدا ہونے کے کارن ہوئے ❊

جیسے من میں پہلے خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ خیال متحرک ہو کر ایک جگہ گولاکار ہو کر پھر باہر کی طرف اپنی دھار بھیجتا ہے اور جدوجہد کی زندگی کا اظہار کرتا ہے۔ لطیف دھار جو ابتدا میں نکلی تھی وہ بیدا تھا خواہ واسنا مانند تھی۔ اس نے منڈل باندھا۔ اوتھا دان یعنی جگہ والی بن گئی۔ پھر اس سے جو دھاریں اور نکلیں۔ وہ اپنے سلسلہ میں ہوا۔ اکاش۔ پانی۔ آگ۔ اور پرتھوی وغیرہ کا روپ دھارن کیا۔ یہی مایا کا وستار ہے۔ اسی سے انڈ۔ پنڈ۔ اور برہمانڈ پیدا ہوئے اور اس پرتھوی کے جسم پر ہم بستے ہیں نو حصے بنائے گئے۔ جب پرتھوی بن گئی اس سے پہلے جو جاندار۔ سدھ۔ سادھک اور سنیاسی ظاہر ہوئے وہ سرشٹی کرنے کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ مالک کے کھوج میں لگے۔ بعد ازاں برہما نے سر نر منی پیدا کیے اور ان سے جگت کے پیدا کرنے کا کام جاری ہوا۔ ان سب نے حقیقت کی تلاش کی مگر تھک کر ایک جگہ رہ گئے۔ اور مالک کا پتہ کسی کو بھی نہیں لگا ❊

یہ سرشٹی بالکل ہمارے من کے خیال کی طرح پیدا ہوتی ہے۔ جیسے خیال من میں پیدا ہوتے ہی اس کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ سامان کہیں باہر نہیں آتا من کی دھاریں ہیں۔ گھنی اور لطیف بن کر ج ط ج

کی صورتیں بنا لیتی ہیں۔ اور رل مل کر رچنا کرنے لگتی ہیں۔ اور ایک سے انیک ہو جاتی ہیں۔ یہ من دراصل رج ست۔ تم کے اندر ہی رہتا ہے۔ پرکرتی لطیف طور پر ضو ہے یعنی من والی خواہ بدھی والی ہوتی ہے۔ اور اسی کے دھاروں سے پہلے لطیف پھر کثیف تتو پیدا ہو کر جگت کا رچنا کرتے ہیں۔ بہت کم لوگ دنیا میں ایسے ہیں جو اس کی سمجھ رکھتے ہیں مگر یہ حقیقت ہے۔ من ہی سے پنچ تن ماترا۔ شبد۔ سپرش۔ روپ۔ رس۔ گندھ لطیف دھاروں میں نکلتے ہیں۔ اور یہی پنچ تن ماترا جب کثیف بن جاتے ہیں تب ان کا نام اکاش وایو اگ۔ جل اور پرتھوی ہو جاتا ہے۔ اور ان کا مل جل کر کے سب کو پیدا کرنا مایا کا دستار ہے ❋

سرشٹی کے سلسلے میں اگیان

(۱) پرتھم تھرن گورو کین وچارا۔ کرتا کو سے بھگتی ہارا مالک۔ پرچھایا
(۲) کرم کرے سے جگ بھرمایا۔ شکتی بھگتی سے باندھ جن پایا بھرمایا
(۳) ادبھت روپ جاتی کی بانی۔ اپنی اپنی رہنی ٹھانی
(۴) گن۔ ان کی۔ ارتھ نہیں آیا۔ بھید ٹک سے جنئے ججئے نہیں پایا
(۵) جو جینے سے نرمل ارتھ کا۔ ان جینیے ناتے۔ بھیدے بھٹکا انسان

ترجمہ (۱) پہلے گورو نے یہ وچار کیا کہ یہ برہما مالک کا نام لے کر سکتا ہے۔ مگر (۲) اس نے کرم بھرم میں پھنسا کر سارے سنسار کو دیوانہ بنا دیا ہے۔ اور حکومت و پیار کے رشتوں سے سب کو مایا نے باندھا ہے۔ (۳) سب نے اپنے اپنے روپ اپنی اپنی قومیت اور اپنی اپنی زبان (طرز معاشرت) کا غرور ہو گیا ہاں ہی سب نے پرتی چڑھائی اور انہیں ہی کے مضبوط کرنے کے لیے (یعنی) تقریر و تحریر کا سلسلہ شروع کیا (۴) کسی کو اس بات کی سمجھ نہیں آئی۔ اسکی اور نرگن کیا ہے۔ اور بہت سے آدمیوں نے ان کے پیچھا نے

میں غلطی کھائی (۵) جن کو سمجھ آگئی۔ وہ لطیف مزاج بن گئے۔ جن کو سمجھ نہیں آئی وہ (چراغ روپی مایا میں) پروانہ بن کر جلنے لگے ۔

تشریح۔ جس طرح باپ اپنے لڑکوں کو ایسی تعلیم دیتا ہے کہ وہ گھر بار۔ آل اولاد کے تعلقات کو بڑھاتے جائیں ویسے ہی اس بہانے جو اس جگت کا باپ ہے۔ مالک کے نام کو گا گا کر۔ کرم کے جال میں جیوؤں کو پھنسا دیا تا کہ وہ اسی کی بادشاہت میں رہیں اس سے باہر نہ جانے پاویں اور ان کی دنیاوی حکومت دو دنیاوی محبت کے رشتہ سے ایسا جکڑ کر باندھ دیا کہ ان کی نجات کی صورت بالکل غائب ہو گئی۔ کسی کو اپنی قومیت کا غرور ہے کسی کو اپنی شکل و صورت پر ناز ہے۔ کسی کو اپنی زبان (اور اپنے طرز معاشرت) کا گھمنڈ ہے۔ اور یہ سب اس مایا کے پریم کے رشتوں میں بندھ کر اصلیت کو کھو بیٹھے۔ اور بہ آواز بلند اپنی اپنی اور اپنے اپنے جات کی تعریفیں کرنے لگے۔ یہ سب ایسے بھرم میں بھولے ہیں۔ کہ ان کو یہ نہیں معلوم کہ گن کیا ہے اور اگن کیا ہے بہت سے آدمیوں کو ذرا بھی اس کی پہچان نہیں ہے۔ وہ لوگ جو اس بھرم کو پہچان لیتے ہیں وہ لطیف مزاج بن کر اس بھرم جال سے چھوٹ جاتے ہیں۔ ورنہ مایا روپی چراغ پر پروانہ ہو ہو کر گرتے و جلتے رہتے ہیں۔

یہ مایا کیا ہے۔ مایا در اصل کوئی اصلی چیز نہیں ہے۔ بھرم ماتر ہے تینوں کال میں اس کی ہستی نہیں ہے۔ محض جیوؤں کی کلپنا سے اس کی ہستی ہے۔ جیو کہتا ہے یہ میرا یہ تیرا ہے اور یہ میرا تیرا اپنا مایا ہے جس کی اصل میں ذرا بھی اصلیت نہیں ہے۔ مگر جیو اس کے پھندوں میں بری طرح پھنسے ہیں۔ ذات یا مت کا خیال در اصل کیا ہے کچھ نہیں مگر کیسی زبردست زنجیر ہے۔ جس نے سب کو باندھ رکھا ہے۔ یہ سب خیال کلپت۔ فرضی اور محض خیالی ہیں۔ اصلیت نہیں رکھتے اسی کو اگیان۔ مایا۔ بھرم اور اودیا

کہتے ہیں اور یہ یوں ہی سرشٹی کے کاروبار میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کا دور کر دینا ہی نورتی ہے ✤

سور نور کی جیوری ۔ بٹ باندھا سنسار
داس کبیر کیوں بندھے جاکے نام ادھار

یہی اگیان بڑا بندھن ہے۔ اور یہ اس قدر لطیف ہے کہ اس کی سمجھ کمتر آدمیوں کو آتی ہے ✤

بندھن کی چند شکلیں

باندھے اشٹ کشٹ نو سوتیا۔ یم باندھے اگنی کے پوتا۔ بابا
راجا سمرے ترپا چیڑھے ۔ پنڈت سمرے نام لے بڑھے

ترجمہ و تشریح۔ اشٹانگ یوگ کرنے والے یوگیوں کو اپنے یوگ کا گھمنڈ ہے۔ وہ یوگ کے غرور سے بندھ گئے۔ کشٹ سہنے والے تپسوی اپنے تپسیا کے ناز سے بندھ گئے۔ نو قسم کی بھگتی کرنے والے نو طرح کی بھگتی کے غرور کے رشتوں سے بندھے۔ اگنی وا پا کے پتر جیون کو تو یونہی جم راج نے باندھ رکھا ہے۔ راج یوگ کرنے والے ترپا میں جاکر اسی میں اڑ گئے۔ پنڈتوں نے نام کو سمرن کر کے اپنے بندھن کے سلسلہ کو بڑھا لیا ✤

آگے چلکر مختلف ریتیوں میں فرماتے ہیں۔ ہریشچندر کو ان کے ست کے غرور نے باندھ لیا اور وہ ڈوم کے گھر جاکر بک گئے۔ براہمن جو پیشواء قوم تھے پاکھنڈ کے بندھن میں بندھے۔ گیانی کو گیان کا سودا لگتا ہے۔ وہ گیانی و گیان کے خیال میں مست ہیں۔ کسی کو بھی اپنے نارکت و [illegible] بھیدوں کی طرف غور کرنے کا موقع حاصل نہیں ہے۔ [illegible] ان میں۔ اور کچھ ہم [illegible] ہیں [illegible] ہیں ✤

اوبھوے کھٹ درشن بھائی ۔ پاکھنڈ بھیس رہا لپٹائی
جیو سیو کا اپن سونا ۔ چاروں بید چتر گن مونا ناسمان
جینی کرم دھرم نہیں جانا ۔ پاتی تور دیو گھر آنا

ترجمہ و تشریح ۔ چھ درشنوں کے ماننے والے اپنے فرضی مسئلوں کے ادھیڑ بن میں پھنستے ہیں اور لفظوں کے گورکھ دھندوں میں پڑ کر حقیقت سے بالکل دور جا پڑتے ہیں اور پاکھنڈ کا لباس دھارن کر رکھا ہے۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جیو اور شیو ان دونوں کے سروپ فانی اور کلپت ہیں۔ چاروں ویدوں کے ماننے والے تین طرح کرم دھرم میں پھنسے ہیں اور چار طرح کے مت ماننے والے راجسک تامسک ستوگ اور گن نیت ہیں۔ انہوں نے بھی خامی جبراً اختیار کر لی ہے۔ حقیقت کا بھید ان کے لئے بھی نہیں کھلا۔ جینی جو جیو رکھشا کے ڈھونگ کرتے ہیں وہ کرم دھرم سے ناواقف ہیں۔ پتے اور پھول توڑ کر اپنے دیوتاؤں کو چڑھاتے ہیں۔ اُن سے کوئی پوچھے تو سہی کیا درختوں کے پھول و پتے جیو سے خالی ہیں۔

اندھ سو درپن وید پورانا ۔ دروی کہا مہارس جانا چمچہ
اس گھر چندن لاوے بھارا ۔ پرش باس نہ جان گنوارا گدھا
کہہ کبیر کھوجے اسمانا ۔ سو نہ ملا جو جائے ابھیمانا

ترجمہ و تشریح ۔ وید پوران اندھوں کے آئینے بن گئے ہیں۔ جو لوگ ان کو پڑھتے ہیں وہ چمچہ کی مثال ہیں جو سالنوں کو سمجھاتے رہتے ہیں مگر مہا رس جو برتن میں ہے اس کی لذت کی ان کو خبر تک نہیں ہے۔ گدھے کی پیٹھ پر چندن لدا ہے۔ مگر وہ گنوار خوشبو کو کیا جان سکتا ہے۔ کبیر فرماتے ہیں یہ نادان آسمان یا سورگ وغیرہ تک کی تلاش کرتے ہیں۔ وہ کہاں ان کو نہیں ملا جس سے ابھیمان جاتا رہتا۔

اگیانیوں کی قسمیں مذہبی نقطہ نگاہ سے

کالی پیلی گائے کا دودھ دوہتے ہو۔ بھلا دیکھیں تو سہی اس کو علیحدہ کر کے دکھا دو ٭

نانا روپ برن یک کینہا ۔ چار ورن ان کاہو نہ چینہا
نشٹ گئے کرتا نہیں چینہا ۔ نشٹ گئے اور ہی من دینا

ترجمہ و تشریح۔ یک درن ہے اور نانا روپ ہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی پتہ نہیں پایا کہ چار ورنوں کے تقسیم کا اصلی مطلب کیا تھا۔ یہ سب برباد گئے کسی نے بھی مالک کی پہچان نہیں کی۔ یہ سب برباد گئے کیونکہ اپنا من فضول فرضی کلپت اور معمولی باتوں کی طرف لگایا ٭

کشتری کرے کشتری دھرما ۔ واکے بڑھے سوائی کرما
کشتری سو جو کٹمب سوں جوجھے ۔ پانچ میٹ ایک کر بوجھے

ترجمہ و تشریح۔ کشتری اپنے کشتری پن کے گھمنڈ میں کشتری دھرم کا پالن کرتا ہے اور اپنے کرم کے سلسلہ کو ناحق بڑھاتا جاتا ہے۔ اصلی کشتری وہ ہے جو اپنے ہی نفس سے لڑائی لڑے اور پانچ دشمن۔ کام۔ کرودھ۔ لوبھ۔ موہ۔ اہنکار کو مار کر ایک مالک کی بھگتی کرے ٭

مایا کا روپ

ناری ایک سنسار کی آہی ۔ مائے نہ واکے باپ نہ جائی
گوڑ نہ موڑ نہ پران ادھار ۔ تامیں بھرم رہا سنسار

ترجمہ و تشریح۔ مایا ایک استری ہے جو اس سنسار میں آئی ہوئی ہے۔ اس کی نہ ماں ہے نہ باپ نے پیدا کیا ہے۔ سر پیر کچھ نہیں اور نہ وہ پران والی ہے۔ اسی میں یہ سنسار بھرم رہا ہے۔ مایا کیا ہے اس کا بیان اوپر کر دیا گیا دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ٭

اپدیش

بیجک میں مختلف طریقوں پر نشیب و فراز سمجھا کر کبیر صاحب انسان کے
رخ کو عجیب دلچسپ پیرایہ میں اصلیت کی طرف پھیرتے ہیں ان کے الفاظ
اس قسم کے ہیں۔ گویا اپنشد ہی بول رہی ہیں۔ حالانکہ ہم میں سے کسی کو اس بات
کے کہنے کی جرأت نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے خیالات اپنشدوں سے لئے
ہوئے۔ کیونکہ جس زمانہ میں ان کا ظہور ہوا ہے۔ اپنشدوں کا رواج اتنا نہیں تھا
صرف بھگتی مارگ کی صدا بلند تھی۔ ہندو دھرم پر اس وقت عجیب طرح کی حالت
طاری تھی۔ اپنشدوں کو اس وقت ایک طرح پر گپت سمجھ لو۔ ان کی طرف پر شاہزادہ
داراشکوہ کے محنت و مشقت کرنے کی وجہ سے لوگوں کی توجہ رجوع ہوگئی تھی۔
داراشکوہ شاہجہان بادشاہ کا لڑکا تھا۔ اور چونکہ وہ اعلیٰ قسم کا موحد تھا۔ اس نے
مذہبی تحقیقات اور روحانیت پسندی کی دھن میں دلوان دلی امام صاحب سے ان
فارسی زبان میں ترجمہ کرایا۔ تاہم ہم صاف صاف دیکھتے ہیں کہ کبیر صاحب بالکل
اسی طرح کا وعظ دیتے ہیں۔ ان کی بیجک دوسرے تصانیف میں وید۔ پوران و شاستر
درشنوں کا ذکر تو بار بار آیا ہے۔ اپنشد کا لفظ صرف ایک جگہ آیا ہے۔ وہ ان کے
نام سے ناآشنا تو نہیں تھے۔ مگر اس تاریخی کے زمانہ میں یہ کہنا کہ انہوں نے
اپنشدوں سے خیالات اخذ کیے تھے غیر ممکن معلوم ہوتا ہے۔

ست پد کا لکشن آپ اس طرح دکھلاتے ہیں:۔

برنوں کون روپ او ریکھا۔ دوسر کون آئے جو دیکھا
او اونکار آدی نہیں بیدا۔ تا کہ کہوں کون کل بھیدا
نہیں تارا گن نہیں روی چندا۔ نہیں کچھ ہوت پتا کے بندا
نہیں جل نہیں تھل نہیں تھر پونا۔ کو دھرے نام ہکم کو برنا
نہیں کچھ ہوت دوس اور راتی۔ تاکر کہو کون کل جاتی

دوہا

سنیئہ ہیج من سمرتی ہے ۔ پرگٹ بھئی یک جوت
بلہساری تا پورش کی ۔ نرانسب جو ہوت

ترجمہ اور تشریح ۔ اس کا روپ اور ریکھا کیا بیان کیا جائے ۔ دوسرا کون ہے جس نے اس کو دیکھا ہے ۔ نہ وہ اونکار ہے نہ آدی بیا ہے ۔ اس کا نسل و خاندان کیا بتایا جائے ۔ نہ وہ نرانکن نہ سورج اور نہ چاند ہے نہ اس میں باپ کے بوند سے سرشٹی ہوتی ہے ۔ نہ وہ جل ہے نہ پرتھوی ہے نہ آکاش ہے ۔ نہ ہوا ہے ایسی حالت میں کون کیا نام دھرے اور کیا حکم دے نہ وہ دن ہے نہ رات ہے ۔ اس کی کل اور جاتی کوئی کیا بتا سکے ۔ وہ سنیہ ہیج ہے اور من کی سمرتی سے اس میں ایک نور پیدا ہوا ۔ قربان جائیے اس پورش پر جو نرادھار ہے ۔

کبیر صاحب انہی پورش کو لکش بتا کر اس کی طرف چلنے کی ہدایت کرتے ہیں ۔ اور انہی کے ساکشات کار کرنے میں مکتی مانتے ہیں ۔ مگر صاف صاف لفظوں میں بھی کہتے ہیں ۔ کہ وہ مجھ سے نیارا نہیں ہے ۔

جب ہم رہیں ۔ رہا نہیں کوئی ۔ ہمرے ما نہیہ سب رہل بگوئی ۔
ترجمہ و تشریح ۔ جب ہم تھے تب کوئی بھی نہیں تھا ۔ سب ہم میں ہی چھپے ہوئے تھے ۔

برہم تتو کا لکشن

آگے چل کر اشارہ کے طور پر آپ یہ فرماتے ہیں کہ میں تم کو وہی بات بتاتا ہوں ۔ جو پہلے سناتن سے لوگوں نے کہا ہے ۔ فرق دف یہ ہے کہ وہ لفظوں کے گورکھ دھندے میں پھنس رہے اور حقیقت سے واصل نہیں ہوئے ۔

تتو مسی ان کے اپدیشا ۔ سو اپنشد کہے سندیشا

اونشچے ان کے بُجھاری - واہ گی دران کہنے ادہکاری

برم تتو کا نج پرمانا - سنسکاوک ناری نشک مانا

یاگیہ ولک جنک سنبادا - دتاترے وہی رس سوادا

ادھے وسشٹ رام ملا گائی - ادھے کرشن - اودھو سمجھائی

ادھے بات جو جنگ ٹھہرائی - دیہہ دھرے دویہہ کہائی

دوہا

کل ایمان کھوئے گئے - جیت سُوا نہیں ہوئے

دیکھمت جو نہیں دیکھا - اورشٹ کہاوے سوئے

ترجمہ و تشریح - ان کا اپدیش تتو مسی ہے - آپ تشمہی پیغام سناتے ہیں - اسی پر ان سب کا پورا پورا الیقین تھا - مگر اس کو ادھکاری بیان کس طرح کرے - صرف برم تتو کا نج پرمان ہے (کیونکہ یہ سوتتھ پرمان ہے پرتھ پرمان نہیں سورج آپ اپنا پرمان ہے - اس کے دکھانے کے لئے اور کیا چراغ جلائے جائیں - یاگیہ ولکیہ اور جنک کے درمیان اسی پر سمواد ہوا تھا - دتاتریہ اسی کے نشہ میں چور تھے - وسشٹ اور رام نے ملکر یوگ وسشٹ میں اسی کا نغمہ گایا ہے کرشن نے وہی تتو اودھو کو سمجھایا تھا - اسی یقین کے پختہ کرنے سے دیہہ دھاری جنک کا نام ودیہہ ہو گیا - مگر افسوس یہ ہے کہ جاتی ایمان کھو کر جیتے جی کسی سے مراد نہیں جاتا - جو دیکھتے ہوئے بھی نظر نہ آوے اسی کو اورشٹ کہتے ہیں -

برم تتو کے ساکشات کار کرنے کی بدھی

برم پد کے پہنچنے کا جو طریقہ کبیر صاحب نے بتایا ہے وہ بالکل نرالا اور عجیب قسم کا ہے - اور وہ غور کرنے اور سوچنے کے قابل ہے - وہ فرماتے ہیں کہ مالک کا انشٹ پانے کے لئے سرت شبد یوگ کا ابھیاس کرنا چاہئے - اپنے اندر

انتر میں جو شبد کی دھار موجود ہے وہی اصل میں مالک کا سچا نام ہے اس کو پکڑ کر اُلٹا چلو۔ سورج کو اس میں پر دو۔ اس کی مدد سے تمہیں اپنے دماغ کی طرف رجوع ہونے سے جو جو لطیف مقامات ملتے ہونگے۔ ان کا خواص خود بخود آتا جائیگا۔ اور تم نہ صرف دنیا کے جال سے بچتے جاؤ گے بلکہ تمہارے بندھن روز بروز ڈھیلے ہو کر کٹ جائینگے اور ایک دن مالک کے ستھان خواہ پرم پد کو جس کو وہ ست پد اور ست نام کہتے ہیں پہنچ کر ہمیشہ کے لئے جرا مرن سے چھٹکارا پا جاؤ گے۔ اس ابھیاس کی مہان کے متعلق گورو نانک صاحب کی بانی اس طرح کہتی ہے ❖

جیسے جل میں کنول نرالم ۔ مرغابی نشانئے
سرت شبد بھو ساگر ترے ۔ نانک نام بکھانئے

مگر انتہا درجہ ہوشیار کرنے کی نسبت سے کبیر صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ شبد کا ابھیاس بطور خود مقصد نہیں ہے۔ وہ صرف سادھن ماتر ہے۔ تم اس کو خوب ذہن نشین کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دھوکا کھا جاؤ ❖

جاپ مرے اجپا مرے ۔ انحد بھی مر جائے
سُرت سمائی شبد میں تاہی کال نہیں کھائے

شبد کیا ہے

شبد کے متعلق کبیر صاحب نے اپنی جھلی نرمینی میں اس کی مہما بیان کر دی ہے یہی شبد اس دنیا میں چیتن بنا ہوا ہے۔ اور اسی کے کاروبار میں ہم سب کچھ جانتے سمجھتے کہتے اور سنتے ہیں۔ ابتدا میں شبد ہی تھا۔ شبد نے اپنے آپ کو پرگٹ کیا اور یہ جتنے روپ جگت میں نظر آتے ہیں سب شبد ہی کے ہیں ایک کہتا ہے دوسرا سنتا ہے دونوں ہی شبد کی صورتیں ہیں۔ لڑکا جب پیدا ہوتا ہے پہلا سوال یہی کیا جاتا ہے کہ بالک نے آواز دی یا نہیں۔ اگر اس نے شبد کیا تو زندہ ورنہ مردہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی شبد کی پانچ صورتیں اس ہمسائے تصور

ہیں ہیں ✤

دیکھری جو جاگرت اوستھا میں پھرتا ہے۔ مدھیمان جو سوپن اوستھا میں پھرتا ہے۔ پیشنتی جو سوشپتی اوستھا میں پھرتا ہے۔ اور دو شبد تُریا اور آتم اوستھا کے ہیں ✤

ہمارے اندر جسم کے ہر طبقہ میں یہ شبد اپنے اپنے ستھان پر کام کر رہے ہیں اور انہیں کی ڈوری کو پکڑ کر ہم اوپر دماغ کی طرف چڑھ سکتے ہیں اور مالک کا ساکشاتکار کر سکتے ہیں ✤

ہمارا شریر ہی برہمانڈ ہے

باہر کے برہمانڈ میں جس قدر طبقات علوی اور سفلی موجود ہیں۔ سب کا خاکہ ہمارے شریر میں ہے۔ ہمارا جسم کائنات کا خلاصہ ہے۔ اسی کو عالم صغیر اور کائنات کو عالم کبیر کہتے ہیں۔ اور ان سب کے شبد جدا جدا ہیں۔ پنڈ سے برہمانڈ تک جو کچھ میکروکازم میں ہے وہی میکروکازم میں بھی ہے۔ اس لئے جس شخص کو جس طبقہ کے واصل ہونے کی ضرورت ہو۔ وہ شبد کا بھید لیکر گورو مکھ دوارا اس کے ابھیاس سے اس مقام پر پہنچ سکتا ہے۔ مالک کسی کو باہر نہیں ملتا۔ وہ جب ملیگا۔ اپنے اندر ہی ملیگا۔ کیونکہ اس کی ساری بادشاہت ہمارے اپنے اندر ہے۔ جو لوگ اس کو باہر تلاش کرتے ہیں وہ غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ باہر کہیں نہ ملیگا ✤

شبد کی مہما

شبد کی تعریف میں کبیر صاحب اس طرح گاتے ہیں:-

شبد ہی مارے مر گئے شبد ہی تجیا راج۔ جن جن شبد بویکیا ان کا سریا کاج
شبد ہمارا آد کا شبد ہی پیٹھے پرکھ۔ جو تو چاہئے مکتی کو آپ مت جائیے سرگ
شبد ہمارا ہم شبد کے شبد برہم کا کوپ۔ جو چاہے دیدار کو پرکھ شبد روپ

شبد ہمارا آد کا پل پل کریئے یاد ۔ انت پھلیگی ماتھ کی باہر گی برباد ۔
شبد بنا شرت آندھری کہو کہاں کو جائے ۔ دوار نہ پاوے شبد کا پھر پھر بھٹکا کھائے

مطلب واضح ہے ۔

ابھیاس کی ضروری شرط

اس سرت شبد یوگ کے ابھیاس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تعلیم گورو کے دوارے ہو ۔ نہ صرف سنت ہو اور نہ کتاب پڑھ کر حاصل کی گئی ہو ۔ کتابیں جڑ ہیں وہ روحانیت نہیں پیدا کر سکتیں ۔ اور نہ زندگی کے روحانی نشان ہیں ان سے انسان فائدہ حاصل ہو سکتا ہے ۔ چراغ جب جلیگا تب روشنی ہو گی ۔ چراغ سے چراغ جلیگا ۔ زندگی ہمیشہ زندہ وجود سے آتی ہے ۔ اور اسی زندہ وجود کو گورو کہتے ہیں ۔ گورو سنت پورش کے لڑکے اور آپ سنت پرش ہیں ۔ جس نے گورو کو جانا سنت پورش کو بھی جانا ۔ جو گورو کو نہیں جانتا وہ سنت پرش کو بھی نہیں جان سکتا ۔ باپ کا علم ہمیشہ بیٹے سے ہوا کرتا ہے ۔ بیٹے سے اگر نا خلفی ہے تو باپ کا علم نہ ہو گا چاہے اور کسی طرح کا ہو ۔ اس لئے کبیر صاحب نے فرمایا ہے :۔

سو جھوٹا جو سنت کو تجے ۔ گورو کی دیا رام کو بھجے

ترجمہ و تشریح ۔ جو بیٹے کو چھوڑ دیتا ہے وہ جھوٹا ہے ۔ قاعدہ یہی ہے کہ گورو کی دیا سے رام کا گیان پراپت ہوتا ہے ۔ اس کے بغیر اس تک رسائی محال ہے ۔ کیونکہ روحانیت کا علم کتابوں کا علم نہیں ہے ۔ یہ ہمیشہ سینہ بسینہ آیا ہے اور سینہ بسینہ رہیگا اور رہتا ہے ۔

یہ پہلی ضروری شرط ہے ۔ باقی اور شرائط گورو کی زبان سے معلوم ہوتی ہیں ۔

رام نام کی مہما

کبیر صاحب رام نام کی مہما گاتے ہیں ۔ اور اسی کا سمرن کراتے ہیں ۔

یہ رام نام در اصل کسی مخلوق کا نام نہیں ہے - مالک کل کا نام ہے ؎

رام نام کا مرم ہی آنا — دسرتھ سُت یہ مرم نہ جانا

ترجمہ و تشریح - رام نام کا مطلب کچھ اور ہی ہے - دسرتھ کے لڑکے کے نام سے اس کی مراد نہیں ہے ؎

ایک جگہ اس کو بیجک میں اور بھی زیادہ کھول کر کہہ دیا ہے ؎

گئے رام اور گئے لکشمنا — سنگ نہ گئی سیتا اسی دھنا

ترجمہ و تشریح - رام بھی گئے اور لکشمن بھی گئے اور سیتا ایسی دھن دار سندری مایا دھن دولت) ساتھ نہیں گئی ؎

رام اوتاری نام ہے اور وہ دھن آتمک نام ہے در اصل نکت نام نہیں ہے اس کی دھن ہمیشہ گنت میں ہوا کرتی ہے اور اسی کو درد کے کانوں سے سننے کی ہدایت ہے جس کی بدھی گور دوار پراپت ہو سکتی ہے - اسی رام نام کو ستنام بھی کہتے ہیں ؎

سمرن کی پدھتی

اس نام کے سمرن کا ظاہری طریقہ یہ حکم نہیں ہے بلکہ اپنے اندر ہی اس کے جپنے سے مراد ہے جیسا کہ اوپر کہہ دیا ہے کبیر صاحب ظاہری سمرن کا بڑی تو تصدیق کے ساتھ کھنڈن کرتے ہیں ؎

مالا پھیرت جگ بھیا — گیا نہ من کا پھیر

من مالا کو پھیر دے — جا میں گانٹھ نہ میر

مالا تو کر میں پھرے — جیبھ پھرے مکھ مانہہ

منوا تو دہ دس پھرے — یہ تو سمرن ناہنہ

ترجمہ و تشریح - مالا پھیرتے ہوئے ایک مدت گذر گئی - مگر من کی ادبدا نہ مٹی تو من کے مالا کو پھیر ڈالو جس میں گانٹھ اور سو میر کچھ بھی نہیں ہے مالا

ہاتھ میں کھٹ کھٹ کر پھر رہی ہے منہ میں زبان رام رام کہتے ہوئے پھر رہی ہے اور من دسوں دشاؤں (اطراف) میں پھرتا ہے۔ اس کو کون سمرن کہیگا ❊

سمرن کس طرح ہونا چاہئے۔ اس کی نسبت اس طرح فرماتے ہیں :-

(۱) سمرن سے من لائیے - جیسے کامی کام
ایک پلک بسرے نہیں - نس دن آٹھوں جام

(۲) سمرن سے من لائیے - جیسے پانی بِنْ مچھلی
پران تجے چھن بچھڑے - سنت کبیر کہہ دین

(۳) سمرن سُرت لگائے کر - مکھ سے کچھو نہ بول
باہر کا پٹ دے کر - انتر کا پٹ کھول

(۴) اتن تھر من تھر پَون تھر - سُرت نرت تھر ہوئے
کہیں کبیر اس پلک کو - کلپ نہ پاوے سوئے

ترجمہ و تشریح (۱) سمرن تو اس طرح کر جیسے شہوت پرست آدمی سُندری کا خیال کرتا ہے ایک لحہ اس کو نہیں بھولتا۔ رات دن اور آٹھوں پہر یاد رکھتا ہے (۲) سمرن میں اپنے من کو اس طرح لگا دے۔ جیسے مچھلی کو پانی سے تعلق رہتا ہے۔ ایک لحہ کی جدائی موت ہو جاتی ہے۔ کبیر سچ سچ کہتے ہیں (۳) سُرت لگا کر سمرن کر منہ سے کچھ مت کہہ۔ باہر کے دروازوں کو بند کر کے اندر کے دروازوں کو کھول دے (۴) اگر من۔ پَون۔ سُرت اور آتما سب ٹھہر ہو کر سمرن کریں تو ایسے ایک لحہ کے سمرن سے جو پھل ملتا ہے وہ ایک کلپ کے باہر کے سمرن سے بہت زیادہ بڑھ کر ہے ❊

اس طرح کے سمرن و بھجن سے آدمی بہ آسانی سنسار سے نیارا ہو جاتا ہے۔ اور تین طرح کے دکھ۔ ادھی دیوک۔ ادھیا تمک اور ادھی بھوتک سے چھوٹ کر پرم پد کا ادھکاری ہو جاتا ہے اور اس کا آواگون نہیں ہوتا ❊

گورو نانک صاحب نے اس سمرن کے طریقہ کو اور بھی ذرا زیادہ واضح کیا ہے ❖

تین بند لگائے کر - سُن انحد ٹنکور
نانک سُن سمادھ ہیں - نہیں سانجھ نہیں بھور

ترجمہ و تشریح - آنکھ ناک اور کان میں تین بند لگا کر اپنے اندر انحد کے راگ کو سُن۔ اے نانک سُن سمادھ میں صبح و شام کا جھگڑا نہیں ہے کیونکہ وہ کال (وقت) سے باہر ہے ❖

آخری ریمنی کے چند اشعار

(۱) جو جیا اپنے دکھے سنہارو - سو دکھ دیاپ رہا سنسارو
(۲) مایا موہ بندھ سب لوئی - ایسے لابھ مول گو کھوئی
(۳) مور تور میں سبے بگوتا - جننی اُودر گرہ بھ مہنہ سوتا
(۴) آپنے کھیے - لونی پھر آوے - سکھ کا - نیں؛ سپنے نہیں پاوے
(۵) مور تور میں جرے جگ سارا - دھگ جیون جھوٹا سنسارا
(۶) آپو آپو چیتے نہیں - اور کہو تور سا ہوئے
(۷) کہے کبیر - سپنے جگے - نا سنتی استی نہیں کوئے

ترجمہ و تشریح (۱) اے جیو! جس دکھ سے تو پریشان ہے۔ وہی دکھ تمام دنیا میں محیط ہے (۲) سب لوگ موہ و مایا میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اور تھوڑے نفع کے لیئے اصلی پونجی بھی کھو بیٹھے ہیں (۳) مور اور تور کے دستے سے سب بندھے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بار بار ماتا کے گربھ میں اگر جنم لینا پڑتا ہے (۴) آدمی پیدا ہو کر مرتا ہے اور پھر گربھ میں آتا ہے۔ خواب میں بھی اس کو ذرا سکھ نہیں ملتا (۵) تمام سنسار مور تور کی آگ سے جل رہا ہے۔ ایسے سنسار کو دھکار ہے اور ایسے سنسار کے جھوٹے

چھپنے پر دھکار ہے ٭

(۱۲) کوئی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا اور نہ اپنا روپ جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر سچی بات کہو تو ناراض ہو جاتا ہے۔ کبیر کہتے ہیں یہ سنسار خواب ہے۔ جھوٹا ہے اور نیستی کبھی ہستی نہیں ہو سکتی۔ انسان یونہی بھرم میں پڑا ہوا جھوٹے سنسار کا خواب دیکھ رہا ہے اور دکھی ہے آنکھ نہیں کھولتا ٭

تیسری فصل

دھرم داس صاحب

دھرم داس جی کبیر صاحب کے گورو کہے گئے ہیں۔ اُن کا مختصر حال کبیر صاحب کے چرتر میں آگیا ہے یہ گورو بھگتی کے نمونہ اور گورو مکھتا کی مجسّم صورت تھے۔ ان کی اولاد اب تک باندھوگڑھ میں مہنت ہے۔ اور وہ بنس گورو کہلاتے ہیں۔ باقی اور تو انش گورو ہوئے ہیں ٭

کبیر صاحب کی مشہور کتاب سُکھ ندھان جس کی ترتیب حضرت گوپال نامی مرید نے دی تھی۔ دھرم داس جی ہی کے لئے لکھی گئی تھی۔ اس میں اسرار معرفت کو بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ دھرم داس کے سوال پر جو جواب بات دیئے گئے ہیں۔ انہیں کے مجموعہ کا نام سُکھ ندھان ہے ٭

دھرم داس جی کی زندگی کا زیادہ حصہ کبیر صاحب کی خدمت و ست سنگ میں ختم ہوا۔ اُس کے واقعات لوگوں کو کم معلوم ہیں۔ تاہم اُن کی حُسن عقیدت اور شردھا بھاؤ کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے پرمارتھی تعلیم کی اشاعت میں بہت کچھ حصہ لیا ہوگا اور منظور نظر ہونے کی وجہ سے کبیر صاحب نے

ان ہی کے بنس کو گورو ہونے کا فخر عطا کیا۔ اور بیالیس پشت تک راج کرنے کا بردان دیا۔ یہ روحانی راج ہے۔ دنیاوی راج کا بردان ریواں کے شاہی خاندان کو دیا تھا اور اس سے بھی بیالیس پشت تک راج کرنے کا وعدہ ہے ۔

دھرم داس جی نے بھی کبھی اپنے نام سے بانی کہی ہے۔ جو بہت رسیلی اور پریم بھگتی کے بڑھانے والی ہے۔ ذیل میں ہم ان کے دو ایک بھجن کو نمونہ کے طور پر لکھتے ہیں ۔

شبد ۱

صاحب جی تن پھیرو

بچھی پنکھ بن تھارا کیہو دیگم گتی نہیں سمجھ سو تیر - اب تجھی تجو موہی انجمن ان تم ست لوک لے پھیرو
نیسن نام مورتی پشت بیا پے کام کرو دھرم داس پھیرو - ان سے نام امین نہیں پایا لوں - دوگ جگ پھیرو
تم بابن بھیو کیں تب وہ سب دوری بہاتر و - تم بدخواب دکھ جیتے نہیں - اب ہی ہیں نہیں سکھیرو ہمیشہ
ہم ہت جہاں پہلا پد ستگو ربھگن جگن تم اپیرو - میں اجیت پتر سکو سو ہوں بس تم تجی بھیجا پیرو
جو ہیں جیو تھارا دیا پیارہ آدانت کو پھیرو - اب ہوہی ایو چھوڑا کے کال سے ادگن ڈھیرو
تبدی چھوڑ سنو کرو نام کرو ہردے نیج ڈھیرو - دھرم داس دھن جان آپنو سو سالگ پھیرو

شبد ۲

سنگو رحمنس ابتیار ان جگ آ ئیا - برگٹ کینے کاشی میں واس کیا
رامانند گورکین اسو پیئند چلا گیا - تذ بدل کشادین بھو رسمجھا گیا
براہمن اور سنیاسی نا نسی کینا - بیچ کاشی کے نگھر یونی شہ جلتیا
دگہر کو دکھ پور ستنگو را ئیا - سند و ترک بیر لود دے کے تنج چلا گیا
بجلی خان پٹھان سو تیر ہو دا ئیا - بیرنگ دیو راؤ ناگیہد اساج دل آگیا
دگہر تھیکرا اسے دادول رکھیا - گڈھ باندھو دھرم داس این کر تھابیا
الہی بیالیس بنس راج لکھنو دے - جس ہم تس تم بنس ذہم بھو کہیا

دھرم داس

حد باندھے دریا واڑ لیا جائے کر۔ بکشی سہت جگنا تھ ملے پر بیتھ داگر
پنڈا آیا کھنڈ نہ جانکے کونگ کینا۔ ایک سوانت کا دھار درشن لینا
کہیں کبیر چار کے سنو دھرمن ناگرا۔ بہت جتن سے لئے سنگ اجھو ساگرا

تیسرا باب

پہلی فصل

شاہ کمال

کبیر صاحب گپت ہوئے۔ ان کی لاش پھولوں کی صورت میں تبدیل ہو گئی ہندو مسلمان دونوں نے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ہندوؤں نے جلایا۔ مسلمانوں نے دفن کیا۔ دونوں نے ان کی یادگار کی سمادھیں قائم کیں۔ جو اب تک مرجع خلائق ہیں +

یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط اس سے بحث نہیں مگر یہ صحیح ہے۔ جو اخلاق تہذیب نفس اور روحانیت کی خوشبو کبیر صاحب کے دل کے باغ سے نکلی تھی۔ وہ ہندو و مسلمان دونوں کے روح کے ناک میں سما گئی۔ اور اب تک اس سے لوگوں کے دماغ معطر ہیں۔ کونسی جگہ ہے جہاں کبیر صاحب کے حقانی راگ کی صدا بلند نہیں ہے؟ کونسا نادان ہندو یا مسلمان ہے جو اس کے سننے کا شائق نہیں ہے +

چشمۂ فیض خوب جاری ہے
فضل و رحمت جناب باری ہے

بہت سے لوگ کبیر صاحب کے تعلیم کی خوشبو کو لے اُڑے۔ اور اُس کو جا بجا پہنچایا۔ اِن مبارک نفس جھونپڑوں میں سے ایک شاہ کمال بھی تھے۔ جو کبیر صاحب کے صاحبزادے کہلاتے ہیں +

یہ بمبئی اور راجپوتانہ کی طرف دورہ کرتے رہے۔ ساری عمر اِس دورہ میں ختم کی۔ اور خیالات کا وہ پرچار کیا کہ بایدو شاید۔ حق و حلال کی کمائی پر بہت زیادہ زور دیتے تھے ان کا قول ہے جس کو دو ہاتھ دو پاؤں ملے ہیں۔ وہ کیوں نہ اپنے قوت بازو سے رزق نہ حاصل کرے۔ کیوں ناحق دوسروں کی محنت کا ناجائز فائدہ اٹھاوے + یہ پریم ویراگی تھے۔ دولت دنیا کی حرص پاس نہیں پھٹکنے پاتی تھی۔ بھگت وجے نامی کتاب کے چھٹویں باب میں ان کے تسلیم و رضا کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ اپنے طرز کا نرالا اور موثر ہے +

ان کے گانے کا ڈھنگ نرالا ہے۔ یہاں اُن کی ساکھی کے چند دوہے۔ بطور نمونہ درج کیے جاتے ہیں +

(۱) جیرام راسانتی صاحب۔ نردیہی کیوں آیا
اننی سمجھ بوجھ نہیں ہو رکھو۔ آوے جاوے سو پایا
شاہ کمال

(۲) گانٹھ کھلی نہیں جنتین کی۔ گیان کنجے بے انتا
سنت ا ست کی خبر نا ئی۔ جانے نہ صفت انتا
شاہ کمال

(۳) سکھ نہیں دولت مال کھجانا۔ سکھ نہیں باد بیواد
سکھ بستے سادھو سنت کی پونجی۔ لاگی شن سماد
شاہ کمال

(۴) حسن در پن نج مورت دیکھا۔ دیکھا سکل پسارا

آپا آپ جان سبھ جانا - جانا سبلا - اسارا
شاہ کمال

(۵) گیانی گیان کہتے نس باسر - وہ نوات گیانی
ر ہے من کی کچھ شدھ نہیں واکو - آٹھ پہر ابھمانی
شاہ کمال

(۶) ساکھی شبن کی مرم نہ پایا - کھلے نہ بند ہے کی
سکھ آنند نیک نہیں مایا - دھرگ نرجنم جیئے کی
شاہ کمال

(۷) راجا دکھی دکھی بن باسی - دکھی رنک بہیر لگتی
گورو کرپا بنچ سادھ سکھی بھیجئے من چنچل کو جیتی
شاہ کمال

(۸) رام نام بنج لمدان سبدے - اور بھرم پاکھنڈ
باہر کے بہٹ دے میرے پیارے کھلے سکل برہمنڈ
شاہ کمال

(۹) داس کمال کبیر کو بالک - گورو کا رنج کر بیارا
شبد بھید کی چوٹ لگی جب - پایا ست کرتارا
شاہ کمال

ان کے بعض شبد بھی نرالے اور اعلیٰ درجے کے پر زور ہیں - ایک یہ ہے -

سائیں تو چاد گیو - بیں نالڑتی ہر رام
سکھی سہیلے سے پوچھ لیجیو - کو اد سائیں کو بجھ نہ کہی رام
اس پنجرے ہیں دس دروازے - نا جانوں کون کھڑکی کھلی رام

چار جمال لینے کو آئے ۔۔ تان دوپٹا اکیلی ہٹری رام
کہت کمال کبیر کا بالک ۔۔ اس بیاہی سے کنواری بھلی رام

تشریح ۔ اس بھجن میں شریر اور آتما کی جدائی کا نقشہ دکھلایا گیا ہے شریر اور آتما کا تعلق دنیا میں سب سے زیادہ گہرا تعلق ہے ۔ ان میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی ۔ مگر آخری وقت آتما اس کو چھوڑ کر چلا جاتا ہے ۔ اور یہ بےحس و حرکت بن جاتا ہے ۔

ایسا سنگی کوئی نہیں ۔۔ جیسے جیو اور دیہ
چلتی بیریاں رے نرا ۔۔ چھانڈ چلنت کر تیہہ

اندر باں سنگھی اور ساتھی نہیں ۔ یہ بھی آتما کی غلامی کا دم بھرتی تھیں ۔ شریر ہے دس دوارے اس کے دس ناکے تھے ۔ ان میں سے کسی ایک سوراخ سے وہ نکل جاتا ہے اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی ۔ جس وقت آتما کے رخصت ہونے کا وقت آتا ہے جسم بےحس ہو جاتا ہے اور موت کے فرشتے آتما کو پکڑ لے جاتے ہیں ۔ کبیر صاحب کے بیٹے شاہ کمال کہتے ہیں کہ اگر روح و جسم کا میل نہ ہوا ہوتا تو اچھا ہوتا ۔ جس ملاپ کا یہ انجام ہو ۔ وہ خواہش کرنے کی حالت نہیں ہے ۔

ان کے کلام کمیاب کیا بلکہ نایاب ہیں ۔ کون جانے ان کی کوئی کتاب بھی ہے یا نہیں ۔ کم سے کم ہم نے نہیں دیکھی ۔ تاہم اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے خیالات ان ہی تک تھے ۔ نہیں ان کا زور و شور کے ساتھ ملک میں رواج ہوا ۔ اور ان کے شاگردوں کا سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا ۔ جس کا فروغ راجپوتانہ کے دادو صاحب کے زمانہ میں ہوا ۔ اس کا شجرہ حسب ذیل ہے ۔

۱۔ کبیر صاحب
۲۔ شاہ کمال صاحب
۳۔ شاہ جمال صاحب

۴- دیل صاحب
۵- ہڈمن صاحب
۶- دادو صاحب
۷- رجب صاحب

ہندو اور مسلمان دونوں ان کے معتقد تھے۔ اور دونوں ہی کمال صاحب کو برابر گوروؤں کے نام سے یاد فرماتے تھے۔

دوسری فصل

دادو صاحب

دادو صاحب قوم کے دھنئے تھے۔ ان کی پیدائش بمبئی کے کسی ضلع میں ہوئی تھی۔ وہاں سے یہ احمد آباد آئے۔ اور وہاں بھی شاید شاہ کمال صاحب کے سلسلہ کے فقیروں سے تعلیم پائی۔ مگر ابھی پورے بارہ برس کے بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ سانبھر ضلع اجمیر میں تشریف لائے یہاں ان کو پرمارتھی باتوں کا زیادہ شوق ہوا۔ مزاج کے بڑے سیدھے سادے تھے۔ اسلوب شگفتہ زبردست تھی جو بات کہتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا۔ گویا اپنی خاص آنکھوں سے اسی وقت دیکھ رہے ہیں۔

سانبھر سے کچھ عرصہ بعد یہ کلیان پور میں آکر مقیم ہوگئے۔ مگر یہاں کی سکونت بھی پسند نہیں آئی تب یہ نرائینا میں آکر ٹھہرے جو سانبھر سے بیا کوس اور جے پور سے بیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس وقت ان کی عمر سینتیس برس کی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ نانک کی طرف سے ان کو یہ بہنا ہوئی کہ بھولے بھٹکے پرانیاں کو تنانا چاہیے تھے۔ اسی خیال میں ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ اور بھی تعداد شاگردوں کی آئی

کے ارد گرد جمع ہوگئی۔ لیکن کتنی مدّت تک انہوں نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اس کا پتہ ٹھیک ٹھیک نہیں لگتا۔

ان کا ظہور یا تو اکبر بادشاہ کے آخری عہد میں یا جہانگیر کے سلطنت کے ابتدائی زمانہ میں ہوا تھا۔ گمان غالب ہے کہ یہ سنہ ۱۶۰۰ء کے قریب ہوئے ہیں۔

جب اس طرح تعلیم دیتے ہوئے کچھ عرصہ گذر گیا اس وقت وہ یکایک غائب ہو گئے۔ تلاش کی گئی۔ لیکن پتہ کسی کو بھی نہ لگا۔ داودپنتھی فقیروں کا عقیدہ ہے کہ ان کو وصال ہوا۔ اور چونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مرتے وقت کبیر صاحب کی طرح ان کے ہندو مسلمان شاگردوں کے درمیان کسی طرح کی لڑائی پیدا ہو۔ اس لئے جان بوجھ کر آخری وقت میں اس طرح گپت ہوگئے۔ اور جہاں جس پہاڑ پہ اس واقعہ کا ظہور ہوا ہے۔ وہاں اس مت کے لوگوں کا بہت بڑا میلہ لگتا ہے نرائنا اس پنتھ کا گوردوارا اور صدر مقام ہے۔ جہاں ان کا پلنگ وغیرہ رکھا ہوا ہے۔ میلہ پھاگن کے مہینہ میں ہوتا ہے۔

داودپنتھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ مارواڑ اور اجمیر میں بالخصوص ان کی بہت تعداد ہے۔ گرہست اور ورکت دونوں ان کے معتقد ہیں۔ ان کے چیلوں میں بہت بڑی تعداد ناگا سادھوؤں کی ہے۔ جو برہنہ مادرزاد رہتے ہیں۔ اور جے پور ریاست میں ان کی ایک علیحدہ پلٹن ہے۔ جو دس ہزار کے قریب ہوگی۔

جس طرح ریاست ریوان کے شاہی خاندان کے لوگ کبیر صاحب کو اپنا اشٹ سمجھتے مانتے ہیں ویسے ہی جے پور میں داودصاحب کی نسبت خیال ہے پہلے ریوان کا راج گھرانا کبیر پنتھی تھا۔ اب املی سنمرداؤں میں شریک ہوگیا مگر کبیر صاحب کی عزت ان کے یہاں ویسی ہی کی جاتی ہے۔ اور باندھوگڈھ کے قلعہ میں جو خود کبیر صاحب نے اس کو بخشا تھا۔ ان کی پرستش کا ارکان ادا کیا جاتا ہے۔ جے پور کا شاہی خاندان اب داودپنتھی نہیں معلوم ہوتا۔ مگر عزت ویسے ہی کی

جاتی ہے۔ اسی طرح پرنامی پنتھ کے آچاریہ پران ناتھ جی کا پتا لگا۔ ست میں مان ہے ۔

دادو صاحب کو ابھیاس کا شوق بہت تھا۔ سرت شبد یوگ کے شغل کو ان کی ذاتی مثال سے بہت بڑی تقویت ملی۔ اور سادھارن انہوں نے بہت عرصہ تک دلیش کو نہیں چھوڑا۔ تاہم دور دور سے لوگ غرض کے سبب ان کے حضور میں چلے آتے تھے اور پرمارتھ کا اپدیش حاصل کرتے تھے۔ بات چیت کرنے کا ڈھنگ نرالا تھا۔ بچوں کی طرح گفتگو ہوتی تھی۔ ظاہری نمائش کا ذرا بھی خیال نہیں تھا۔ یہاں تک کہ جنہوں نے دادو صاحب کا صرف نام سن رکھا تھا جب دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ اُن کی سادگی پر عش عش کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے جب دادو صاحب کا تذکرہ ملک میں عام طور سے پھیل گیا۔ بنارس سے دو عالم پنڈت لوگ ودیا سیکھنے کے لئے راجپوتانہ میں آئے جب دادو صاحب کے ست سنگ کے قریب پہنچے۔ ایک برہمنیت فقیر کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس کی ظاہری شکل کچھ اچھی نہیں تھی سمجھے بدشگونی ہوئی۔ اور ہنسی مذاق کے طور پر اس کے سر پر دو ٹھونگا لگا کر کہنے لگے۔ دادو صاحب کا استھان کہاں ہے۔ فقیر نے ہنس کر سامنے ہاتھوں سے استھان کا پتہ بتا کر اپنے جنگل کی طرف چلا گیا۔ پنڈت وہاں پہنچے۔ مگر دادو صاحب موجود نہیں تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ وہاں آگئے۔ سارے لوگ اُن کی تعظیم میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پنڈت لوگوں کی حالت کچھ نہ پوچھو۔ وہ شرم سے پانی پانی ہوگئے۔ کیونکہ وہ برہمنیت فقیر دادو صاحب تھے جن سے انہوں نے مذاق کیا تھا۔ بہ خوف سے کانپنے لگے۔ چہرہ شرم سے پیلا پڑ گیا۔ مگر دیکھئے۔ سب سے پہلے دادو صاحب انہی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے۔ کیا ہرج ہے آدمی ہانڈی کی خرید کرتے وقت اس کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیتا ہے کہ کہیں ٹوٹی تو نہیں ہے۔ اگر تم نے مجھ کو ٹھونک بجا

شبد ۳

دادو دیکھا میں پیارا ۔ اگم جو پنتھ نہارا

اشٹ کنول دل سرت شبد میں روپ رنگ سے نیارا ۔ پنڈ برہمانڈ اور ویدیں بے ۔ پانچ تتو کے پارا
ست لوک جہاں پرش بدیہی وہ صاحب کرتارا ۔ آدی جوت اگم نرنجن ان کا وہاں نہ پسارا
رام رحیم رب نہیں آتم محمد نہیں اوتارا ۔ سب سنتن کے چرن سیس دھر جنہیں یہ سار اُچارا

اس طرح کے شبد انیک سے انیک ہیں ۔ نمونہ کے طور پر اتنا ہی کافی ہے
دوہے کبیر صاحب کے ساکھی سے زیادہ مشابہ ہیں ۔ چند دوہے اس جگہ درج
کئے جاتے ہیں ؛

دوہے

سائیں ست سنتوش دے بھگتی ہری وشواس ۔ سہج سیوری سمادھی دے مانگے دادو داس
رام بمکھ یگ یگ دکھی لکھ چوراسی جیو ۔ جنم مرن سب جھنکس رکھیو راکھن ہارا پیو
کوئی نہیں کرتار بن ۔ پران ادھارن ہار ۔ سکل دکھی ہے رام بن ۔ دادو یہ سنسار
راکھن ہارا ایک تو ۔ مارن ہار انیک ۔ دادو کو دوجا نہیں ۔ تو ہی آپے دیکھ
انترجامی ایک تم سب جگ کے آدھار ۔ جو تم چھانڈو ہاتھ سے ۔ کون سنبھارن ہار
دادو پیاسا پریم کا ۔ صاحب رام پیلائے ۔ پرگٹ پیالا دیہو بھری ۔ مرتک جیہو جیائے
صاحب سوں مل کھیلتے ہوتا پریم سنیہہ ۔ دادو پریم سنیہہ بن ۔ کھری دوہیلی دیہہ

دادو رہن کبیر کی ۔ کٹھن وشم یہ چال
اُدھر ایک دن مل رہا ۔ جہاں نہ جھپے کال

رام تمہارے نام بن جو مکھ نکسے اور ۔ اس اپرادھی جیو کو تین لوک کت ٹھور
اونچا ہے کم نام ہے ۔ تیو ملا جن ان نہ جائے ۔ دادو کیتے بچی ہوئے ۔ گرگر بہت اوپائے

دکھ دریا سنسار ہے۔ سکھ کا رہ گر رام - سکھ ساگر چل جاہیے - دادو نجے کام

دادو صاحب کے دوہے کئی ہزار ہیں - اور وہ اب چھپ گئے ہیں - ان کی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنسکرت زبان کے بھی اچھے خاصے عالم تھے +

دادو صاحب کے شاگردوں میں رجب جی بہت مشہور ہوئے ہیں جنہوں نے ان کے گپت ہونے کے بعد گورو کے خیالات کا وسعت کے ساتھ پرچار کیا - اور ان کو بیکانیر - پنجاب وغیرہ میں پہنچایا +

اس سلسلہ کے سادھو بہت ہوئے ہیں - ان میں سے ایک سوامی نشچل داس جی ہیں جو دہلی کے قریب گذرے ہیں - ان کی مشہور کتاب وچار ساگر ہندی میں بہت ہر دلعزیز ہے یہ ویدانت کا گرنتھ ہے - اسی طرح ایک صاحب سندر داس جی گذرے ہیں جنہوں نے سندر ولاس وغیرہ بہت سے گرنتھ ہندی بھاشا میں لکھے ہیں +

فصل پہلی

گورو نانک صاحب

کبیر صاحب کے شاگرد تمام ملک میں پھیل گئے - سرت گوپال جی بنارس کے اضلاع میں دھرم داس کی اولاد ممالک متوسط میں - جگو داس جی

کٹک میں - جگ جیون صاحب اودھ میں - ٹکسالی صاحب برودہ میں - لعل بھی دراجپوتانہ میں - گیانی صاحب دہار میں - غرضیکہ اسی طرح ان کے تمام شاگردوں نے ہندوستان کے کل حصوں میں منتشر ہو کر پرچار کرنے لگے اس وقت ان کے فرقوں کے نام طرح طرح کے تھے - مثلاً بنس کبیری انس کبیری - دان کبیری - مگر یلا کبیری وغیرہ وغیرہ انہیں میں سے کوئی کوئی سادھو پنجاب دلیس میں بھرمن کرنے لگے اور اس کو کبیر صاحب کے اپدیش صدا سے گونج دیا - اس کا نتیجہ گورو نانک صاحب کا روحانی خاندان ہے جن کے جانشینوں نے ایک قسم کے قومی مذہب کی بنیاد ڈالی اور سارے پنجاب میں سنت مت کا شر یلا ناد بجایا - کبیر صاحب کی تعلیم عالمگیر تھی - اس میں ہندو مسلمان کی تمیز نہیں کی جاتی تھی - یہی حال نانک صاحب کے اپدیشوں کا بھی تھا - دراصل کبیر صاحب و گورو نانک صاحب کے طریق میں کوئی بھی فرق نہیں ہے +

نانک صاحب ویدی کھتری تھے - باپ کا نام کالو اور ماتا کا ترپتا تھا ان کے ایک بہن بھی تھی جو نانکی کہلاتی تھی - نانک صاحب ابتدائے عمر ہی سے فقیرانہ طبیعت سے گرویدہ تھے - قدرتی طور پر ذہین - طبیعدار اور عالی دماغ تھے - یہ سمت ۱۵۲۶ میں لاہور کے ضلع میں پرگٹ ہوئے باپ چاہتا تھا کہ اس کی طرح گرہستی کا کام کریں - مگر مالک نے کسی بہتر کام کے لئے نمونہ کر کے بھیجا تھا - پہلے کاشتکاری کے کام میں لگائے گئے مگر جب فصل کا وقت آیا اور دانہ پکنے لگا - پرندوں کے جھنڈ چار طرف سے جھکے - رکھوالی کون کرتا - آپ خوش ہو کر گانے لگے +

رام کی چڑیا رام کا کھیت - کھا لو چڑیو بھر بھر پیٹ
کھیت اُجڑ گیا - کالو ناراض ہوا - سمجھا - لڑکا کھیتی کے کام کے لائق

نہیں ہے۔ تجارت کا شوق دلایا۔ کچھ دینے پیسہ بیوپار کیلئے دیئے مگر روحانی بیوپاری
نے ایک جگہ سادھوؤں کی منڈلی دیکھی۔ شردھا کے ساتھ چالیس روپیہ
سب کے سب بھینٹ کر دئے اور اُن سے پرمارتھ کا سودا مول لے لیا
گمان غالب ہے کہ یہ سادھو کبیر پنتھی تھے۔ کیونکہ اُس وقت کبیر صاحب
ہی کا اُپدیش مسلسل بن کے سارے ملک کو سیراب کر رہا تھا۔ سودا
کر کے گھر واپس آ گئے۔ باپ سے شرمندہ ہو کر روپوش ہو گئے۔ لوگوں
نے پوچھا۔ کیا کمائی کر لائے۔ آپ بولے ؎

مال دنیا تن پرستاں را حلال ۔۔ ما غلام مذہب عشق لازوال
اے خنک جانے کہ بہر عشق جاں ۔۔ بذل کردہ خانمان ملک و مال
کرد ویراں خانہ بہر گنج زر ۔۔ بعد ازاں گنجش کند معمور تر

کالو کو خبر ملی۔ مار دھاڑ کی نوبت پہنچی۔ دنیا کے آیندہ روحانی معلم نے سب
کچھ برداشت کر لیا۔ پریم کے مارگ میں اس طرح کے دکھ ہوتے ہی ہیں۔
مگر جاننے والے جان گئے۔ کہ یہ مادر زاد فقیر ہے۔ رائے بلار نے کالو کو خسارہ
کا مال اپنے پاس سے ادا کر دیا ؎

پھر کچھ عرصہ کے بعد اُن کو نواب لودی خاں کے مودی کا ملازم مقرر
کیا گیا۔ وہاں بھی خیرات کا سلسلہ جاری تھا۔ شکایتیں ہوئیں۔ حساب
کتاب کے سمجھوتے کی نوبت آئی۔ مگر مالک کی موج! ایک پیسہ کی کمی
نہیں نکلی ؎

ہاتھ جس کے سر پہ مالک نے دھرا
دور ہے ہر وقت سب اُس کی بلا

اُنیس برس کی عمر میں شادی ہوئی۔ سری چند اور لکھمی داس دو لڑکے
پیدا ہوئے۔ جن میں سے سری چند اُداسی فقیروں کے پنتھ کا موجد ہوا

ہے۔ لکھمی داس کی دیدی اولاد پنجاب میں بکثرت ہے ✤

مگر بار علائق کا دام اس سچے آزاد پرش کو باندھ نہ سکا۔ روز بروز تصوف کا گہرا رنگ چڑھتا گیا۔ آخر رشتہ کو توڑ کر۔ دنیا سے منہ موڑ کر مالک سے تعلق پیدا کر لیا۔ اور ایک مسلمان مرید مردانہ کو ساتھ لے کر آوارہ گردی میں رہنے لگے۔ کبھی ویرانخانہ میں تن تنہا بیٹھ کر ریاضت کرتے تھے۔ کبھی مرگھٹ میں جا کر یاد الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔ ✤

عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو۔ عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو
عقل کے مدرسے سے اٹھ عشق کے میکدہ میں آ۔ جام شراب زندگی اب تو پیا جو ہو سو ہو

ایمن آباد میں کنکروں کی فرش پر یک لخت کئی برس سخت ریاضت کی۔ اب اس کو روڑی صاحب کہتے ہیں ✤

جب ابھیاس سے فارغ ہوئے۔ تمام ملک کا دورہ کیا۔ اور ہزاروں آدمیوں کو اپدیش دیکر مالک کا بھگت بنا دیا۔ ایک شخص راجہ شیونا تھ ان کا معتقد ہو گیا اس کو سرت شبد یوگ سکھایا۔ اس نے پوچھا۔ آپ پرانایام کیوں نہیں سکھاتے یہ بولے۔ کلی یگ میں اتنی عمر نہیں۔ دوسرے اس کے سنجم کٹھن ہیں۔ تیسرے اس سے صرف نفس کشی کی غرض ہے۔ سرت شبد یوگ سہل۔ سریع التاثیر اور جلد روحانیت کا پھل لانے والا ہے ✤

جب سیر و سیاحت سے فارغ ہوئے۔ کرتار پور میں آ کر رہے۔ اور عام ست سنگ جاری کیا۔ ان کی زندگی کو ایک مورخ نے تین لفظوں میں محدود کر دیا ہے یعنی بھگتی۔ برتن و براگ۔ سروے گیان ✤

کچھ عرصہ تک اس طرح کام کرتے کبیر صاحب کی طرح گپت ہو گئے۔ مگر اپنے پیچھے بہت بڑا سلسلہ پرمارتھ کا چھوڑ گئے۔ جو آج تک قائم ہے ✤

شلوک

گورودیو ماتا - گورودیو پتا - گورودیو سوامی پرمیشورا
گورودیو سکھا - اگیان بھجن - گورودیو بندھو سہودرا
گورودیو داتا - ہری نام اپدیشے - گورودیو منتر نرودھرا
گورودیو شانتی سنت بدھی مورتی - گورودیو پارس پرم پرا
گورودیو تیرتھ امرت سرور - گورو گیان منجن اپرم پرا
گورودیو کرتا سبھی پاپ ہرتا - گورودیو پتت پوِت کرا
گورودیو آدی جگادی جگ جگ گورودیو منتر ہری جپ اودھرا
گورودیو سنگت پربھو میل کری کرپا ہم موڑھ پاپی جت لگی ترا
گورودیو ستگور پربرہم پرمیشور - گورودیو نانک ہری نمسکرا
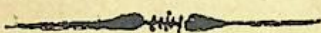
دوسری فصل

گورو انگد جی

گورو انگد جی سمت ۱۵۶۱ میں پیدا ہوئے - اور سمت ۱۵۸۸ میں گورو نانک صاحب کے شاگرد ہوئے - اور شاگرد ہی کیوں؟ خود اُن کی ذات پاک تھے - روح ایک تھی قالب جدا جدا تھے یہ حد ورجے کے مرشد پرست اور گورو بھگت ہوئے ہیں ۞

ان کا باپ دیوی کا اُپاسک تھا - خاندانی رسم کے موافق یہ بھی ویشنو دیوی کے درشنوں کو جایا کرتے تھے - راہ میں کسی کی زبانی سُن لیا کہ دنیا میں گورو نانک صاحب کا ظہور ہوا ہے - فقیری سنتی باپ دادا سے میراث میں ملی تھی - پا پیادہ روانہ ہوئے - جب دربار میں آئے دیکھا کہ جس نے نانک صاحب

کے پرگٹ ہونے کی خبر دی تھی وہ آپ گورو نانک تھا ؂

کیا کوئی اس کا بھید سناوے ۔ آپ کہے تب کہن بن آوے
آپ بنا گورو آپ لکھایا ۔ سچ مارگ کا بھید بتایا
کیا کوئی جانے اُس کی مہما ۔ بھرمی جیو بھرم میں بھرما
بھرم پھانس وہ آپ چھوڑاوے ۔ اور چھوٹن کی جگت بتاوے
ڈھونڈتے ہو گورو ہاتھ نہ آیا ۔ آپ ہی ملا ۔ آپ پرگٹایا

انگد جی خوش ہو گئے ۔ اور پروانہ کی طرح اُن پر تصدق ہونے لگے ۔ دونوں ہی متلاشی تھے ۔ اور ان کا وصال خوشی اور مسرت کا نظارہ تھا ؂

جوتی جلی پتنگا آیا ۔ جوتی آپ ہی کھینچ بلایا
کرن دھار پر کر اسواری ۔ کھیلیا دیکھ حکمت ہتکاری

انگد جی نے بہت سے سوال کئے ۔ دل میں پرمارتھ کا امنگ تھا ۔ نانک صاحب نے سوال سنے ۔ سب کا ایک جواب دیا ۔ اور ایک ہی سوال نے اُن کی تشفی کر دی ۔ ان کے کلام کا لب لباب یہ ہے ؂

ایک ہی ایک ایک کو دھیاؤ ۔ ایک ہی ایک ایک کو گاؤ
ایک ہی نامی ایک ہی نام ۔ ایک نام سے سیجے کام
ایک اشٹ ارو ایک ہی دیوا ۔ ایک گورو کی کر نو سیوا
گورو سمان داتا نہیں کوئی ۔ گورو سے بڑھ کر کوئی نہ ہوئی

تیر نشانہ پر لگا ۔ ان کی طبیعت یکسو ہو گئی ۔ اور اُس دن سے وہ دربار میں رہنے لگے ۔ اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ۔ مگر یہ وہاں ہی رہے اور جم کر رہے +

سبھی ٹیک ہے تاہی کی ۔ جا کو گورو کی ٹیک
سنشے بھرم سب میٹ کے ۔ ہوا ایک سے ایک

دن بھر خدمت کرنے سنت سنگ کے بچن سنتے ۔ آدھی رات کے وقت

نہاد ہو کر انتری سادھن کا ابھیاس کرتے۔ اور صبح ہوتے ہی خوش الحانی سے گورو بانی کا پاٹ کرتے۔ ان کے سرل سوبھاؤ۔ اور شردھا بھگتی کو دیکھ کر ہزاروں آدمی خود بخود کھنچے اور اس ذریعہ سے وہ نانک صاحب کی شاگردی میں آئے یہ خود ہی سب کے شکوک اپنی باتوں سے مٹا دیتے تھے۔ لنگر خانہ کے منتظم بھی آپ ہی تھے۔ اور بڑے شوق سے غریبوں کو کھانا تقسیم کرتے تھے ٭

ان کی عشق بھگتی کی بہت سی روایتیں لوگوں کو معلوم ہیں۔ ایک دن جب نانک صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ چھت سے چوہا گرا اور مر گیا۔ گورو جی نے صاحبزادوں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ لوگ اوں کو بلانے لگے۔ تب انگد جی کو اشارہ ہوا۔ انہوں نے اُن کو اٹھا کر پھینکدیا ٭

سیوک گورو کا کیوں ہوا۔ سیوا میں درڑھ نا ہیہ
سیوا سیوک نا کرے۔ تاکہ جو اسی جانیہ

دوسرے موقعہ پر پیالہ کیچڑ میں گر پڑا۔ صاحبزادوں نے حکم پا کر نہیں اٹھایا۔ پر انگد جی خود کیچڑ میں چلے گئے۔ لت پت ہو گئے۔ سب ہنسنے لگے مگر انہوں نے اپنی دھوتی سے صاف کر کے اُس کو پیش کیا ٭

سیوا کیجے سادھ کی چھوڑ موہ ابھمان
رنچک سوچ نہ کیجئے۔ تجئے جان اربھمان

تیسرے موقعہ پر دریا کے سیر کے وقت ایک مُردہ بہا جاتا تھا۔ نانک نے صاحبزادوں اور شاگردوں سے کہا۔ کہ اگر میں حکم دوں تو کیا تم اس کو کھاؤ گے سب نے انکار کیا۔ آخر انگد جی کی باری آئی۔ انہوں نے ہاتھ باندھ کر کہا میں سیوک ہوں جو حکم ہو بجا لاؤں۔ حکم پا کر وہ دریا میں کود پڑے اتفاق کی بات وہ حلوا تھا جو بہا آ رہا تھا۔ یہ کھاتے ہوئے آئے اور باقی نانک صاحب کے حکم سے سب کو تقسیم کیا گیا

سادھ بچن شردھا ریئے۔ تجئے سکل وکار

اگیا کاری سیوکا ۔ اترے بھوجل پار

چوتھے موقع پر نانک صاحب نے اپنی حالت مجذوبوں کی سی بنائی گالیاں دینے لگے۔ سب دکھی ہو کر بھاگ گئے۔ مگر انگد جی نے کبھی ساتھ نہیں چھوڑا اور وہ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے سیوا کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے گورو کے منظور نظر بن گئے۔

سیوک سیوا میں رہے ۔ انت کہوں نہیں جائے
دکھ سکھ سر اوپر سہے ۔ کہیں کبیر سمجھائے

جب نانک صاحب کے گپت ہونے کا سمے آیا۔ سری چند سے پوچھا تو کیا چاہتا ہے۔ انہوں نے ایشور کی بھگتی مانگی۔ نانک صاحب نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ پھر لکشمی داس سے پوچھا۔ اس نے ردھی سدھی اور اولاد مانگی نانک بولے بہت خوب۔ تیری کامنا پوری ہوگی۔ آخر میں انگد جی سے سوال کیا۔ بولے۔ حضور کے قدم کی سیوا چاہتا ہوں۔ نانک صاحب کے آنکھوں سے پریم کے آنسو جاری ہوئے فرمایا تیرا انترا کلیاں ہوگا۔ گلے سے لگا کر سب کے سامنے ان کو اپنی گدی دی اور اپنا جانشین مقرر کیا۔

سیوک سوامی ایک مت جو منت میں منت مل جائے
چتورائی ریجھین نہیں ۔ ریجھین من کے بھائے

دل مکن از فکر با طاہا سیاہ ۔ از خدا غیر از خدا چیزے مخواہ

نانک صاحب کے بعد یہ گورو ہوئے۔ چونکہ بہت پاک دھرماتما تھے چڑھاوا کثرت سے آنے لگا۔ سب کا سب لنگر خانہ میں صرف ہوتا۔ کیا مجال ایک پیسہ۔ ان کے خرچ میں آتا۔ ان کی بیوی سوبھرائی جی ایک سوکھی روٹی ہلکی سی پکا کر دیتی تھیں۔ وہی دن میں ایک دفعہ کھاتے تھے۔ یہ خدمت اپنی بیوی کے سپرد کر رکھی تھی۔

ان کے زمانہ میں معتقدوں کی تعداد بہت بڑھی۔ شیر شاہ سور سے گھبرا کر ہمایوں ان سے ملنے آیا۔ یہ دھیان میں تھے۔ مخاطب نہیں ہوئے بادشاہ نے غصہ سے تلوار کھینچ لی۔ اتنے میں ان کی آنکھ کھل گئی۔ سنئے حضرت سلامت! شیر کے مقابلہ میں یہ تلوار کہاں چلی گئی تھی۔ جواب ایک غریب صلح حلیم پسند فقیر پر وار کرنے کے لیئے نکلی ہے۔ ہمایوں نادم ہوا۔ معافی مانگی اور دعا کی درخواست کی۔ یہ بولے۔ جا متحانات کے بعد تجھ کو پھر راج ملے گا۔ انہوں نے بارہ برس ست سنگ کرایا۔ آخر کو کھنڈور میں گپت ہو گئے

تیسری فصل

گوروامرداس صاحب

گوروامرداس جی سمت ۱۵۳۶ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ رسمی مذہب سے زیادہ تعلق تھا۔ اکتیس مرتبہ ہردوار کی یاترا کی تھی۔ باسٹھ برس کی عمر تک کسی کو گورو نہیں کیا تھا۔ ایک مرتبہ ہردوار جا رہے تھے۔ کسی برہمچاری نے خیرات مانگی۔ جب یہ دینے لگے اس نے پوچھا تم کس کے چیلے ہو۔ انہوں نے کہا کسی کے نہیں۔ تب وہ بولا۔ میں تمہاری خیرات نہ لونگا۔ ان کو رنج ہوا۔ تیرتھ لوٹے۔ اس فکر میں رہنے لگے۔ کہ زندگی کے ایّام قلیل ہیں گورو کر لینا چاہیئے اتفاق وقت ان کے بھتیجے کو انگدجی کی لڑکی بیاہی تھی۔ جب سب ابھی سوتے رہتے۔ یہ نہا دھو کر نانک صاحب کے بانی کا پاٹھ کرتی۔ امرداس جی نے دو چار دن سنا۔ نہ رہا گیا۔ ایک دن پوچھا۔ تو کس کے بھجن

گاتی رہتی ہے۔ وہ بولی یہ شبد نانک دیو جی کے ہیں۔ جن کی گدی پر میرے باپ ہیں
امرداس جی نے انگد جی سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا اور لڑکی کے ساتھ
ست سنگ میں آئے۔ سمدھی تھے عزت کی گئی۔ مگر جب ست سنگ میں شریک
ہوئے ان کے بچن سنتے ہی دل چور چور ہو گیا۔ دیر تک روتے رہے۔ بےخود ہو کر پروانہ
کی طرح ان کا طواف کیا۔ اور سچے دل سے سیوک ہوئے۔ بوڑھے تھے۔ مگر سیوا میں جوانوں
کے کان کاٹتے تھے۔

اُن کا معمول تھا۔ آدھی رات کو اُٹھ کر تین کوس کے فاصلہ سے بیاس ندی کا
پانی انگد جی کے نہانے کے لئے بھر لایا کرتے تھے۔ پاس ادب کا یہ حال تھا
کہ پیٹھ نہیں پھیرتے تھے۔ اُلٹے پاؤں جاتے اور سیدھے پاؤں آتے۔ بارہ برس
تک یک لخت یہ خدمت انجام دی۔ جب عمر بہتر برس کی گذری ایک دن بارش
برستے وقت رات کو گھڑا بھرنے گئے۔ دریا زوروں پر تھا کسی طرح گھڑا بھر کر لائے
مگر جب ست سنگ کے قریب پہنچے۔ پاؤں لڑکھڑایا۔ دھکا کے آواز ہوئی گر
کو تو گر پڑے مگر گھڑے کو سنبھال رکھا۔ کیونکہ گورو کی خدمت کی چیز تھی۔ پاس
ہی ایک جولاہا رہتا تھا۔ اپنی عورت سے پوچھا۔ اندھیری رات میں کون گرا
ہے۔ اس نے کہا امرو بیچارہ ہوگا۔ اس دکھیا غریب کے سوا اور کون پانی
رات کو جائے۔ یہ بات گورو انگد جی نے سن پائی کیونکہ وہ جاگ رہے تھے۔
پانی آیا۔ انگد جی نے سنان کیا۔ بھجن میں بیٹھے اور لوٹ رہے۔ امرداس جی
بھجن کرنے میں مصروف ہو گئے۔ صبح دربار کے وقت انگد جی نے جولاہے کو بلا بھیجا وہ ڈر
سے کانپتے ہوئے آیا۔ پوچھا کیا رات کو دھکا کے آواز سن کر تو نے کیا کہا تھا۔
بولی کر پا سنگر اچھا ہے پھانسی دیدو۔ میں نے اپنے شوہر کے سوال کرنے
پر کہا تھا کہ امرو بیچارہ گرا ہوگا۔ اس دکھیا غریب کے سوا اور کس کو غرض
ہے کہ رات میں جھم جھم پانی برستے وقت باہر جائے۔

ابھی چولا منی کی زبان بند نہیں ہوئی تھی کہ امرداس جی بھی آ گئے۔ گورو انگد صاحب تخت پر سے اُٹھے۔ پریم کے آنسو بہاتے ہوئے اُن کو بغل سے لگایا اور فرمانے لگے۔ کون کہتا ہے امر بیچارہ غریب دکھیا ہے۔ یہ گورو امرداس ہے اناتھوں کا رکشک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس کی عزت سب سے زیادہ ہے۔ یہ کہہ کر اُن کو اپنی گدی پر بٹھایا۔ گورو پدوی دی اور آپ گپت ہو گئے۔

صاحب کا سیوک بنا ۔ راجوں کا مہاراج
تا کی گنتی منی کو لکھے ۔ وہ سب کا سرتاج
دکھیا سب سنسار ہے ۔ سکھیا سنت داس
سکھ دکھ ایک سمان ہے ۔ بپت نہ آوے پاس
سیوک سمرتھ گورو کا ۔ کبھوں نہ ہوئے اکاج
میری تو ہے سائیاں ۔ سدا ہے تم کو لاج

امرداس جی گورو ہوئے۔ سنت مت کا پرچار زور شور سے ہوا۔ ۶۲ برس کی عمر میں چیلے ہوئے۔ بارہ برس تک گورو کی سیوا کی۔ ۲۲ برس تک اپدیش دیا اور ۹۶ برس کی عمر میں چولہ چھوڑا۔ گوبند وال میں سمادھ ہے۔ اکبر بادشاہ اُن کا بہت معتقد تھا۔

پانچویں فصل

پنجاب میں باقی سنت مت کے چھوٹے پرچارک

نانک صاحب کے خاندان میں گورو رام داس صاحب تک اصلی اصول

برستار ہا۔ ان کے بعد میرا نمبر اپنا آگیا۔ اور جیسا کہ گورو امرداس صاحب نے فرمایا تھا۔ دقتیں اور مصیبتیں سر پڑنے لگیں اور مخالفت اور مزاحمت کے سلسلہ میں رفتہ رفتہ اس کی شکل اس طرح کی بنتی گئی۔ جیسا کہ سکھ یا خالصہ مذہب ہے۔ یہ گورو بڑے نیک۔ تپسوی نفس کش اور ویراگی تھے۔ ان سب کے شجرہ کی صورت یوں ہے:۔

۱۔ گورو نانک صاحب

۲۔ گورو انگد جی

۳۔ گورو امر داس جی

۴۔ گورو رامداس جی

۵۔ گورو ارجن دیو

۶۔ گورو ہرگوبند جی

۷۔ گورو ہر رائے جی

۸۔ گورو ہرکشن جی

۹۔ گورو تیغ بہادر جی

۱۰۔ گورو گوبند سنگھ جی

گورو ارجن صاحب سمت ۱۶۳۰ میں پیدا ہوئے تھے۔ جب گورو ارجن دیو نابالغ تھے ایک دن کھیلتے ہوئے خود باپ کی گدی پر بیٹھے۔ گو یہ بڑے لڑکے نہیں تھے اس واقعہ نے ان کی نسبت آئندہ گورو ہونے کا اعلان کر دیا۔ وہ گورو بھگت تھے اور سچے پریمی تھے۔ ایک مرتبہ باپ کے قدموں سے جدا ہونے پر جو خط لکھا تھا۔ اس کی ایک چوپائی یوں ہے:۔

میرا من لوچے گورو درشن تائیں۔ باپ کرے چاترک کی نائیں

ان کے ساتھ مزاحمت بہت کی گئی۔ مگر یہ اپنے کام میں مصروف رہے۔ آدی

گرنتھ نامی کتاب کی ترتیب انہوں ہی نے کی جس میں گورو صاحبان کے بانی کے ساتھ کبیر صاحب نام دیو۔ ریداس جی۔ سدن۔ پیپا جی۔ ساین۔ ترلوچن بینی۔ دھنا۔ رامانند جی اور فرید جی وغیرہ کے کلام بھی شامل ہیں۔

گورو ارجن دیو کی زندگی مصیبت کی زندگی ہے۔ جو بدذات چندولال دیوان کی وجہ سے تینتالیسویں سال میں دریا راوی میں ختم ہوئی۔ جہاں ان کی فرضی سمادھ ہے۔

گورو ہرگوبند صاحب۔ ان کے بعد گورو ہرگوبند صاحب جانشین ہوئے یہ سمت ۱۶۵۲ میں پیدا ہوئے تھے۔ جب گورو ہوئے زمانہ کی حالت دیکھ کر سپاہیانہ وضع اختیار کی۔ شاہی دربار میں ان کے خلاف سرگوشیاں ہونے لگیں۔ آخر کو جہانگیر نے گوالیر کے قلعہ میں چودہ برس تک قید کر رکھا۔ آخر میاں میر صاحب ایک صوفی فقیر کی سفارش پر آزادی کا پروانہ بھیجا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ بابا فقیر کو کون قید کر سکتا ہے۔ وہ جب انسانی قالب کے قید میں آتا ہے تب اس کا مقصد دوسروں کے مکتی دلانے سے ہوتا ہے۔ اگر قلعہ کے سارے قیدی میرے ساتھ رہا ہوں تو میں قلعہ سے نکلونگا۔ ورنہ ساری زندگی اس میں گذارونگا۔ آخر جہانگیر نے حکم دیا۔ کہ جو لوگ ہرگوبند جی کا دامن پکڑ کر آئیں سب کے سب رہا کر دئے جائیں۔ آپ نے کئی تھان کا جامہ بنوا کر پہنا اور سارے قیدی جو ہزاروں کی تعداد میں تھے رہا ہو گئے۔

سمت ۱۷۰۱ میں ان کی موت ہوئی۔ بہت سے شاگرد پروانہ کیطرح انکے چتا میں کود کر جل گئے جس سے ثابت ہے کہ ان میں خاص قسم کا پریم تھا۔

گورو ہررائے صاحب۔ یہ سمت ۱۶۸۶ میں پیدا ہوئے۔ مزاج کے بڑے سلیم تھے۔ مگر دھرم کے معاملہ میں اصول کی پابندی سختی کے ساتھ کرتے

تھے۔ ان کا ایک لڑکا رام رائے نے گورو بانی کی تاویل اورنگزیب کے دربار میں اس کے خوش کرنے کے ارادہ سے غلط کی ان کو خبر ملی۔ نہ تو اس کو جیتے جی اپنے پاس آنے دیا۔ نہ بیٹا جانشین قرار دیا۔ بلکہ اپنے چھوٹے پانچ برس کے صاحبزادہ گورو ہرکشن جی کو مرتے وقت گورو مقرر کر گئے سمت ۱۷۱۹ بکرمی میں یہ گپت ہو گئے۔

گورو ہرکشن صاحب۔ سمت ۱۷۱۳ میں پیدا ہوئے اور سمت ۱۷۲۳ میں پرلوک کو سدھارے۔

گورو تیغ بہادر صاحب سمت ۱۶۷۸ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سارے ہندوستان میں دھرم کا پرچار کیا۔ بہار۔ بنگال۔ آسام سب جگہ دورہ کر کے ہزاروں آدمیوں کو چیتایا۔

جب پنجاب میں آئے۔ کثیر تعداد میں آدمی ان کے ساتھ ہوئے اورنگزیب کا زمانہ تھا۔ اس کو خوف ہوا۔ ان کو دربار میں بلا کر مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ مگر یہ کب قبول کرنے والے تھے۔ آخر قید ہوئے اور بیرحمی کے ساتھ مارے گئے۔ قید خانہ کی دیوار پر آپ نے چند دوہے لکھے تھے جو خاص طور پر مؤثر تھے۔

چنتا تاکی کیجیئے جو ان ہونی ہوئے
یہ مارگ سنسار کو نانک تھر نہیں کوئے

جو اپجے سو بنسے آج مرو کی کال
نانک ہرگن گائیے چھوڑ سکل جنجال

چیت چرن کا آسرا چیت چرن کنول سنگ جوڑیئے
من لوچے برائیاں۔ شبد ماہیں چیت جوڑیئے

بانہہ جنہاں دی پکڑیئے سر دیجیے بانہہ نہ چھوڑیئے

گورو تیغ بہادر بولیا۔ دھڑ دیجے۔ دھرم نہ چھوڑیے

گورو گوبند سنگھ صاحب سمت ۱۷۲۳ میں پیدا ہوئے یہ بڑے شان کے بزرگ تھے۔ انکی مخالفت بادشاہ وقت نے بڑی طرح سے کی تھی انہوں نے اسکا تلوار کے ساتھ مقابلہ کیا۔ چار لڑکے دھرم کے بیدی پر بلدان ہوئے۔ جن کی کہانی نہایت دردناک ہے۔ آپنے خالصہ پنتھ کی بنیاد ڈالی۔ دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ ظلم کی جڑ کاٹ دی آخر کار آپ بھی شہید ہو گئے۔

گوروگوبند سنگھ صاحب بڑے اولوالعزم تھے۔ گیانی تھے مصنف وشاعر بھی کمال درجے کے تھے۔ ایک موقع پر جب جے پور کے قریب دادو پنتھی سادھوؤں سے ملے وہ دادو صاحب کا یہ دوہا پڑھ رہے تھے:

دادو دھوئے دور کر زر دھوئے دن کا رلی
کیتنے سودا کر گئے پنساری کی ہاٹ

آپنے فرمایا نہیں یوں پڑھو:

دادو دھوئے آدمی کا زر دھوئے کیسا
دل کی درمت دور کر سودا کر ایسا

سادھو بولے:

اپجے بنسے گن دھرے یہ مایا کا روپ
دادو دیکھت تھر نہیں چھن چھایا چھن دھوپ

آپنے فرمایا:

مایا من کی کلپنا تاسوں کچھو نہ ہوئے
دادو آتم سروپ سے مل کر درمت کھوئے

شبد (منتخب)

گورو نانک صاحب کی بانی

گورو سیوے سو ٹھاکر جانے - دکھ مٹے سچ شبد پچھانے
رام جپھو میری سکھی سکھینی - ستگور سیو دیکھو پربھو نینی
بندھن مات پتا سنسار - بندھن سُت کنیا اور نار
بندھن کرم دھرم ہوں کیا - بندھن پُتر کلتر من بیا ہی
بندھن سودا ان وچاری - ترپت ناہیں مایا موہ پسار
نانک رام نام سرنا ئی - ستگور راکھے بندھ نہ پائی
(منقول از گرنتھ صاحب)

گورو امر داس جی کی بانی

گورو تے گیان پائے جن کوئی - گورو تے بوجھے سیجھے سوئی
گورو تے سہج - سانچ وچار - گورو تے پائے مُکتی دوار
مل ساچے پریتم - گن گاواں - نانک ساچے سانچ سماواں
(از گورو گرنتھ صاحب)

گورو ارجن صاحب کی بانی

اگم روپ کا من ہیں کھانا - گورو پرساد کِن درلے جانا
انحد بانی - بان نرالا - تا کی دھنی موہے گوپالا
ہر کھو انت سوگ نہیں کیا - سوگھر گورو نانک کو دیا
(از گورو گرنتھ صاحب)

گورو تیغ بہادر صاحب کی بانی

سادھو من کا مان تیاگو[1]
کام کرودھ سنگت درجن کی - تا تے - اھی نس بھاگو
سکھ دکھ دونوں سم کر جانو - اور مان اپمان

[1] راتدن

ہر کو سوگ نہ رہے اننتا - تن جگ تتو پچھانا
(۱۲) استتی نندا دواو نیاگو - کھوجو پد نربانا
جن نانک یہ کھیل کٹھن ہے - کن ہو گورو مکھ جانا
(از گورو گرنتھ صاحب)

پنجاب کے دیگر مت پرچارک

اُداسی - ان کا سلسلہ شری چند سے ہے - جو گورو نانک صاحب کے لڑکے تھے - بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دھرم چند نانک صاحب کے پوتے نے اداسیوں کا فرقہ قائم کیا - پنجاب میں انکی خاص عزت کی جاتی ہے یہ فقیر ہوتے ہیں - شادی بیاہ نہیں کرتے - اصول وہی ہیں جو نانک صاحب کے ہیں - انکے اکھاڑے ہندوستان میں بالخصوص بہت ہیں - الہ آباد و بنارس میں اُداسیوں کا گروہ دولتمند بھی بہت ہیں - یہ کبیر صاحب اور نانک صاحب کے بھجن بہت گاتے ہیں -

گنج بخشی - یہ بھی ایک طرح کے سکھ فقیر ہیں - مگر ان کی تعداد اب بہت ہی کم ہے -

رام رائی - رام رائے گورو ہر رائے کے لڑکے نے یہ فرقہ قائم کیا - اورنگ زیب ان کا سرپرست تھا - ڈیرہ دون میں ان کو جاگیر دی گو باپ نے ان کو گورو ائی سے محروم کر دیا - مگر رام رائی کمزور ہوا نہیں

گوگورو مانتے ہیں اور ہرکشن صاحب کے معتقد نہیں ہیں - یہ فرقہ بھی اب نظر نہیں آتا اگر اس کے سادہو کہیں ہیں بھی تو خال خال -

سونتھر اسائیں - یہ فقیر اب بھی جا بجا ملتے ہیں. طبیعت کے اوباش ہوتے ہیں - آوارہ گردی سے تعلق رہتا ہے - دو لکڑیاں بجا بجا کر بھیک مانگتے ہیں . مذاق پسند ہوتے ہیں - یہ اپنے آپکو گورو تیغ بہادر صاحب کے چیلے مانتے ہیں -

گوبند سنگہی - یہ فقیروں کا وہ گروہ ہے جو سر سے پاؤں تک مسلح رہتا ہے - کیس دھاری ہوتے ہیں - اور تلوار کی پوجا کرتے ہیں اور دسویں بادشاہ کے گرنتھ صاحب کو پڑھتے رہتے ہیں - جو گوبند سنگھ کی التصنیف ہے - امرتسر لاہور میں اس طرح کے سادہو اکثر ملتے ہیں ان کے مزاج میں اکڑ ہوتی ہے - کسی سے دبتے نہیں - یہانتک کہ مرنے مارنے کا مطلق خوف نہیں رہتا -

نرملے - یہ بھی ایک طرح کے اداسی سادہو ہیں - ان میں سے زیادہ تر آدمی اب ویدانت کے شائق ہیں - بنارس میں خاص طور پر نظر آتے ہیں - یہ کوکا پنتھی وغیرہ بھی سنت مت کے انویائی کہے جا سکتے ہیں -

گو کسی وقت یہ سنت مت کے پرچارک رہے ہوں - مگر ان میں سے اب کوئی بھی سرت شبد یوگ کا ابھیاس نہیں جانتا - قریب قریب سب ظاہر پرست ہو گئے - اور یونہی زندگی بسر کرتے ہیں -

چھٹواں باب

جمد فقتلف دہاتماں کی بانی اور چرتر

پہلی فصل

نام دیو

(۱) نام دیو ذات کے چھیپی تھے - انکو بھی سرت شبد یوگ کا پرچارک مانا جاتا ہے - گو ان کے زندگی کے واقعات ان کو عام ہندوؤں کے عقاید کا معتقد ثابت کرتے ہیں - چاہے کچھ بھی ہو اس سے ہم کو بحث نہیں ہے - ممکن ہے بہت سی باتوں میں لوگوں کا اتفاق نہ ہو تاہم اصول کے لحاظ سے اتفاق اور یگانگت ہو سکتی ہے -

شبد ۱

(۱) ایک انیک بیاپک پورن - جت دیکھوں تت سوئی
مایا چتر وچتر بموہت - برلا بوجھے کوئی -
(۲) سب گوبند ہے سب گوبند ہے - گوبند بن نہیں کوئی
سوت ایک منی سہس پرو ئے - اوت پروت پربھو سوئی
(۳) جل ترنگ اور پھین بدبدا - جل سے بھن نہ ہوئی
یہ پرپنچ پربرہم کی لیلا - وچرت آن نہ ہوئی
(۴) متھیا بھرم اور سوپن منورتھ - ست پدارتھ جانے
سوکرتی منسا گورو اپدیسا - جاگت ہی من مانے
(۵) کہت نام دیو ہری کی رچنا - دیکھو ہردے بچاری
گھٹ گھٹ انتر سرب نرنتر - کیول ایک مراری

شبد ۲

بید پوران شاستر انتا - کیت کیت نہ گاؤ گے
اکھنڈ منڈل نرا کار ہی - انحد بین بجاؤ گے
ویراگی رام ہی گاؤ گے - (ٹیک)
شبد اتیت انا حد راتا - آکل کے گھر جاؤ گے

(۱) ایڑا۔ پنگلا۔ اور سکھمنا۔ پونے بندر ہا وگے
چند رسورج۔ دو سم کرا کھو۔ برہمہ جوت مل جاؤگے
(۲) تیرتھ دیکھ نہ جل ہی بیٹھو۔ جیو۔ جنتو نہ ستاؤگے
اٹھ سٹھ تیرتھ گورو دکھائے۔ گھٹ ہی تیرتھ نہاؤگے
(۳) پنچ سہائی جن کی سیوا۔ بھلے بھلے نہ کھاؤگے
نا ما کہے چیت ہری راکھو۔ سن سمادھ سماؤگے

شبد ۴۴

(۱) جو گورو دیو۔ تو ملے مراری۔ جو گورو دیو تو اُترے پاری
جو گورو دیو تو بیکنٹھ ترے۔ جو گورو دیو جیوت مرے
(۲) ست ست ست ست گورو دیو۔ جھوٹ جھوٹ جھوٹ جھوٹ سب سیو
جو گورو دیو تو نام دوڑھاوے۔ جو گورو دیو۔ نہ دھ دس جاوے
جو گورو دیو۔ پنچ تے دُور۔ جو گورو دیو۔ نہ مربو جھور
(۳) جو گورو دیو۔ امرت بانی۔ جو گورو دیو نہ ارتھ کہانی
جو گورو دیو۔ نہ امرت دیہہ۔ جو گورو دیو۔ نام جپی لیہو
(۴) جو گورو دیو بھون ترے سو جھے۔ جو گورو دیو اونچ پد بُوجھے
جو گورو دیو۔ تو سیس اکاسی۔ جو گورو دیو سدا سابا سی
(۵) جو گورو دیو سدا بیراگی۔ جو گورو دیو۔ پرنند اتیاگی
جو گورو دیو بُرا بھلا ایک۔ جو گورو دیو للاٹ ہی لیکھ
(۶) جو گورو دیو تو سنشا ٹوٹے۔ جو گورو دیو۔ تو جم سے چھُوٹے
جو گورو دیو تو بھو جل ترے۔ جو گورو دیو۔ تو جنم نہ مرے
(۷) جو گورو دیو۔ اٹھ سٹھ بیوہار۔ جو گورو دیو اٹھارہ بہار
بن گورو دیو۔ اور نہیں جائی۔ نام دیو گورو کی سرنائی

دوسری فصل

پیپا جی

پیپا جی قوم کے راجپوت۔ راما نند جی کے چیلے اور کبیر صاحب کے گورو بھائی تھے۔ پرم بھگت ہوئے ہیں۔ گورو کے پیارے تھے۔ ان کی بانی بھی بہت میٹھی ہوتی ہے۔

شبد

(۱) کایا دیوا کایا دیول ۔ کایا جنگم جاتی
کایا دھوپ دیپ نئی بیدا۔ کایا پوجو پاتی
(۲) کایا بہو کھنڈ کھو جتے ۔ نو ندھی پائی
نا کچھو آئبو نا کچھو جائبو ۔ رام کی دُھائی
(۳) جو برہمنڈے سو پنڈے ۔ جو کھوجے سو پاوے
پیپا پر نوے ۔ پرم تتو ہوئے ستگور ہوئے لکھاوے

تیسری فصل

ریداس جی

ریداس جی بھی کبیر صاحب کے گورو بھائی اور راما نند جی کے چیلے تھے۔ یہ ذات کے چمار تھے۔ مالک کے بڑے بھگت تھے۔ دل کے اتنے صاف تھے کہ ان کی ایک کہاوت آج تک چلی آتی ہے۔ من چنگا تو کٹھوتی میں گنگا۔ کٹھوتی لکڑی کا وہ برتن تھا جس میں یہ پانی بھر کر

جُوتا نامکا کرتے تھے۔ باپ کا نام رگھو۔ ماتا کا گھور بنیا تھا۔ کاشی جی میں پیدا ہوئے تھے۔

برہمنوں نے انکی بھگتی بھاو دیکھ کر بہت کچھ تکلیف دینا چاہا۔ مگر آخر میں کچھ پیش نہ گئی۔ بھگت مال میں انکی کتھا بہت آتی ہے۔

یہ کبیر صاحب کے بڑے پریمی تھے اور کہیں کہیں اپنی بانی میں ان کا ذکر کیا ہے۔

چتوڑ کی رانی جھالی ان کی چیلی تھی۔ اور میرا بائی کو بھی ریداس جی کے سلسلہ کے کسی بزرگ نے اپنا چیلا بنایا تھا۔

کہتے ہیں ان کے مزاج میں اس قدر انکساری تھی کہ مرتے وقت اپنی بانی کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ اور وہ شریر کے ساتھ جل گئی۔ شاگردوں کو کچھ شبد یاد تھے۔ وہ لکھ لے گئے۔ اور وہی جابجا سننے میں آتے ہیں سکھوں کے آدی گرنتھ صاحب میں ریداس جی کی بانی بہت آتی ہے یہ بھی ۱۲۰ برس کے ہوکر برہم پد کو پراپت ہوئے تھے۔

شبد ۱

پربھو جی سنگت شرن تمہاری

جگ جیون رام مراری

(۱) گلی گلی کو جل بہہ آیو۔ سرسری جائے سمایو — گنگا

سنگت کے پرتاب مہاتم۔ نام گنگودک پایو

پربھو جی سنگت شرن تمہاری

جگ جیون رام۔ رام مراری

(۲) سواتی بوند برسے پھنی اوپر سیس وشے ہوئے جائی

وہی بوند کی موتی پنجے ۔ سنگت کی ادھکائی
پربھو جی سنگت ۔ شرن تمہاری
جگ جیون ۔ رام مراری

(۳) تم چندن ہم ریند با پڑے ۔ نکٹ تمہارے باسا
سنگت سے پرتاپ تہا تم ۔ آوے باس سو باسا
پربھو جی سنگت شرن تمہاری
جگ جیون ۔ رام مراری

(۴) ذات بھی اوچھی کرم بھی اوچھا ۔ اوچھا کسب ہمارا
نیچے سے پربھو اونچ کیو ہے ۔ کہے ریداس چمارا
پربھو جی سنگت شرن تمہاری
جگ جیون ۔ رام مراری

ریداس جی کی ساکھی بھی بہت دلچسپ ہیں

چوتھی فصل

دھنّا جی جاٹ

دھنا جی بھی رامانند جی کے چیلے ۔ اور کبیر صاحب کے گورو بھائی تھے ۔ ان کے شبد صرف گورو گرنتھ صاحب میں ملتے ہیں ۔

(۱) رے چت چیتیں کی ۔ نہ دیال دمودر ۔ بھید نہ جانے کوئی
جو دوڑ دھارے ۔ برہمنڈ کھنڈ کری ۔ کرتا کرے سو ہوئی
(۲) جننی کیرے اودر ۔ اودک میں ۔ پنڈ کیا دس دوارا بیٹھے

دیئے اَدھار اگن مَنہ راکھے ۔ ایسا کھسم ہمارا ۔
(۳) کُنبھی جل ماھین تن دھارا ۔ پنکھہ کھیر تن ناھین
(آگ میں / مالک)

پورن پرماننددمنوہر ۔ سمجھ دیکھہ من ماھیں
(۴) پاکھن کیٹ ۔ گُپت ہوئے رہتا ۔ تا کومارگ ناھیں
کہے دھنا پورن تا ہی کو ۔ مت رہے جیا ڈراہی

پانچویں فصل

میرا بائی

(دہیپور)

میرا بائی کی پیدائش سمت ۱۵۵۵ و سمت ۱۵۶۰ کے درمیان ہوئی ہے یہ جو والے ٹھاکر رتن سنگھ کی اکلوتی لڑکی تھیں اور میرتا نامی گاؤں میں پیدا ہوئی تھیں ۔ ان کی شادی کہتے ہیں ۔ کنور بھوج راج کے ساتھ سمت ۱۵۷۳ میں ہوئی تھی ۔

ان کی بابت اتنے مختلف روایات ملک میں مشہور ہیں کہ جن پر مشکل سے اعتبار کیا جا سکتا ہے ۔ ہاں ایک بات مسلمہ ہے کہ یہ بڑے اعلیٰ پایہ کی بھگتنی ہوئی ہیں ۔ اور بھگت مال میں بھی ان کا ذکر آیا ہے ۔

ان کو بھگتی بھاو سے بڑا پریم تھا ۔ عقیدہ ریداس جی کے سلسلہ سے تھا ۔ کرشن گردھر گوپال جی کا اشٹ تھا ۔ راناکو یہ بات پسند نہیں تھی ۔ ان کو مجبور کیا جاتا تھا ۔ کہ وہ بھگتی بھاو کو چھوڑ دیں ۔ مگر سب بے سود تھا مارنے اور قتل کرنے کی کوشش کی گئی ۔ کسی کی ہمت نہیں پڑی ۔ کھاٹ پر سانپ چھوڑ گیا ۔ اس نے بھی نہیں ڈسا ۔ آخر رانا نے خود زہر کا پیالہ بھیجا اور کہلا

دیا۔ کہ یہ سادھوؤں کا چرنامرت ہے۔ میرا جی جانتی تھیں کہ زہر ہے مگر پی گئیں۔ اس کا بھی اثر کچھ نہیں ہوا۔

آخر کو خود ہی دھر جانے کی رائے دی گئی۔ اور یہ بندرابن میں آکر ٹھہریں۔ اور وہاں ہی مالک کی بھگتی میں محو رہیں۔

کہتے ہیں ان سے گوسوامی تلسی داس جی سے بھی پرمارتھی معاملہ میں خط و کتابت ہوئی تھی۔

جب یہ بندرابن میں آئیں۔ جیو نامی سادھو کے درشن کی خواہشمند ہوئیں۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم ستری کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے۔ میرابائی مسکرائیں۔ کہا ہم نے سنا تھا کہ برج میں صرف کرشن چندر پرش ہیں باقی سب گوپیاں ہیں۔ آج معلوم ہوا۔ اور بھی لوگ ان کے شریک ہیں۔ گوسائیں جی اس جواب کو سن کر شرمائے اور پھر ملاقات کی۔

ان کی بانی میں جو رس ہے وہ مشکل سے کسی اور شاعر کے کلام میں ملیگا زبان زبانی ہے اور وہ سوز و درد سے بھری ہوئی ہے۔ بھگتی بھاؤ کے اظہار میں اس سے بہتر شاذ ہی کسی نے کلام کہے ہیں۔ زبان میں زیادہ تر راجپوتانہ کے ہندی الفاظ آجاتے ہیں۔

شبد ۱

رانا جی میں گردھر کے گھر جاؤں

گردھر میرو سانچو پریتم ۔ دیکھت روپ لبھاؤں

رین پڑے تب ہی اٹھ جاؤں ۔ بھور بھئے اُٹھ آؤں

رین دِنا واکے سنگ کھیلوں ۔ جیوں ریجھے تیوں جھاؤں

جو پہنر اوے پہروں ۔ جو دے سوئی کھاؤں

میری ان کی پریت پرانی ۔ اُن بن پل نہ رہاؤں

جہاں بٹھائے تہاں ہیں بیٹھوں ۔ بیچے تو بک جاؤں
جن میرا گردہر کے اوپر ۔ بار بار بل جاؤں

شبد ۳

اب تو نبلاہے نہیگی ۔ بانہہ گہے کی لاج
سمرتھ سرن تمہاری سائیاں ۔ سرب سدھارن کاج
بھوساگر سنسار اپر بل ۔ جاہیں تم ہو جہاز
نردہارا آدھار جگت گورو ۔ تم بن ہوئے اکاج
جگ جگ بھار کری بھگتن کی ۔ دینی موکش سماج
میرا سرن گہی چرنن کی ۔ لاج راکھو مہراج

شبد ۴

راناجی ۔ میں تو سانورے رنگ راچی
ساج سنگار باندھ گھونگھٹ ۔ لوک لاج تج ناچی
گئی کومت لئی سادھ کی سنگت ۔ بھگت روپ بھئی سانچی
گائے گائے ہری کے گن نسدن ۔ کال بیال سوں باچی
ان بن سب جگ کھاری لاگت ۔ اور بات سب کانچی

یہ بہت بڑی مہاتما تھیں ۔ جنکے کلام کے سنتے ہی من میں پرماتما کی بھگتی کے ترنگ اٹھنے لگتے ہیں ۔ انہوں نے سرت شبد یوگ کی تعلیم ریداس جی کے گنہ اسے حاصل کی تھیں ۔ جن کی چیلی جھالی چتوڑ کی رانی بھی تھیں ۔

ساتواں باب

ملوک داس جی کا تذکرہ

ملوک داس جی کی بابت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گو وہ سنت شبد یوگ کے ابھیاسی تھے۔ ان کا سلسلہ کبیر صاحب سے نہیں ہے وہ براہ راست رامانند جی کے شاگردوں کے سلسلہ میں آئے ہیں اور ان کا شجرہ اس طرح قائم کیا جاتا ہے۔

۱ رامانند

۲ آسانند

۳ کرشن داس

۴ کیل
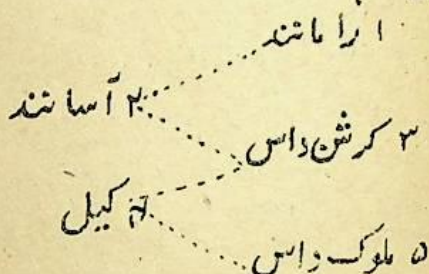
۵ ملوک داس

مگر ہمارا اپنا خیال اس کے خیال سے برعکس ہے۔ ہم اور کسی کی شہادت پر کیوں جائیں براہ راست کیوں نہ ملوک داس جی سے انکی اصلیت کا سوال کریں۔ ملوک داس جی خود اس طرح فرماتے ہیں۔

شبد (راگ سورٹھ)

میرا من لبس کیا صاحب کبیر

ایک سمے گورو بنسی بجائی کالندی کے تیر۔ سُر نر مُن ہسے چکت بھئے ہیں جکھہ جمنا جل نیر
ایک سمے گورو کاشی میں پرگٹے ایسے گن گنبھیر۔ تج کاشی مگہر کو آئے دونوں دین کے پیر
کوئی گاڑے کوئی اگن جراوے ایک دھر نہ دیہ۔ پار دل غ سے نیارے شنکو اچرا۔ اف شریر
جگن ناتھ کے مندر تھاپیو۔ سبھی کیو ساگر نیر۔ داس ملوک سلوک کہو ہے کھوجہو خصم کبیر

اس سے بہتر شہادت اور ہو سکتی ہے ممکن ہے ملوک داس جی کیل جی کے شاگرد رہے ہوں۔ اس سے اعتراض نہیں ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ

اپنی روحانی تشفی اور روحانی ترقی کی صورت کبیر صاحب کے سلسلہ کی شاگردی میں تلاش کی ہو۔

ملوک داس جی کو گذرے ہوئے قریب تین سو برس ہوئے وہ اکبر شاہ کے عہد میں تھے اور نابھاجی کے ہمعصر تھے۔ نابھاجی بھگت مال کے مصنف کوان کے کیل جی یا آسانند جی کے شاگرد ہونے میں شک ہے۔ اور وہ زیادہ تر ہمارے خیال کی تائید کی طرف رجوع ہیں۔ گو صاف صاف لفظوں میں اس کا اظہار نہیں کرتے۔

ملوک داس جی گرہستی تھے۔ جیسا سنت مت کے اکثر آچاریہ گرہستی ہوئے ہیں۔ مگر مزاج میں حد درجہ کی بے پروائی اور استغنا تھی۔ وہ فرماتے ہیں۔

اجگر کرے نہ چاکری۔ پنچھی کرے نہ کام
داس ملوک کہہ گئے۔ سب کے داتا رام

ان کی تعلیم کے اصول کبیر صاحب کے اصول سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ ملوک داس جی نے کئی ایک گرنتھ لکھے ہیں۔ جن میں داس رتن سب سے زیادہ مشہور ہے اور ان کے دوہے یعنی ساکھی بھی بہت ہیں۔

ان کے شاگردوں میں زیادہ تر نیچے درجہ کے لوگ شامل ہوئے اور ملوک داس جی بھی خود قوم کے بنیا تھے۔ ان کی پیدائش کڑا مانک پور ہے جو الہ آباد کے ضلع میں گنگا کے کنارے واقع ہے۔ اب بھی ان کی وہاں گدی موجود ہے۔ اس گدی پر ان کے بعد جو لوگ بیٹھے۔ ان کی تفصیل کچھ اس طرح کی ہے۔

۱۔ ملوک داس

۲۔ رام سنیہی

۳۔ کرشن سنیہی

۴۔ ٹھاکر داس

۵۔ گوپال داس

۶۔ کنج بہاری

۷۔ رام شاہ

۸۔ شیو پرشاد داس

۹۔ گنگا پرشاد۔ وغیرہ وغیرہ

اس طریق کے مٹھ بنارس۔ بندرابن۔ اجودھیا۔ الہ آباد۔ لکھنؤ۔ جگن ناتھ پوری وغیرہ میں ہیں۔ لکھنؤ کا مٹھ نواب آصف الدولہ کے زیر سرپرستی گوپتی داس جی نے تعمیر کرایا تھا۔ جو ملوک داسی سادھو تھے ؛

ملوک داس جی کی وفات جگن ناتھ پوری میں واقع ہوئی ہے۔ جہاں ایک مٹھ اس وقت بھی موجود ہے۔ راقم کو بھی اُس کے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ وہاں ملوک داس جی کا ٹکڑا تقسیم ہوتا ہے۔ اور جو لوگ جگن ناتھ جی کے درشن کو جاتے ہیں۔ اُن کے روٹی کا ٹکڑا لیکر شوق اور پریم کے ساتھ کھاتے ہیں +

ملوک داسی فقیر اور گرہست جب کبھی جگن ناتھ جی جاتے ہیں۔ تو ان کیلئے اس بات کی سخت تاکید ہے کہ وہ کبیر پنتھ کے مٹھ کی زیارت کریں۔ اور کبیر صاحب کا ترانی نوش فرماویں۔ جو چاول کی پیچ ہوتی ہے۔ اور تمام زیارت کرنے والوں کو تقسیم کی جاتی ہے +

ملوک داس جی کے متعلق لوگوں میں یہ روایت ہے کہ سمت ۱۵۷۴ میں پیدا ہوئے تھے۔ گو یہ صاحب تصنیف گذرے ہیں۔ مگر سوائے درسی سن کے کوئی

کتا بنہیں آئی انکے مت کی باقی کتابیں تو ہیں گیان دیپک۔ گیان سُکھ ندھان۔ اور ملوک چند جی کی
بھگتی پہلی دو کتابیں کبیر صاحب کے پنتھ سے متعلق ہیں۔ جس سے بھی پایا جاتا ہے کہ ملوک داس جی کا
کبیر صاحب کے سلسلہ سے گہرا سمبندھ ہے۔ وہ ان ہی کے شاگردوں میں سے ہونگے۔

آٹھواں باب فصل پہلی

چرن داس جی

چرن داس جی کا اصلی نام رنجیت سنگھ۔ اُن کے باپ کا مُرلی دھر اور
ماں کا کنجو تھا۔ یہ قوم کے دُوسر بنیا تھے۔ اِن کی پیدائش سمت ۱۷۶۰ بکرمی میں
بھادوں سُدی تیج بتائی جاتی ہے۔ یہ بزرگ لڑکپن ہی سے نیک اور دھرماتما
تھے۔ فقیروں سے بہت بڑا پریم تھا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی سادھو مہاتما گھر میں آ
جاتے تھے۔ تو یہ گھنٹوں اُس کے پاس بیٹھ کر خاموشی وسکوت کے ساتھ اُس
کی بات سُنا کرتے تھے۔ یہ معمول تھا کہ صبح کو کبھی کبھی جنگل کی طرف چلے جایا کرتے
تھے۔ راجپوتانہ میں اُن دِنوں لڑکوں کی پرورش ذرا سختی کے ساتھ ہوتی تھی۔ تاکہ
وہ جفاکش اور محنتی ہوں۔ یہ راجپوتانہ کے ڈھیرا نامی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے
گوذات کے بنیا تھے۔ مگر پھر بھی راجپوتی خُو بُو مزاج میں موجود تھی۔ یہ سر سے
کے سبب خودی اور آزادی پسند تھے۔ ایک دن یہ سات برس کی عمر میں جنگل میں
چلے گئے۔ اور واپس نہیں آئے۔ ان کے باپ نے تلاش کی۔ کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک
جگہ ان کے کپڑے رکھے ہوئے نظر آئے۔ یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کیوں
اُس وقت گھر سے بھاگ گئے۔ ممکن ہے ان کی فقیرانہ زندگی کی ابتدا ماں باپ
کو بُری معلوم ہوئی ہو اور ان کی بے پرواہی کی وضع دیکھ کر وہ ناہم برہم ہو گئے
ہوں۔ یہ برداشت نہ کر سکے ہوں۔ اور وہاں سے بھاگ کر جنگل میں کپڑے رکھ کر روپوش

ہو گئے ہوں۔ تاکہ لوگ اُن کو مُردہ سمجھ کر تلاش نہ کریں۔ اور پھر تکلیف نہ دیں۔ یہ باتیں محض خیالی ہیں کون جانے کیا سچ ہے کیا غلط ہے +

اِن کی ننسال دہلی میں تھی۔ جب یہ اس طرح روپوش ہو کر جنگل میں پھر رہے تھے۔ اِن کے نانا سے ملاقات ہوئی۔ وہ دہلی سے ڈیرہ کی طرف آ رہا تھا۔ اِن کو دیکھا ساتھ لے کر دہلی چلا آیا۔ اور وہ بارہ برس تک دہلی میں اپنے نانا کے ساتھ رہے۔ مگر طبیعت اُداس رہتی تھی۔ دِل کو کسی بات کی تلاش تھی۔ وہ ہاتھ نہیں آتی تھی +

وہ زمانہ واقعی نہایت جور و سختی کا زمانہ تھا۔ اورنگزیب کے ظلم کی داستان سب کو یاد ہیں۔ پھر طوائف الملوکی کا دور آیا۔ محمد شاہ رنگیلے کی زمانہ حکومت کا عہد شروع ہُوا۔ نادر شاہ قہر آلہی کی طرح دہلی میں آپہنچا۔ لوگوں پر تشدد و سختیاں شروع ہوئیں۔ لوگ زہر کھا کھا کر خودکشی کرنے لگے قتل عام ہو اور جب وہ واپس گیا اپنے پیچھے۔ قحط۔ وبا۔ اور طرح طرح کے جور و ستم کے سامان چھوڑ گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب جان و مال و آبرو کی حفاظت کا کہیں بھی سامان نہیں تھا۔ انگریز آ چکے تھے۔ مگر دہلی کے اردگرد ان کا کوئی بھی رسوخ نہیں تھا۔ اور سارا ملک الامان الامان پکار رہا تھا +

دُنیا میں مہاتماؤں کے پرگٹ ہونے کا یہی وقت ہوتا ہے۔ اور تُم تواریخ کے صفحے اُلٹ کر دیکھو۔ ہر جگہ اسی واقعہ کا اعادہ نظر آویگا چاہے وہ کسی قوم اور کسی مُلک کی تواریخ ہو +

چرنداس جی ایسے ہی نازک وقت میں پرگٹ ہوئے۔ جب وہ اُنیس برس کے ہوئے۔ ایک دن جنگل میں چلے گئے۔ دِل میں انوراگ اور پریم تھا۔ ویراگ نے عملی جامہ پہن رکھا تھا۔ تنہائی کی جگہ پاکر مالک کی ستتی گانے لگے۔ اور پھر پریم کے جذبات کے اُبھرنے پر زور سے ڈھاڑیں مار کر رونے

لگے ❖

تجھے پاؤں کہاں تو بتا دے ہیں تیرا ہم کو کہیں نشان ملا
نہ سُراغ بتایا کسی نے کبھی نہ مقام ملا نہ مکان ملا
نہیں گیانی کو دھیانی کو تیرا پتا نہیں جوگی جتی کو ہے تیری خبر
نہ کسی کو ملا تیرا درشن نہیں دھیان ملا نہیں گیان ملا
تیری ذات ہے کیسی تو کیا ہے بھلا تو فرشتہ ہے کہ جن ہے کہ دیو ملک
تیرا نام ہے کیا تیری وصف ہے کیا تیرا نام ملا نہ نشان ملا

روتے روتے ہچکیاں آنے لگیں طبیعت میں بیقراری آ گئی۔ اُسی وقت شنکر بوجی نامی سادھو کا اُدھر سے گذر ہوا ❖

برہ جلتی دیکھ کر سائیں آئے دھائے
پریم بوند سے چھڑک کر جلتی لئی بجھائے

پپیہا پی پی کر رہا تھا سوانتی کے بوند نے برس کر اُس کے پیاس کو بجھا دیا۔ اندھیرے سے پریشان ہو کر پروانہ بیقرار تھا۔ چراغ جلا اور اُس کا طواف کرنے لگا ❖

گورو اور چیلے سے بات چیت ہوئی۔ شنکر یو منی نے اُن کو سرت شبد یوگ ابھیاس بتایا۔ وہ گھر آئے شغل میں مصروف ہوئے۔ پھر ست سنگ جاری کیا۔ اور مالک کے پریمیوں کے اُدھار کا راستہ نکالا۔ یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ اور کئی زبردست آتماؤں نے اُس کو تقویت دی جن میں سہجو بائی۔ اور دیا بائی کا نام خاص طور پر بیان کرنے کے لائق ہے چرنداس جی یہ کام ۷۹ برس کی عمر تک برابر کرتے رہے۔ آخر سمت ۱۸۳۹ بکرمی میں دہلی ہی میں چولہ چھوڑا۔ اُن کی سمادھ وہاں اب تک موجود ہے ❖

انہوں نے دو ہیں ایک بانی کہی جو ہزاروں کی تعداد میں ہے زبان

ان کی سلیس اور عام فہم ہے۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں:۔ بھید ساگر دھرم جہاز۔ چرنداس جی نے گیتا اور بھاگوت پر بھاشیہ بھی لکھی ہے۔ جو ہندی میں بتایا جاتا ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا ؛

ساکھی

گوروهها۔ گوردسمان تیہولوک میں اور نہ دیکھیں کو سے
نام لئیے پاتک نسے دھیان کیئے بھرمی ہوئے
تم داتا ہم منگت شری سکھدیو دیال
بھگتی دئی۔ بیا وھا گئی میٹے جگ جنجال
ڈنڈو ہمر کے بالک تھے بھاگتی بنا کنگال
گرو سکھدیو کرپا کری ہری دھن کیو نہال
جب سے گورو کرپا بھئی درمن دیئے موسے
روم روم میں وہ رمے چرن داس نہیں کوسے

گورشبد

ستگور میرا سور ما کرے شبد کی چوٹ
مارے گولا پریم کا ڈھے بھرم کا کوٹ
میں مرگا گورو پاردھی شبد لگائے بان
چرنداس گھایل گرے تن من بیدھے پران
ستگور کے مارے مرے پھر نہیں اپجے آئے
چوراسی بندھن چھٹیں ہری پد پہنچے جائے

پریم

پریم برابر جوگ نہیں پریم برابر گیان
پریم بھگتی بن سادھوا سبھی تھوتھا دھیان
پریم چھوڑا دے جگت سے پریم ملا دے رام
پریم کرے گتی اور ہی لے پہنچے ہری دھام

گدگد بانی کنٹھ میں | آنسو ٹپکے نین
وہ تو برہن رام کی | تڑپت ہے دن رین
بھگتی۔ سادھن کی سیوا کرو | چرن داس چت لائے
جنم مرن بندھن کٹیں | جگت بیادھی چھوٹ جائے
کن پھونکا گورو کن پھونکا گورو جگت کا | رام ملاون اور
سو ستگورو کو جانئے | مُکتی دکھاون ٹھور
چیلا۔ ذات برن کُل آشرم | مان بڑائی کھوئے
جب ستگور کے پگ لگے | سانچا سکھ ہے سوئے

شبد ۱

انکھیاں گورو درشن کی پیاسی
یک ٹک لاگی پنتھ نہاروں | تن سے بھئی اُداسی (ٹیک)
(۱) رین دنا موہی چین نہیں ہے | چنتا ادھک ستاوے
تڑپت رہوں کلپنا بھاری | نشچل بُدھی نہیں آوے
(۲) تن گیو سوکھ ہوک اتی لاگی | ہردے پاوک باڑھی
چھن میں لیٹی چھن میں بیٹھی | گھر آنگن چھن ٹھاڑھی
(۳) بھیتر باہر سنگ سہیلی | باتن ہی سمجھاویں۔
چرنداس شکدیو پیارے | نینن نا درساویں

شبد ۲

تم صاحب کرتار ہو ہم بندے تیرے | روم روم گنہگار ہیں بخشو ہری میر
بدل دوار نے میل ہے سب گندم گندا | اُتم نیرو نام ہے لبھرے سو اندھا
گن تج کرا اگن کیو تم نے پہچانو | تم سے کیسے چھپائیے ہری گھٹ کی جانو
رحم کرو رحمان یہ داسی ہے تمہاری | بھگتی پدارتھ دیجیے آواگون نواری

گوروشکدیو - اُبارلو - اب مہر کریجے چرن داس غریب کو اپنا کر لیجے

شبد ۳

سادھو - ٹیک ہماری ایسی

کوئی جتن کر چھوٹے ناہیں کو اُو کرو اب کیسی

(۲) یہ پگ دھر و سنبھال اپنے ہوئے بول اُچکے سوئی بولے

گورو مارگ میں لین نہ دیتو اب اِت اُت نہیں ڈولے

(۳) جیسے سورستی اور ...وا آتا پکڑی ٹیک نہ ٹاڑیں

تن کر دھن کر کچھ نہیں مڑیں دھرم نہ اپنو ہاریں

(۴) پا:کہ جار جل میں بورو ٹوک ٹوک کر ڈارو

سادھ سنگت ہری بھگتی نہ چھوڑوں جیوں پران ہمارو

(۵) پیچ نہ دھاروں داغ نہ لاگے ٹیک نہ اُترے لاجا

چرن داس شکدیو دیا سے سب بدھی سُدھریں کاجا

شبد ۴

کرتے انحد دھیان کے - برہم رُوپ ہو جائے چرنداس یوں کہت ہیں - بادھا سب ہٹ جائے

گگن مدھیہ جو کنول ہے - باجت انحد تُور دل ہزار کو کمل ہے - پہنچے گورو مت سُور

گگن منڈل کے کمل میں - سگو رو دھیان نہار چرنداس شکدیو پرس کے - جیتے سکل بکار

شبد ۵

جہاں نہیں چند نہیں سور نہیں جہاں جگ مگ تارے

جہاں نہیں ترِدیو ترِگُن مایا نہیں لارے

جہاں بید نہیں بھید جہاں نہیں جوگ - جگیہ تپ

جہاں پون نہیں دھرن اگن نہیں جہاں گگن اکاش

جہاں رات نہیں دِوس ہے پاپ پُنیہ نہیں بیاپتی

آدی انت اور مدھیہ ہے۔　کہیں چرنداس برہمہ آپ ہی

فصل دُوسری

سہجو بائی

سہجو بائی جی چرنداس کی چیلی ہوئی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چرنداس جی کے بعد اِنہوں نے خود عرصہ تک اُن کے ست سنگ کو جاری رکھا اور بہت آدمیوں کو جتایا ✦

یہ بھی قوم کی دُھوسر بنیا تھیں۔ مقام پیدائش راجپوتانہ ہے۔ میوات ان کی جنم بھومی ہے ✦

انھوں نے کب تک ست سنگ کے سلسلہ کو جاری رکھا۔ اس کا پتہ کسی نوشتہ سے نہیں ملتا۔ مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ یہ مہاتما چرنداس جی کی [illegible] چیلی تھیں ✦

اِن کی بانی بڑی انوکھی ہے۔ اور وچار نے کے قابل ہے کہتے ہیں کہ سہجو بائی نے کئی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ مگر اب سوا سہج پرکاش کے جو چھپ گئی ہے۔ ان کی اور کوئی کتاب نہیں ملتی ✦

اِن کی کلام کے کچھ نمونے نیچے دیئے جاتے ہیں:-

شبد ۱

نینوں لکھ لینی　- سائیں تیرے حضور

آگے پیچھے دائیں بائیں　　سکل دِشا بھرپُور
جن کو گیان گورو کا ناہیں　　سو جانت ہیں دُور
جوگ جگیہ تیرتھ برت سادھین　　پاوت ناہی کور

سُورگ مرتیو پاتال زمیں ہیں سہجو سب کا مور

شبد ۲

بھیا ہری رس پی متوارا

آٹھ پہر جھُومت ہی بیتے ڈار دیا سب بھارا
ایڑا پنگلا اوپر پہنچے سُکھمن پاٹ اُگھارا
پیون لاگے سُدھا رس جب ہی درجُن پڑی پڈارا
گنگ جمن بیچ آسن مارو چمک چمک چمکارا
بھنور گپھائیں دوڑ ہوئے بیٹھے دیکھو ادھک اُجیارا
چت استھر چنچل من تھا کا پانچوں کا بل ھارا
چرن داس کرپا سے سہجو بھرم کرم ہوئے چھارا

ساکھی

(۱) نا سُکھ وِدّیا کے پڑھے نا سُکھ باد بواد
ساودھ سُکھی سہجو کہیں لاگی سُن سمادھ
(۲) دھنونتے دُکھئے سبھی نِردھن دُکھ کا روپ
ساودھ سُکھی سہجو کہیں - پایا بھید انوپ
(۳) چلنا ہے رہنا نہیں - چلنا بسوّا بیس
سہجو تنگ سوہاگ پر - کیوں گندھوائے سیس
(۴) جیسے سنڈاسی لوہ کی چھن پانی چھن آگ
تیسے سُکھ دُکھ جگت کے - سہجو تو تج بھاگ
(۵) سہجو جگ میں یُوں رہے - جیوں جبھیا مُکھ مانہہ
گھیو گھنا بھکشن کرے - تو بھی چکنی نانہہ

تیسری فصل

دیا بائی

یہ دیا بائی راجپوتانہ کے میوات علاقہ کے ڈیرہ گاؤں کے رہنے والی تھی قوم کی بنیائن تھیں۔ دھوسر جاتی ہے تھی۔ جس کا نام آج کل بھارگو مشہور ہے اور نہایت خوش اخلاق۔ دھرماتما اور بھگت تھی۔ بکرمی سمت ۱۷۵۰ سے لیکر ۱۷۷۵ تک اس نے ملک میں اپنے خیال کا پرچار کیا تھا۔ اور بیشمار عورتیں اور کچھ مردوں کی تعداد اس کی تعلیم سے فیضیاب ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی۔ مگر وہ زندگی بھی کاہلی یا سستی کی زندگی تھی۔ سرگرمی اور مصروفیت نے صرف نئی وضع اختیار کرلی تھی کیونکہ اس کے ساتھ اس وقت میں بھی بہت بڑا مجمع ستری پُرشوں کا ست سنگ میں شامل ہوکر برابر لابھ اُٹھاتا رہا۔ اور اُس نے بہت آدمیوں کو ایشور کی بھگتی کی طرف رجوع کیا۔ اسی زمانہ میں اُس نے ایک نایاب کتاب تصنیف کی۔ جس کا نام دیا بودھ رکھا گیا۔ اور وہ سمت ۱۸۱۸ بکرمی میں ختم ہوئی تھی ؛

یہ مبارک نفس دیوی سہجو بائی نامی مشہور بھگتنی اور شاعرہ کی گورو بہن تھی سہجو بائی اور دیا بائی کے کلام قریب قریب ایک طرح کے ہیں۔ مگر ان کے طرز بیان وطرز اظہار میں زبان کے لحاظ سے کچھ جزوی اختلاف ہے۔ یہ دونو دھوسر کل اُتپن پرم سادھ چرنداس جی کی چیلیاں تھیں۔ جن کے طریق کے معتقد دہلی میں اب بھی جابجا نظر آتے ہیں ؛

دیا بائی پہلے میوات دیش میں رہتی تھی۔ بعد ازاں گورو چرن داس جی کے ساتھ وہ دہلی چلی آئی۔ اور عمر کا باقی حصّہ دہلی میں صرف کیا۔ اور یہاں ہی آکر اُس نے اپنی زندگی کو ختم کیا ؛

علاوہ دیا بودھ کے یہ دیوی اور بھی کتابوں کی مصنف گذری ہے - جن کا پتہ نہیں - صرف ایک اور دوسری کتاب بہ پتے مالیکار اس کی یادگار اب تک باقی ہے - اس کی نسبت مختلف قسم کے خیالات ہیں - بعض صاحبوں کی رائے ہیں یہ کسی اور مصنف کی کتاب ہے، مگر یہ غلط معلوم ہوتا ہے - کیونکہ دونوں کتابوں کی زبان ایک سی ہے سطرز بیان بھی ایک سا ہے - اس اختلاف رائے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پچھلی کتاب میں اس نے بالعوض دیا کے کہیں کہیں اپنا شاعرانہ تخلص دیاداس بھی رکھا ہے - یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے - جس کی وجہ سے اختلاف ہوتا - کیونکہ اکثر سادھوی بھگتنیاں بھی اپنے نام کے ساتھ داس کا خطاب اضافہ کرتی ہیں - اور اس کا رواج آج تک تمام پنتھائیوں بلکہ سنپرداہیوں میں بھی موجود ہے ؛

اس کا نظم بہت سلیس ہے - زبان میں مٹھاس ہے - کلام پُرتاثیر ہے اور جو لوگ پڑھتے ہیں - اُن کا دل اثر سے خالی نہیں رہتا - ذیل میں ہم اس دیوی کے کچھ کلام نمونہ کے طور پر نذر ناظرین کرتے ہیں :-

گورو کی مہما (از دیا بودھ)

چوپائی

گورو بِن گیان دھیان نہیں ہووے ۔ گورو بِن چوراسی لکھ جووے

گورو بِن رام بھگتی نہیں جاگے ۔ گورو بِن اشبھ کرم نہیں تیاگے

گورو ہی دین دیال گوسائیں ۔ گورو شرنے جو کوئی جائی

پلٹیں کریں کاگ سے ہنسا ۔ من کے میٹیں سب ہی سنسا

دوہا

ستگورو برہم سروپ ہیں ۔ منش بھاومت جان

دیہہ بھاو مانے دیا ۔ سو نر پشو سمان

سمرن کی مہما

دوہا۔ جے جن ہری سُمرن بمکھ تاسوں نہیں بول
رام رُوپ میں جو پگے تاسوں نیتر کھول
رام نام کے لیت ہی پاتک ترہیں انیک
رے نر ہری کے نام کی راکھو ہردے ہیں ٹیک
رام کہو۔ پھر رام کہو رام نام گُن گاؤ
یہ تن بِلسیو جات ہے ناہیں اور اُپاؤ

سُور کی مہما

سُورا سوئی سراہیے بن تیر لڑت .لونڈ تیغ-سمان
لوک لاج کُل مان کو توڑ ہوت نر بندھ
سُورا سنمکھ سمر میں گھایل ہوت نِسنگ
یُوں سادھو سنسار میں جگ کے سہیں کلنک
کایر کانپے دیکھ کر سادھو کو سنگرام
سیس اُتارے بھوئیں دھرے جب پاوے نج ٹھام

پریم کی مہما

پریم پریت ات ہی بکل کل نہ پرت دن رین
سندر سیام سروپ بن دیا لگت نہیں چین
ہری رس ماتے جے رہت تن کی ممتا اگادھ
تربھون کی سمپت دیا ترن سم جانت سادھ
پریم مگن جو سادھ جن تن گتی کہی نہ جات
روئے روئے گاوت ہنست دیا اٹ پٹی بات
پنتھ پریم کو اتی کٹھن کوئی نہ جانت بیر

کیسے من جانت آپنو — کے لاگی جیہیں پیر
سووت جاگت ایک پل — کبھوں نہ بسرؤں توہ
کرونا ساگر دیا ندھی — ہری لیجے سُدھ موہ
رے من توں نکست نہیں — ہے تو بڑا کٹھور
سُندر سیام سروپ بن — کیوں جیوت نس بھور

ویراگ کی مہما

جیسی بات سمرٹے کی — تیسی یہ جگ ہوئے
دیا کنور یا جگت میں — نہیں رہیو تھر کوئے
تات ات تمہرے گئے — تم بھی بھئے تیار
آج کال میں تم چلے — دیا ہوو ہوشیار
ودوت اکھنڈ کرن گئے — ہر آیو دھن بلونت
مار لیو سب کال نے — ایسو دیا کہنت

سادھ کی مہما

جگت سنیہی جیو ہے — رام سنیہی سادھ
تن من دھن تج ہری بھجے — تاکا مَتا اگادھ
سادھو سادھو سب کوئی کہے — دُرلبھ سادھو سیو
جب سنگت ہوئے سادھ کی — تب پاوے سب بھید
سادھو سنگت سنسار میں — دُرلبھ منش سریر
ست سنگت سوں مِٹت ہے — ترہوو تاپ کی پیر
سادھو سوئی جانیے — جا کے ہِردے رام
ان بڑائی چھوڑ کر — نِرسنگ آٹھوں جام

اپنے سروپ کی مہما

چوپائی

گیان رُوپ کو بھیو پرکاسا　　بھیو اودیا تم کو ناسا
سُوجھ پریو نج رُوپ ابھید　　سہجے میٹو جیو کی کھید
جیو برہمہ انتر نہیں کوئے　　ایکے رُوپ سرب گھٹ ہوئے
بل روپ بیاپک سب ٹھائیں　　اردھ اُردھ مدھ رہت گوسائیں
نراکار نرگُن نراشی　　آدی نرنجن - اج - انباسی

دیا بودھ جس سے اُوپر کے کلام اخذ کئے گئے ہیں سمت ۱۸۱۸ میں ختم ہوئی تھی - اس کی نسبت دیا بائی خود فرماتی ہیں:-

سمت ٹھارہ سو سمے　　پُن ٹھارہ گئے بیت
چیت سودی تتھی ساتویں　　بھیو گرنتھ سُبھ ریت

دیا بائی کی بنی مالکا نامی کتاب بھی اس قسم کے اعلےٰ خیالات سے بھری پڑی ہے - اور لطف یہ ہے کہ اس میں بیان کے سلسلہ میں بہت سے بھگتوں کی زندگیوں کے حوالہ جات بھی آگئے ہیں - اس چھوٹی کتاب کی تعریف میں وہ خود اس طرح فرماتی ہیں:-

چار وید چھ شاستر ہیں　　ارو دس آٹھ پُوران
سب گرنتھن کو ساودھ کے　　کینھو بنے بکھان

آٹھواں باب

نابھا جی

نابھا جی - ہنومان نہیں ہیں تھے - ہمارے یہاں کے ڈوم اپنے آپ کو ہنومان

بنس ہیں کہتے ہیں۔ یہ قوم پُورب میں دھرکار بھی کہلاتی ہے۔ اور اُن کو کوئی
نہیں چھُوتا۔ جب آدمی مرجاتے ہیں یہ اِن کے جلانے کے لئے آگ دیا
کرتے ہیں۔ یہ ان کا کام ہے۔ ہری چندر راجہ اسی قوم کے ہاتھ بنارس میں
بکا تھا۔ بنارس میں یہ لوگ بڑے متمول ہیں +

مگر نابھاجی کے مورخ جس طرح اس ہنومان بنس کو معنی پہناتے ہیں
وہ بھی سُن لیجئے۔ (وہ) زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے اس طرح کہتے
ہیں۔ پرتیلنگ دیش میں گوداوری کے اُتر میں رام بھدر اچل ایک پربت ہے
وہاں رگھوناتھ جی نے ڈنڈک بن میں کچھ دنوں کے لئے قیام فرمایا تھا۔ بان
رام داس نامی براہمن مہاراشٹر ہنومان جی کا انش اوتار ہُوا تھا۔ اس کی چھوٹی سی
دُم بھی تھی۔ بڑا بھگت تھا۔ آریہ چھند میں پچاس ہزار شلوک رام چرتر کے مرہٹی
بھاشا میں تصنیف کیا تھا۔ نابھاجی اُسی بنس میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر مابعد زمانہ
کے واقعات و روایات جواب تک ہندوؤں میں مشہور ہیں زور کے ساتھ
اس کی تردید کرتے ہیں۔ جس کا ذکر میں آگے چل کر کرونگا +

نابھاجی اندھے تھے۔ مُلک میں قحط پڑا۔ اِن کا باپ بچپن کے زمانہ
میں بھیک مانگنے کے لئے نکلا تھا۔ راہ میں مرگیا۔ ماں نے بیدردی سے اُن کو
لاچار بچہ کو جنگل میں ڈال دیا۔ عمر زیادہ نہیں تھی۔ مگر یہ صاحب کمال شخص
کسی خاص مشن کے لئے قدرت کی طرف سے مامور ہوا تھا۔ بیکسی کی حالت میں
ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ مالک کو اس کی حفاظت اور سلامتی منظور تھی۔ کیلھ جی اور
اگرداس جی سادھوؤں کا اُدھر سے گذر ہُوا۔ اس کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔ تو کون
ہے؟ انہوں نے کہا۔ تم کیا پوچھتے ہو۔ اگر شریر کی نسبت تمہارا سوال ہے۔ تو
وہ [illegible] بھنگی ہے۔ آج ہے کل نہ ہوگا۔ پانچ تتوں کا بنا ہے۔ جب بگڑیگا تو
اپنے اپنے عنصروں میں جا ملینگے۔ اس کی نسبت میں کیا جواب دوں۔ اور اگر

آتما کی نسبت سوال ہے۔ تو اس کی ذات پانت نہیں ہے۔ نہ اس میں نام اور رُوپ ہے یہاں بھی تمہارے سوال کا جواب دیا جائے"۔ سادھو اس جواب کو سُن کر حیرت میں آ گئے۔ سمجھا۔ کوئی بہت بڑا سنسکاری جیو ہے۔ لوگوں سے اُس کی قومیت کا حال دریافت کیا معلوم ہوا یہ قوم کا ڈوم ہے۔ مگر یہ وشنو مہاتما تھے۔ رامانند اور کبیر کے تصوف کی لہریں مُلک ہر جگہ زور شور کے ساتھ پھیل رہی تھیں۔ یہ اِن کے زیر اثر تھے لڑکے کو اپنے ساتھ لیا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کے آنکھوں کے پپوٹے مِٹے ہوئے ہیں۔ اگر اِن کو شگاف دیا جائے تو کیا عجب یہ دیکھنے لگ جائے۔ آنکھ کھول دی گئی۔ آنکھوں میں گنگا پانی چھڑکا گیا۔ وہ دیکھنے لگے۔ اور آہستہ آہستہ قوت بصارت جو دبی پڑی ہوئی تھی۔ عود کر آئی۔ یہ اِن کو اپنے ساتھ لائے۔ اور قومیت کا خیال کر کے اُن کو گو چیلہ تو بنا لیا۔ مگر گلتاجی واقع امبر میں جو جے پور کے علاقہ میں ہے۔ مندر کے باہر جھاڑو دینے کا کام سپرد کیا۔ اور نارائن داس نام رکھا۔ اور وشنوؤں کے جھوٹے تیل کے بچی کھچی ہوئی خورش اُن کو کھانے کے لئے ملنے لگی۔ نابھاجی قسمت پر راضی ہو گئے۔ اور وہاں رہ کر فقیروں کی خدمت کرتے۔ جھاڑو لگاتے اور سنتوں کی سیوت پرشاد پر قانع ہو کر زندگی بسر کرتے۔ اس طرح اِن کو ست سنگ کا بھی موقع مل گیا۔ اور بھگتی کے سنسکار پیدا ہونے لگے ÷

ایک دن کا ذکر ہے۔ یہ مندر کے باہر جھاڑو دے رہے تھے۔ اگرداس جی چبوترہ پر بیٹھے ہوئے دھیان میں تھے۔ اِن کو یہ معلوم ہوا کہ اُن کے کسی شاگرد پر آفت آئی ہے۔ اور اس کی کشتی دریا میں ڈوب رہی ہے۔ اِن کو دل ہی دل میں دُکھ ہوا۔ اُسی وقت نابھاجی بول اُٹھے مہاراج! آپ ایشور کا دھیان کیجئے۔ کشتی بچ نکلی۔ ڈوبی نہیں۔ مالک خیر کی۔ اب اُس کے ڈوبنے کا خوف نہیں رہا۔ یہ سُن کر اگرداس کی آنکھیں

گئیں ÷

کوئی اس قسم کے واقعہ کو غلط نہ سمجھے جیسے خواب کی باتیں کبھی کبھی صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ ویسے ہی دھیان کے وقت بھی اکثر زندگی کے واقعات کا من پر صحیح عکس پڑ جاتا ہے۔ جو دل کے صاف ہیں۔ اور جن کے من کا آئینہ شدھ ہو گیا ہے۔ وہ اُن کا اچھی طرح انبھو کر سکتے ہیں۔ آتم ودیا کے جاننے والے اس کو بعید از قیاس نہیں جانتے۔ ایسے واقعات معمولی آدمیوں پر بھی گزرتے رہتے ہیں۔ مہاتماؤں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اور یہ دُنیا کے تمام قوموں میں عام ہیں۔ جو تصوف کی دولت سے محروم ہیں۔ وہ اِن کو غلط سمجھتے ہیں۔ مگر یہ ان کی عقلی و ذہنی طاقت کا قصور ہے۔ یوگی کی دیہ شکتی سب کوئی جانتا ہے۔ اور اس لئے اس پر زیادہ بحث کرنا فضول ہے +

اگر داس متحیر ہوئے۔ اور دل میں خوش ہو کر کہنے لگے۔ بیٹے! تیرے اندر کی آنکھ کھل گئی۔ جا۔ اب جھاڑو دینے کے کام سے تجھ کو آزاد کیا گیا۔ اور اس وقت سے عام فقیروں کی طرح اُن کے ساتھ سلوک ہونے لگا۔

رفتہ رفتہ نابھاجی کی حالت بدل گئی۔ تصوف کا رنگ اس قدر گہرا چڑھا کہ بیان سے باہر ہے۔ اور ہنومان بنس کا لڑکا اب عزت اور ستکار کا پار بن گیا +

ست سنگ میں مدتیں گذریں۔ نابھاجی کو بھگتوں کی کہانیاں سننے سنانے کا بڑا شوق تھا۔ چونکہ گلتاجی میں انہوں نے کچھ لکھ پڑھ لیا تھا۔ اور زمانہ کے سنپردا کی وجہ سے ذات پات کی جڑ کٹ گئی تھی۔ اور کبیر صاحب کے گھنگھور شبد کی صدائیں ہر جگہ گونج رہی تھیں۔ یہ بھجن وغیرہ بھی کہنے لگے اور جس وقت اپنے بھجن گانے لگتے ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ گورو نے یہ حالت دیکھی۔ خوش ہو کر کہنے لگے۔ نارائن! کیا اچھا ہوتا۔ اگر تم بھگتوں کے چرتر گا کر سناتے

نابھاجی بولے پربھو! بھگتوں کی مہما نارد اور شیش بھی بیان نہیں کر سکتے میری
کیا طاقت ہے۔ جو جرات کروں" گورو نے کہا "مالک تمہاری مدد کرے گا۔
اور تم اپنے دِویہ چکشو سے آکاش منڈل میں بھگتوں کے چرتر کے نقشہ دیکھ
سکو گے۔ جگت کے ادھار کے لئے سنسکار کے اُپکار لے لئے۔ اور بھگت
جنوں کی بھگتی بھاؤ کے اُتیجن کرنے کے لئے اس کام کو ہاتھ میں لو۔ تم سے
بہتر اور کوئی آدمی اس کام کے قابل نہیں نظر آتا" نابھاجی نے گورو کو نمسکار
کیا۔ اور یہ مشکل کام اپنے ذمے لیا۔

نابھاجی ہندی بھاشا کے عالم تھے۔ کبیر صاحب کے کلام بالخصوص اُن
کی زبان پر چڑھ رہے تھے۔ مگر جہاں کبیر صاحب کی زبان عام فہم اور دیہاتیوں
کی بولی میں تھی۔ ان کا کلام شستہ۔ پاکیزہ اور ذرا مشکل ہے۔ بہرحال اُنہوں نے
محنت شاقہ کرکے اس کو کہہ ہی لیا۔ کتاب بن کر تیار ہو گئی۔ اُنھوں نے گورو
گوردین کیا جس نے سنا تعریف کی۔ واہ واہ کی صدا بلند ہوئی۔ اور وہ کتاب بھگت مال کے نام سے مشہور ہوئی
جب کتاب تمام و کمال ختم ہو گئی۔ اس وقت نابھاجی اپنے گورو کے ساتھ
بسنادس میں آئے۔ وہاں جگہ جگہ بھگت مال کی کتھا سنائی گئی۔ جنھوں نے
سُنا عش عش کر گئے۔ پھر یہ صلاح ٹھہری کہ تمام ویشنو سادھوؤں کو اکٹھا
کرکے اُن سے اُس کے مکمل کرنے کی رائے لی جاتی۔ اس ارادہ سے سادھوؤں
کا بھنڈارا کیا گیا۔ اور سب کو نوید دے کر بلایا گیا۔ سب نے آنا منظور کر لیا۔ گو
سوامی تُلسی داس جی نوید کو پا کر بیٹھے۔ کہنے لگے ڈوم کے بھنڈارہ میں نہیں کیسے
جاؤں۔ یہ خبر نابھاجی کو ملی۔

بھنڈارا کا وقت آگیا۔ ویشنوؤں میں بالخصوص جو رامانند اور کبیر صاحب
کے متبعین میں تھے۔ ذات پات کا اتنا خیال نہیں کیا جاتا۔ جوق جوق سادھو
شریک ہونے کے لئے آئے۔ جب سوامی تلسی داس جی نے دیکھا کہ سب بھنڈارے

میں چلے جا رہے ہیں۔ اِن کو غیرت آئی سوچنے لگے بھگتی مارگ میں ذات کا ابھمان بُرا ہے۔ میں بڑا نالایق ہوں جو سخت کلامی کر کے نہیں گیا۔ حل میں شرمندہ ہوکر سب کے پیچھے یہ بھی پہنچے۔ سادھو سنگت میں بیٹھ چکے تھے۔ جگہ نہیں رہی تھی۔ یہ وہاں بیٹھے جہاں جوتے اُتارے گئے تھے۔ روٹی تو ہاتھ میں لے لی۔ دال کے لئے برتن یاد نہیں رہا تھا۔ نابھاجی کا جوتا پڑا تھا۔ اس میں دال لے لی۔ جب کھانے کا وقت آیا۔ اور سب نے لکشمی نارائن سے کہا کہ سوامی جی نے جوتے میں کھانا چاہا۔ کہتے ہیں دو لقمے کھا لئے ابھی تیسرا لقمہ مُنہ کی طرف جا ہی رہا تھا۔ کہ نابھاجی کی نگاہ پڑ گئی۔ ہاتھ پکڑ لیا۔ تلسی! تم دھنیہ ہو۔ بس ساری بھگتی تم کو ہی لینی نہیں چاہئے۔ اوروں کے لئے بھی کچھ چھوڑ دو۔ تلسی داس جی کی آنکھ سے آنسو جاری تھے سر نیچے تھا +

خیر بھنڈارا ہو گیا۔ بھگتوں نے بھگت مال کی کتھا سُنی کچھ کمی بیشی کی گئی۔ اور دیکھو نابھاجی نے تلسی داس کو اس مالا کا سُومیر بنا دیا۔ اور ان کے بھگتی بھاؤ کا یک دُنیا گا رہی ہے +

بھگت مال نابھاجی کی زندگی ہی میں مقبول عام ہو چکی تھی۔ سینکڑوں برس اس کا پرچار رہا۔ کروڑوں منشیہ اس کی برکت سے بھو ساگر تر گئے۔ اس زمانہ میں اِن کی شاعری کم آدمیوں کی سمجھ میں آتی ہے۔ اس حالت کو دیکھ کر سوامی پریا داس جی نے اس کی شرح لکھی۔ اس کی شرح بعد کو لالہ لعل جی داس کائستھ نے ۱۲۵۸ ہجری میں کی ترجمہ صاف اور واضح ہے۔ تیسرا ترجمہ لالہ کمانی لال صاحب کائستھ ساکن رہتک نے ۱۸۹۸ء میں ختم کیا۔ اور ایک صاحبوں نے بھی فارسی اور اُردو میں کچھ کچھ لکھا۔ آخری مرتبہ لالہ تلسی رام صاحب اگروال نے اس کو مکمل حالت میں ترتیب دی۔ اور عزت سے پڑھی جاتی ہے +

نابھاجی کی شاعری بڑی عمدہ اور شیریں ہے۔ بھگت مال کے چھپّے

گوسنے تو میں یہاں نہیں دیتا۔ اُن کی کتاب موجود ہے۔ لوگ خرید کر پڑھ لیں ان کے خیالات کے تصوف کی جھلک دکھانے کے لئے ایک شبد یہاں نقل کئے دیتا ہوں۔

ناہیں بہد۔ کیلا۔ کنول کیل مہ سہیلا

ویرہ نین سیتن من مانجا۔ تاجا آتاہ اکیلا
رتن ابہیر قدلی دل دیپہ دامنی جوت بہی ہوت اجیلا
انڈ اندھیارسما۔ نکہد سورت سُنی سُن مہیلا
چترد جے نگی چالے ڈیعالے گڑھ اوپر شبد سُرت بجیا میل
پر سب کیل اپنی امیلا مندرہ نبھر نو میلا
جل دہل دھارے ار پر جیسے نہیں گورو نہیں چیلا
ناہیں نین نہیں اندر کیسے کھل گئے نرکھ نہالا
سنت ادیشٹ دار من جھیلا درلبھ دین دو عقیلا

واہ واہ کیا نادر کلام ہے کیسی باریک بینی۔ نازک خیالی اور لطیفہ بیانی ہے۔ آدمی رات دن ایسے پاکیزہ کلام کو گایا کرے۔ اور من کبھی ترپت نہ ہو۔ ناہک جی سرت شبد یوگ کے ابھیاسی تھے۔ جیسا ان کے کلام سے ظاہر ہے۔ اور اوپر کے بچن میں بھی اُس کا اشارہ آیا ہے۔

نواں باب

غریب داس

سمت ۱۷۷۴ میں غریب داس جی کا جنم موضع چھوڑانی جھیل جھجر

ضلع رہتک میں ہوا۔ ذات کے جاٹ تھے۔ اور کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ آدمی بیحد سادے سے تھے۔ مگر ایماندار دیسے پرلے درجہ کے تھے۔ ایک دن گاؤں کے قریب بھینس چرا رہے تھے۔ کسی کبیر پنتھی سادھو سے ملاقات ہو گئی اُنہیں سے اُپدیش حاصل کیا۔ فقیروں کے طریق میں گورو اور مالک میں کوئی بھید نہیں مانا جاتا۔ وقت کے گورو ہی کو آدی گورو سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور وہی خیال معراج بن کر روح کی نگاہ کے سامنے رہتا ہے۔ اس لئے جو لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ غریب داس جی نے براہ راست کبیر صاحب ہی سے اُپدیش لیا تھا۔ ہم اُن کے عقیدہ کی تردید نہیں کرتے۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ وہ کسی کبیر پنتھی سادھو کے شاگرد تھے۔ جو آپ کبیر صاحب کا روپ تھا۔

اُپدیش پاکر یہ سُرت شبد یوگ کا ابھیاس کرنے لگے۔ مگر گرہستی نے کاروبار کو ترک نہیں کیا۔ دل با یار دوست بکار کے مقولہ کے عامل تھے۔ رفتہ رفتہ اندرونی آنکھ کھل گئی۔ گھٹ میں پرکاش ہوا۔ اور جاٹ قوم کا نادان اور اَن پڑھ لڑکا مہاتما ہو گیا۔ یہ بزرگوار چرن داس جی کے معاصر تھے۔ اور ان کی عمریں بھی دو ہی چار برس کا فرق ہوگا۔ لیکن روایتوں سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ آیا ان دونوں صاحبوں سے کبھی درس پرس بھی ہوا تھا یا نہیں۔ قیاس کہتا ہے۔ کہ یہ اپنے خیال میں اتنے مست تھے کہ گاؤں چھوڑ کر کہیں باہر نہیں گئے اور نہ دُنیاوی نمود و شہرت کے کبھی خواہشمند ہوئے۔

جب اندرونی اور روحانی جذبات کو حرکت پانے کا موقع ہاتھ آیا۔ اِنہوں نے اپنے گھر پر ست سنگ قایم کیا۔ جس میں سینکڑوں آدمی شریک ہوتے تھے۔ جو کہتے تھے انبھو کی کہتے تھے۔ ظاہری علم کی مدد سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اور نہ کسی گرنتھ یا کسی کے واک کا پرمان دیتے تھے۔ اپنی ہی کہتے اور اپنی ہی سنتے تھے۔ اور ان کا کلام لوگوں کے دلوں میں جادو کا اثر پیدا کرتا تھا۔

جس کے سبب سے شردھالو آدمیوں کی کثیر تعداد اِن کے شاگردوں کے زمرہ میں شامل ہو گئی ۔

کبیر صاحب کے بھجن گانے اور اُن کی ساکھی پڑھ کر سنانے کا دلی شوق رہتا تھا ۔ اس ابھیاس کی وجہ سے اُن کو خود کلام کہنے کی قدرت حاصل ہو گئی ۔ اور گرنتھ رچا ۔ جس میں کہا جاتا ہے ستر ہزار چوپائی اور دوہے ۔ اُن کے ہیں اور سات ہزار ساکھی کبیر صاحب کی شامل ہیں ۔ لالہ رام رکھا جی پڈہانہ کے رہنے والے جو میرے رسالہ سادھو کے مینیجر تھے مجھ کو دکھانے کے لئے اُن کی کتاب بیجو پریس کی چھپی ہوئی لائے تھے ۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس میں چوراسی ہزار چوپائی اور دوہے رہے ہونگے ۔ تاہم کتاب بہت ضخیم تھی ۔

پنجاب میں جا بجا اُن کے شاگرد کثرت سے نظر آتے ہیں ۔ کسی جگہ اُن کے ستھان بھی بنے ہوئے ہیں ۔ میرے پاس بھی ایسے سادھو آئے تھے جنہوں نے سنت مت کے اُصول کی نسبت بہت کچھ دریافت کیا تھا ۔ افسوس یہہ ہے کہ اب اُن سادھوؤں میں ایسے آدمی شاذ نکلتے ہیں ۔ جو فقیری رموز سے واقف کار یا سُرت شبد مارگ کا بھید جانتے ہیں ۔ زیادہ تر لوگ رسمی اور شرعی بن گئے ہیں اور گھوم پھر کر اپنی زندگی بسر کرتے رہتے ہیں ۔

غریب داس جی کی بابت بہت سے معجزے بیان کئے جاتے ہیں ۔ مگر چونکہ وہ اس قابل نہیں ہیں ۔ کہ یہاں داخل کئے جائیں ۔ اُن سے عذر کیا گیا ۔ بہت بڑا معجزہ اُن کی بھگتی اور اُن کی کتاب ہے جس اُن کے پوتر بھاو اور پاکانہ زندگی کا پتہ لگتا ہے ۔ اور جو لوگ غریب داس جی کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیں ۔ اُن کے لئے اس کتاب سے بہتر اور کوئی سامان نہیں کیونکہ ان کی زندگی کے حالات لوگوں کو کمتر معلوم ہیں ۔

ان کے بنس کے انیک موضع چھوڑانی میں موجود ہیں یہاں اُنکی یادگاریں بہت بڑا میلہ لگتا ہے

ہے ۔ اور شردھالو بھگت اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

غریب داس جی کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ اُن کے بعد اُن کے گورومکھ چیلے سلوت جی اُن کے جانشین ہوئے۔ ان کے زمانہ میں پرچار کا سلسلہ خوب جاری ہوا۔ پھر گدی اُن کے بنس میں منتقل ہو آئی۔ اور اب تک اُن کی اولاد کے لوگ مہنت ہوا کرتے ہیں۔ جس کے سبب سے پرچار کو کمزوری ہو گئی۔ اور اب وہ بات نہیں رہی۔ جو سلوت جی کے زمانہ میں تھی۔ یہ مہنت گرستی ہوتے ہیں۔ اور بالعموم سنت مت کے اصلی بھید سے غافل اور بے پرواہ ہیں کاش اگر وہ ابھیاسی ہوتے تو ملک کو اُن کی ذات سے بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا ◆

غریب داس جی نے سمت ۱۸۳۵ میں چولہ چھوڑا۔ اور اپنے پیچھے امر کیرتی کا نشان قایم کر گئے۔ جو اب تک کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے ◆

یہاں بطور مثال اُن کے چند شبد ساکھی داخل کئے جاتے ہیں۔ جن سے اُن کی رسائی اور اعلےٰ ذہانت کا پتہ لگیگا ◆

شبد ۱

من مگن بھیا جب لیا گاوے

(۱) گُن اندری جب دمن ہوئے تب بستو! مول کو پاوے
نرلکی کی اِچھیا چھوڑ۔ جگ میں بچرے۔ نردھو سے

(۲) اُلٹی سُلٹی نرت نرنتر۔ باہر سے بھیتر لاوے
ادھر سنگھاسن اوچل آسن۔ جہاں جہاں سُرتی ٹھہراوے

(۳) ترکٹی محل میں سیج بچھی ہے۔ دوادس انتر چھپ جاوے
اجر امر نج مورت سورت۔ اونگ سوہنگ دم دھاوے
سکل منورتھ پورن صاحب۔ پھر نہیں بھوجل آوے
غریب داس ست پورش بدیہی۔ سانچا ستگورو رساوے

شبد ۲

تار جگے تحقیق ستگور تار ہیں گے

۱۔ گھٹ ہی میں گنگا گھٹ ہی میں جمنا۔ گھٹ ہی میں جگدیش
ٹھہرے گیانا ٹھہرے دھیانا۔ ٹھہرے تارن کی پرتیت
من کر دھیرا چھانڈ دے بورے۔ چھانڈ لے پپلوں کے ریت
داس غریب کبیر کا چیلا۔ تاریں جم کی رسیت

شبد ۳

کوئی بانکا سورا لڑت بیچ میدانا

نین کی بندوق بنی ہے شرتی سمانا　　کال بلی کو مار گرایا سرت کی گولی تانا
من کو بکتر سرت کٹاری تھانا　　پانچ پچیس بل ٹکر مار۔ او لوک استھانا
یاٹھ شت کیوں نا لیے جو بتر تھ و تہ نہ مانا　　ست شبد رہیو بانی تب میرن جانا
جھیگا کوئی پرم سورما کھار کے زبانا　　داس غریب کبیر کو چیلا بچیوں کا تیوں ٹھہرانا

ساکھی

لاؤنی (۱) پانی کی ایک بوند سے ساج بنایا بھیو
اندر بہت اندیس تھا۔ باہر بسیرا پیو
پانی کی ایک بوند سے۔ ساج بنایا سانچ
راکھن ہارا راکھیا۔ جٹھر اگنی کے انچ
پانی کی یک بوند سے۔ ساج بنایا اپنچ
کوڑی بدلے جات ہے۔ کنچن بدلے کا کانچ
(۲) یہ ماٹی کا محل ہے۔ تاسوں کیسا نیہہ
جو سائیں تجھ کو ملے۔ پارین یہ دیہہ
یہ ماٹی کا محل ہے۔ خاک ملے گا مور

سائیں کے جانے بنا گت کتاّ ہے سور
یہ ماٹی کا محل ہے خاک ملے چھن مانہہ
چار شخص کاندھے دھریں - مرگھٹ کو لے جانہہ
(۳) بار بار تن پھونکیا - ہوگا چھار ناکار
جیت سکے تو جیت لے - ست ستگور کہیں بکار
بار بار کویلا کیا - ہو گیا مرگھٹ راکھ
چھوڑ محل اور جھونپڑا - کیا کوڑی دھن لاکھ
(۴) ارب کھرب لون لکشمی - اُدے است لون راج
بن سائیں کی بندگی - بوڑا سکل بھساج
(۵) کایا مایا کال ہے - بن صاحب کے ناؤں
جیت سکے تو جیت لے بن ستگور نہیں داؤں
گوروملہا (۱) پُرشن پرلوک ہے عدلی ستگور سار
بھگتی ہیت سے اوترے پایا ہم دیدار
ایسا ستگور ہم رلا - سُن بدیسی آپ
روم روم پرکاس ہے - دے ہیں اجپا جاپ
ایسا ستگور ہم رلا - سُرت سِندھ کے مانہہ
شبد سروپی الگ ہے - پنڈ پران نہیں چھانہہ
ایسا ستگور ہم رلا بے پرواہ انیدھ
پرش بازن مجسّش - روم روم رلی چیند
(۲) زندہ جوگی جگت گورو - مالک مُرشد پیو
کال لڑ لاگے نہیں - نہیں شنکا نہیں سیو
زندہ جوگی جگت گورو - مالک مُرشد پیر

دو کیرتی ساکھوم

دو داؤ دین جھگڑا مچا - پایا نانہہ مشریہ

(۳) ایسا ستگورو سیئیے - بیگ اُتارے پار
چوراسی بھرم میٹیے - آواگون نِوار
اندھے گونگے گور گھنبے - لنگڑے لوبھی لاکھ
صاحب سے پرچے نہیں - کایہ بناویں ساکھ

(۴) ستگور پورن برہمہ ہے - ستگور آپ الیکھ
ستگور رمتا رام ہے - یا میں مین نہ میکھ
ستگور آدی اناد ہے - ستگور مدھ اور مول
ستگور کو سجدہ کروں ایک پلک نہیں بھول

سمرن (۱) ایسا اوگت رام ہے - آدی انت نہیں کوے
وار پار کی مت نہیں - اچل نرنتر سو سے
ایسا اوگت رام ہے - گُن اندری سے نیارہ
تُن سنیہی رم رہا - دل اندر دیدار
ایسا اوگت رام ہے - قادر آپ کریم
میرا مالک مہربان - رمتا رام رحیم

(۲) رام نام نج سار ہے - مول منتر من مانہہ
پنڈ برہمانڈ سے رہت ہے - جنبی جاپا نانہہ
رام رٹت مت ڈھل کر - ہر دم نام اُدچار
امی مہارس پیجئے - یوتنگ بار مبانہ

(۳) اگم اناد بھومی ہے - جہاں نام کو دیپ
ایک پلک بچھڑے نہیں - رہتا نینوں بیچ
صاحب صاحب کیا کرے صاحب ہے پرتیت

بھینس بھنگ صاحب بھیا - پانڈے گاویں گیت

سنگ (۱) سنگت کیجئے سادھ کی - مسنساری جل کسنت
پنجر سووا - اُست ہے - کس کو بوجھے پنتھ
سادھون کی سنگت کرے - بڑ بھاگی بڑ ویڑ
آپن تو سنشا نہیں - اور اُتارے کھیو
(۲) سنگت سُر کی کیجئے - اُتُر نہ آوے ہوس
بُدھ بھرشٹی کا سنگ کیا - اُلٹا دیوے دوس

یہ چند شبد اور ساکھیاں غریب داس جی کے کلام کے نمونے ہیں جن کو شوق ہو وہ اصلی کتاب کو لیکر مطالعہ کریں - اُن کو حظ ملے گا - اور پرمارتھ کا شوق بڑھے گا ۔

دسواں باب

دولم داس جی

دولم داس جی غالباً نانک پنتھی سادھو تھے - ان کا کلام بہت رسیلا ہے - اور پتے کی بات کہتے ہیں - اِن کے حالات کم معلوم ہیں - صرف شبدوں سے اُن کا سنت مت کے پیرو کار ہونے کا پتہ لگتا ہے - دو شبد یہاں نمونہ کے طور پر داخل کئے جاتے ہیں :-

شبد ۱

جو کوئی بھکتی کیا چاہے بھائی
(۱) کر ویراگ بھسم کر گولا - سو تن من میں چڑھائی

اوڑھ کے بیٹھ ادھیتا چادر تج ابھمان بڑائی
(۲) پریم پرتیت دھرے یک تاگا۔ سو رہے سُرت لگائی
گگن منڈل بیچ اُبھرن جھلکے۔ کیوں سُرت من لائی
(۳) سیس سہس مکھ نس دن برنت۔ وید کوٹ گن گائی
شیو سنکادی آدی برہمادک۔ ڈھونڈت تھاہ نہ پائی
(۴) نانک نام کبیر منا ہے۔ سو من پرگٹ جنائی
دھرو پرہلاد یہی رس ماتے۔ مائی میرا پائی
(۵) گورو کی سیوا سادھ کی سنگت نسدن بڑھت سوائی
دولم داس نام بھج بندے۔ ٹھاڑھ کال سچپائی

شبد ۲

جگ میں جے دن ہے ۔ زندگانی
لائی سیو چت گورو کے چرنن آلس کرہو نہ پرانی
یہ دیہن کا کون بھروسا۔ اُنرا بھانڈا پانی
ابجت مشٹ دار نہیں لاگت۔ کیا مغرور گمانی
یہ تو ہے کرتا کی قدرت۔ نام تو لے پہچانی
آج بھلی بھجبے کی اوسر۔ کال کی کاہو نہ جانی
کاہو کے ہاتھ ساتھ کچھو ناہیں۔ دُنیا ہے حیرانی
دولم داس وشواس بھجن کر۔ یہ ہے نام نشانی

گیارھواں باب
پہلی فصل
ایک سادھو گھرانے کے کچھ حالات

سنت مت کے تمام پرچارکوں کے حالات کو سلسلہ کے ساتھ بیان کرنا نہ صرف مشکل ہے۔ بلکہ امر محال ہے۔ ابھی تک ادھر کسی کی توجہ بھی نہیں ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ چند روز کی تحقیقات و تفتیش سے کچھ حالات فراہم ہو سکیں۔ لیکن پھر بھی اُن کے سلسلہ کو زنجیر کی کڑیوں کی طرح یکے بعد دیگرے ترتیب کے ساتھ دکھانا دشوار ہی رہیگا۔ کیونکہ اُن کے حالات باقاعدہ نہیں ملتے۔ اور نہ امید کیجا سکتی ہے۔ کہ اس میں کامیابی ہوگی۔ کئی دن کی دقتیں سدِ راہ ہیں تاہم آیندہ محققین کے لیئے جو کچھ سامان اکٹھا ہو سکا۔ یہاں درج کیا جاتا ہے

دہلی میں ایک بادری صاحب ہوئے ہیں۔ جو کبیر صاحب کے کسی چیلے کے شاگرد تھے۔ اُن کے چیلے جا بجا منتشر تھے۔ یہاں تک کہ اُن کے گدی سے تعلیم پاکر لوگ اجودھیا۔ فیض آباد اور اعظم گڈھ وغیرہ علاقوں تک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بادری صاحب کس کے چیلے تھے۔ اس کا اب تک ہم کو پتہ نہیں ہے۔ ان سادھوؤں کا شجرہ اس طرح بتایا جاتا ہے :-

نوٹ:- شجرہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

۱- باوری صاحب - دہلی

۲- یاری صاحب -

۳- بیرو صاحب

۴- بُلا صاحب - بھرکوڑ ضلع غازی پور

۵- جگ جیون صاحب ...... ۶ دولم داس جی

۵- گلال صاحب

۶- بھیکا صاحب

۷- گوبند صاحب - ابرولی - فیض آباد

۸- پلٹو صاحب - اجودھیا

دوسری فصل

یاری صاحب

یاری صاحب مُسلمان تھے - کون تھے - کہاں سے پیدا ہوئے - کیسے تھے - اِن سوالوں کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے - اِس قدر البتہ کہا جا سکتا ہے - کہ وہ کہیں سے دہلی آئے اور بیرو صاحب کے شاگرد ہو گئے اور اُنہیں کی خدمت میں رہنے لگے - دہلی میں یاری صاحب کی سمادھی اب تک موجود ہے - یاری صاحب نے خود یہاں ست سنگ کیا اور دوسروں کو ست سنگ کرایا - اِن کا ظہور سمت ۱۷۸۰ و ۱۷۳۵ کے درمیان کہا جاتا ہے - اِن کے چیلے بُلا صاحب تھے - اور کیشو داس جی - صوفی شاہ بیجن شاہ اور ہست محمد شاہ بھی انہیں کے چیلے بتائے جاتے ہیں ؎

یہ بڑے پریمی اور مالک کے سچے بھگت تھے۔ جیسا کہ اُن کی ایک کتاب رتناولی نامی کے شبدوں سے پایا جاتا ہے۔ اُس کے چند شبد ہم یہاں اُس کتاب سے نقل کر کے داخل کرتے ہیں ؛

شبد ۱

جوگی جگت جوگ کمد

سُکھمنا پر بیٹھ آسن　　سہج درسیان لگاؤ
درشٹی سم کر سُن سوڈ　　آپا بیٹھی اُڑاؤ
پرگٹ جوتی اکار انوبھو　　شبد سوہنگ گاؤ
چھوڑ مٹھ کو چلو جوگی　　بنا پر اُڑی جاؤ
یاری کہے یہ مت بہنگم　　اگم چڑھ پھل کھاؤ

شبد ۲

من میرا سدا کھیلے نٹ بازی چرن کمل چت راضی

(۱) بن کرتار پکھاوج باجے　　اگم پنتھ پڑھی گاجی
رُوپ بہیں بیس بن گاوے　　بن چرنن گتی ساجی
(۲) بانس سومیرو سُرت کی ڈوری　　چت چیتن نگ چیلا　　میرودنڈ
پانچ پچیس تماشا دیکھیں　　اُلٹ گگن چڑھی کھیلا
(۳) یاری نٹ ایسی بدھی کھیلے　　انحد ڈھول بجاوے
انت کلا اوگتی۔ انورنی　　بانک نبی بنی آوے　　بہروپیا

شبد ۳

تو برہم چینھو رے برہم گیانی

سمجھ بچار دیکھ نیکے کر۔ جیوں درپن مدھ الکھ نشانی
کہے یاری سُنو تم برہم گیانی۔ جگت گرم دست شانی

شبد ۴

ستگور رہے ست پُرش اکیلا پنڈ برہمانڈ سے باہر میلا
دُور سے دور اُونچ سے اُونچا باٹ نہ گھاٹ گلی نہیں کوچا
آدی نہ انت مدھیہ نہیں تیرا اگم اپار اتی گہر گمبھیرا
کچھ درشٹ نہاں دھیان لگاؤ پل چھن کیٹ بھرنگ ہوئی جاؤ
جیسے چکور چند کے پاسا دیکھے دھرتی سے اکاسا
کہہ یاری ایسا من لاوے
تب چاترک سواتی جل پاوے

شبد ۵

رسنا۔ رام کہت نہیں تھاکو

پانی کہے کہوں پیاس بجھت ہے پیاس بجھے جب چاکھو
پُرش نام ناری جو جانے جانی بُوجھ نہیں بھاکھو
درشٹی سے مُشٹی نہیں آوے نام نرنجن واکو
گورو پرتاپ سادھ کی سنگت اُلٹی درشٹ جب تاکو
یاری کہے سُنو بھائی سنتو بجر بیدھی کیا تاکو

شبد ۶

ہری جن جیوتا نہیں مُوا

پانچ تین پچیس پایک باندھی ڈوا
اشٹ دل کمل بھیتر بوت ایک سوا
توری ستر اٹھن چاہت پریم پیالہ ہوا
شیو کے گھر میں شکتی آئی کھیلتا جم جُوا
کا ڈُی گلی مل پنچھو بھائی سیس سنسی گگن چُوا

گگن منڈھے سُرتنہ لاگی ۔ شبد انحد ہتوا
داس یاری یا سو بلی بلی وہت ستگور دعا

شبد ۵

جھلمل جھلمل برسے نُور نور ظہور سدا بھرپور
رُن جھُن رُن جھُن انحد باجے بھنور گُجا گگن چڑھ گاجے
رِم جھم رم جھم برسے موتی بھیا پرکاس نرنتر جوتی
نرمل نرمل نرمل داما کہے یاری تہاں کیا براما

کبت

ایک کہوں تو انیک ہوئے دیکھیے ایک انیک دیکھر ہے شریرا
آدی ہو تو پھر انت بھی ہے مدھ سوئی ہری گھر گنبھیرا
پنجیہ گوپت کہوں سو اگوپ سون دیکھو جوتی سروپ بچارت ہیرا
کہے سُنے بن کوئی نہ پاوے سو کہہ کہے سارت یاری فقیرا

ساکھی

تارن ہار سمرتھ ہے اور نہ دُوجا کوئے
کہے یاری ست گورو ملے اچل امر تب ہوئے
جیوتی سروپی آتما گھٹ گھٹ رہیو سمائے
پرم تتو من بھاونو نیک نہ ات اُت جائے
نین آگے دیکھیے تیج پنج پرکاش
اگم اگوچر رُوپ ہے پاوے ہری کو داس
ابنت انحد بانسوری تربینی کے تیر
راگ چھتیسوں ہوت ہیں گرجت گگن گنبھیر
آٹھ پہر نرکھت رہے سُنکھیہ سدا حضور

کہہ یاری گھر ہی میں کاہے جاتے دُور
دھرتی اکاس کے باہرا یاری پیا دیدار
سیت چھتر جہاں جگمگے سیت پھٹک اُجیارے
یاری صاحب کے کلام میں اتنی قسم کی نظمیں ہیں - شبد - کبت جھولنا سانکھی - الف نامہ ؂

تیسری فصل

بُلاصاحب ذات کے کُنبی (کورمی) تھے - اصلی نام ان کا بُلاقی رام تھا یہ یاری صاحب کے چیلے تھے - یاری صاحب سے تعلیم پاکر عرصہ تک بھرمن کرتے رہے پھر موضع بھرکوڑا ضلع غازی پور میں آکر مقیم ہوئے بہت سے آدمیوں کو چیتایا - اِن کا قایم کیا ہوا ست سنگ عرصہ تک جاری رہا - اور جب یہ گپت ہوگئے - اِن کے بعد گُلال صاحب و بھیکا صاحب نے بھی بہت دنوں تک اِس کام کو کیا - اور خاصی تعداد ہندو و مسلمانوں کی ان کے زیر سایہ آئی - یہ سمت ۱۷۵۰ و ۱۸۲۵ کے درمیان گذرے ہیں ؂

ابتدا میں یہ گلال صاحب کے نوکر تھے ہَل جوتتے تھے - اور کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے - مگر مزاج بھگتی کی طرف مایل تھا - کبھی کبھی بھجن کرتے وقت بیخود اور مست ہو جایا کرتے تھے - جس کی وجہ سے وقت پر کام کے لئے حاضر نہیں ہو سکتے تھے - لوگوں نے سست سمجھ کر شکایت کی - گلال صاحب کئی مرتبہ ناراض ہوگئے - مگر فقیر نے کم تر توجہ کی - تاہم کام سب کر لیتے تھے پسماندہ نہیں ہونے پاتا تھا - ایک دن کا ذکر ہے - بُلا صاحب ہَل جوتنے گئے تھے - بیلوں کو جوت کر کھیت میں چھوڑ دیا - اور آپ مالک کے دھیان میں مگن

ہو گئے۔ بیل یونہی کھیت میں پھر رہے تھے۔ یہ محویت کے عالم میں تھے۔ گُلال صاحب آئے یہ دشا دیکھی۔ کس کر ایک لات مارا۔ یہ چونک پڑے۔ کہنے لگے۔ معاف کرو میں مالک کی سیوا میں محو ہو گیا تھا۔ تن بدن کی خبر نہیں رہی تھی۔ آنکھیں انگارے کی طرح سُرخ تھیں۔ گلال صاحب پر اُن کا اثر پڑا۔ دل کے آئینہ میں روحانیت کا عکس اس طرح چھا گیا کہ اُسی وقت سمجھ گئے کہ یہ کوئی زبردست سادھو ہے پاؤں پر گر پڑے۔ معافی مانگی۔ اور اُن کی شاگردی قبول کر لی۔ گورو نے ایسی دیا کی کہ وہ بھگتی کے پاتر ہو گئے۔ اور آپ اپنے نوکر کے داس بن گئے +

یہ باکمال شخص زبردست انترنشٹ ہوئے ہیں۔ اِن کی بانی اُونچے مقام کا پتہ دیتی ہے۔ جس کے نمونے ذیل میں درج ہیں :۔

شبد ۱

گورو مہما (۱) دھنیہ دھنیہ گورو دیو ۔ جو یہ گتی لائیا
پرم جوتی نرنکار ۔ تاہی گُن گائیا
(۲) رلی جلی سکھی سہیلری ۔ جاگ بُورائیا
اردھ اُردھ ارو مدھیہ ۔ تو کلس دھرائیا
(۳) نرگُن گُن کو تیں ۔ کایا تن جائیا
انشٹ جاسم برسے جوتی ۔ کبھوں نہ بجھایا
(۴) ایسے ادبھت رنگ ۔ سادھ جن نگیا
بلا سوبھا دھام ۔ تاہی انگ انگیا

شبد ۲

پریم۔ سانچی بھگتی گوپال کی ۔ نیرد من مانا
۲۔ ننگرم منجا باجا کرمنا سُن سنت سوجانا
ہیرا ریبو بجرا ارو کانا

رام نام سوں کھیل ہے - دیجے تن دانا
(۳) جگتی ہیت گھر چھوڑیا - تج گرب گُمانا
جن بُلا پایو داک ہے - ستگرو بجھوانا

شبد ۳

برہم گیان - ایکے برہم سگل میں اہٹی - کام کرودھ سے بھینٹ رہئی
کام کرودھ ہے جم کی پھانسی - ہر ہر جیو بھرمے چوراسی
چھُٹ چوراسی بھرم گنوایا - مانش جنم بہُر کے پایا
مانش جنم دُرلبھ رے بھائی - کہہ بُلا یاہی جگ آئی

ساکھی

(۱) آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی - جن بُلا دھرو دھیان
نہیں جانوں کونی گھڑی - آسے ملیں بھگوان
(۲) آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی - بھرو پیالا پریم
بُلا کہے بچار کے - یہی ہمارو نیم
(۳) جگ آئے جب جا گئے - پکڑے ہری کے نام
بُلا کہے بچار کے - چھوڑ دیہہ تن دھام

چوتھی فصل

جگجیون داس صاحب

جگ جیون صاحب قوم کے کشتری راجپوت تھے - یہ سرودھ گاؤں
میں سرجو ندی کے کنارے بارہ بنکی ضلع کے رہنے والے تھے - انہوں نے

ست نامی پنتھ کی بُنیاد ڈالی۔ جس میں کبیر صاحب کے اصُول کے ساتھ کچھ پورانک عقاید بھی شامل کئے۔ ان کے پنتھ کے لوگ گو نِرگن اپاسک کہے جاتے ہیں۔ مگر رام کرشن اوتاروں کے بھی معتقد ہیں۔ اور داہنے ہاتھ میں ریشم کا دھاگا باندھتے ہیں۔ اور ہنومان جی کو روزانہ آہوتی دیتے ہیں۔ یہ باتیں ان میں کب سے شامل ہوئی ہیں۔ اس کا پتہ بلنا مشکل ہے۔ یہ بُلا صاحب کے چیلے تھے۔ ان کی پیدائش و موت کی تاریخ بتانا مشکل کام ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ان کا ظہور آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہوا ہے۔ کبیر صاحب کے چیلوں میں ایک شخص جیون داس ہوئے ہیں۔ جن کی شاگردی کا سلسلہ تبدریج باوری صاحبہ تک آیا۔ اُن کے پانچویں پُشت کے شاگرد جگ جیون صاحب ہیں۔ جو جیون داس کے اوتار سمجھے جاتے ہیں۔ اور اُنہیں کے اصُول کے تازہ کرنے والے مانے جاتے ہیں :

جگ جیون صاحب بھی گرہست ہی تھے۔ اودھ کے رہنے والے تھے ان کی جنم بھُومی کٹوا میں ہے۔ اور سمادھی بھی وہاں ہی ہے۔ کٹوا۔ لکھنؤ اور اجودھیا کے درمیان واقع ہے :

جگ جیون صاحب مصنّف بھی تھے۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :
گیان پرکاش۔ مہا پرلے۔ پرتھم گرنتھ۔ شبد ساگر۔ یہ سب نظم میں ہیں :
پرتھم گرنتھ میں پاروتی اور شِو جی کا سمواد ہے۔ مہا پرلے نامی گرنتھ میں ایک بھجن آتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے :

"پاتر منشیہ سب میں اور سب کے درمیان رہتا ہوا پھر بھی سب سے پرتھک رہتا ہے۔ اُس کو کسی کے ساتھ راگ اور دویش نہیں ہوتا۔ جو جاننے کی وستو ہے وہ سب کچھ جان لیتا ہے۔ اُس کے لئے جنم مرن اور آنا جانا نہیں ہے۔ بلکہ اپنے سروپ میں قایم رہتا ہے۔ اُس کے لئے نہ تو کہیں دکھ ہے نہ سُکھ

ہے۔ نہ دیا ہے۔ نہ کرودھ رہتا ہے۔ نہ وہ مُورکھ ہے۔ نہ گیانی ہے جگ جیون داس پوچھتے ہیں۔ کیا کہیں تم نے ایسا آدمی دیکھا بھی ہے۔ جو ساری کمزوریوں سے پاک ہو۔ اور آدمیوں سے الگ رہتا ہوا بیہودہ باتیں نہ بناتا ہو۔"
ان کا طریق کبیر صاحب سے اس قدر بدل گیا ہے کہ اِن کو معمولی ویشنو سمجھنا غلطی نہ ہوگی تاہم اب تک پھر بھی اِنہوں نے کسی حد تک کبیر صاحب کے پاک تعلیم کو محفوظ کر رکھا ہے۔ گو اِن میں سُرت شبد یوگ کا عامل اور شاغل اب اب کوئی نہیں رہا ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم یہاں پر جگ جیون صاحب کا ایک شبد داخل کرتے ہیں جس سے اُن کے سُرت شبد ابھیاسی ہونے کا پتہ لگیگا۔

شبد

جا کے لاگے انحد تان کے ۔ نربان نرگن نام کی
ذکر رستے نتکو ہمر سے۔ فکر یار نکار کی ۔ جا کے لاگے ابجپا لگن چھیگے جوت دیکھ نشان کی
شنیہ مرلی مدھر باجے بائیں لنگری سارنگی ۔ دیکھے جو گگن تنکو باجے جھیب دھن جھنکار کی
آمد کی بڑکھا نیاری پیکھا نا ہیں آن کی ۔ جگ جیون پران سو دھ کے ملی ہے مستنام کی

پانچویں فصل

کیشو داس جی

کیشو داس جی جگ جیون صاحب کے چیلے اور دولم داس کے گورو بھائی تھے۔ اِن کی جنم بھومی راچھو تانہ ہے۔ اس کے سوا اور کچھ حال ان کا معلوم نہیں ہے۔ ان کی ایک کتاب امین گھونٹ پرستدھ ہے۔ اُس میں سے چند ساکھی

ساکھی اور ایک چوپائی نقل کئے جاتے ہیں۔ اِن کی زبان شستہ ہے۔ اور اصول شاعری کے موافق ہے ؎

ساکھی

(۱) آس لگی باسا ملے ۔ جیسی جا کی آس
یک آسا جگ باس ہے ۔ یک آسا ہری پاس

(۲) آسا منسا سب تھکی ۔ من نج سن ہی ملال
جیوں سرِتا لی سندھ میں ۔ مٹا ہے آون جان

(۳) جا گھر کیشو نہیں بھجن ۔ جیون پران ادھار
سو گھر جم کا گیہہ ہے ۔ انت بھئے تے چھار

(۴) جگ جیون گھٹ گھٹ بسے کرم کراون سوئے
بِن ستگور کیسے کہے ۔ کیسی بدھی درسن ہوئے

(۵) ست گورو ملو تو کیا بھیو ۔ گھٹ نہیں پریم پرتیت
انتر گیدر نہ بھیجئی ۔ جیون پاتھر جل بھیت

چوپائی ۱

کایا بھایا سے پربھو نیارا ۔ دھرتی اکاس کے باہر پارا
اگم اپار نرنتر باسی ۔ ملے نہ ٹلے اگم ابناسی
اج ج ادبھت روپ نہ ریکھا ۔ اگم پُرش پربھو شبد الیکھا
اچ جن چلے جہاں پربھو دیکھا ۔ آدی نہ انت ناہیں کچھ بھیکھا
رل سنگم سُکھ سہج سمایا ۔ یا بدھی کیشو بسری کایا

(۲)

نرمل کنت سنت ہم پایا ۔ کوئی سُورما کی نرمل کایا
پریم بلاس امرت رس بھریا ۔ انجو چنور ریزہ دن ڈھریا

سُکھ ساگر پربھو کنٹھ لگا دے - آنند منگل سوہنگ گا دے
ستیہ پُرش دُھن اتی بھیاری - کوٹی بھانو ششی چھبی بہواری
نیج تیج نرکھت اچمبا را - کہہ کیشو۔سوئی کنت ہمارا

رسیختہ

نس باسُر بستو بچار سدا - کُچھ جاگ ہٹے کرو نام دھن ہے
اگم نگرہ سنگرہ دھرم کتھا - پنری گرہ سادھن کو گگن ہے
کہہ کیشو بھیتر جوگ جگے - اِت باہر بھوگ مئی تن ہے
من ہاتھ بھئے جن کے تن سے - بن ہی گھر ہے۔گھر ہی بن ہے

چھٹی فصل

دولن داس صاحب

تُلا صاحب کے ایک چیلے جگ جیون صاحب تھے۔اِن کے مشہور شاگردوں میں ایک صاحب دولن داس جی گذرے ہیں۔مگر اُن کے حالات سے واقفیت نہیں ہے۔صرف اُن کے اپدیش شبد یہاں داخل کئے جاتے ہیں ؎

شبد

دیکھو آیوں میں تو سائیں کی سیجریا

سائیں کی سیجریا۔نگور کی ڈگریا - دیکھو آیوں میں تو سائیں کی سیجریا (ٹیک)
شبد ہی تالا شبد ہی کنجی۔شبد کی لگی زنجیریا
شبد اوڑھنا شبد بچھونا۔شبد کی چینک چونریا

شبد سروپی سوامی آپ برلجے ۔ سیس چرن ہیں دھریا
دولن داس بھجو سائیں جگ جیو اگن سے ادھک اُدجریا

ساتویں فصل

گلال صاحب

گلال صاحب سمت ۱۷۵۰ اور سمت ۱۸۰۰ کے درمیان گذرے ہیں۔ یہ بلا صاحب کے گورمکھ چیلے تھے۔ اور بھُرکوڑا ضلع غازی پور میں اپنے گورو کے پیچھے لوگوں کو ست سنگ کرایا تھا۔ اس کے سوا ان کا حال کچھ نہیں معلوم ہوتا ان کی بانی البتہ موجود ہے جس سے اِن کے پریم بھگتی کا پتہ لگتا ہے۔ یہ پانچ سو کے لگ بھگ ہیں۔ جو بھُر کوڑا کے سمادھ میں ملتے ہیں۔ زبان بالکل پوربی ہے۔ دو چار دوہوں کا انتخاب یہاں اس موقع پر شامل کیا جاتا ہے۔

ساکھی

سنت سبھا میں بیٹھ کے ۔ آنند اُجل پرکاس
جن گلال پیا ملیہین ۔ پُوجل من کی آس
انیک نال چڑھ کر گیو ۔ آیو پربھو دربار
جگمگ جوتی جگن لگی ۔ کوٹی چند چھپی وار
اُکتا جھری برسن لگے ۔ دسو دسا جھنکار
جن گلال تن من دیو ۔ پوری کھیپ ہمار
بن باجے دُھن گاجی ۔ ادھر ہیں اگم اپار
پران تب ہیں اُٹھی گونیو ۔ بنُر ناہیں اوتار

آٹھویں فصل

بھیکھا صاحب

بھیکھا صاحب ذات سے براہمن چوبے تھے۔ اصلی نام بھیکھانند تھا کھان پور بوھنا نامی گاؤں میں جو ضلع اعظم گڈھ میں ہے۔ پیدا ہوئے تھے طبیعت اوایل عمر ہی سے پرمارتھ کے لئے موزوں تھی۔ زمانہ کے حالات دیکھ کر ویراگ پیدا ہوا کسی اہل دل کی تلاش ہوئی۔ سُنا کہ بھرکوڑا گاؤں۔ ضلع غازی پور میں گلال صاحب رہتے ہیں۔ سر کے بل دوڑے۔ اُن کے چرنوں میں گرے۔ ذات پانت کا گروہ بند حسن توڑا۔ اور اُن کے چیلے ہو گئے۔ آپ خود کہتے ہیں :-

بیتے بارہ برس۔ اُبھی رام نام سوں پریت
پنٹ لاگی چٹ پٹی۔ مانو چارو پَن گے بیت
ست سنگ کھو جا چیت سون۔ جہاں بست الکھ الیکھ
کرپا کر کب ملیں گے۔ ڈھونڈن۔ کہاں کون ہے بھیکھ
ایک دعو وید ہُت۔ چتر سنت بھوگ پوچھیو ہے کہاں
نیر سے بھرکوڑا گام۔ جا کے شبد آپے ہے تہاں
گورو بھاو بوجھ مگن بھیو۔ مانو جنم کو پھل پائیا
لکھ پریت درد دیال۔ درد بہے آپنو اپنا ئیا

گورو کا درشن پاتے ہی تریت ہو گئے۔ یک لخت بارہ برس تک بھجن بھجن بندگی سیوا ٹہل کرتے رہے۔ ہر وقت گورو کے چندر چرن کی چکوری کی طرح

دیکھا کرتے تھے۔ دل میں سچا انوراگ تھا۔ ایک دم کے لئے بھی خدمت سے علیحدہ نہیں ہوتے تھے۔ ایودھ بھگتی کی۔ جب گلال صاحب نے چولہ چھوڑا یہ خود اُن کی جگہ ست سنگ کرانے لگے۔ بہت آدمیوں کو اُپدیش دیکر جتایا۔ اور اپنے ساتھ ہزاروں کو بھو ساگر کے پار لگا دیا۔ بارہ برس کی عمر میں بھرکوڑا آئے بارہ برس تک گورو کی بندگی کی۔ ایک دم کے لئے بھی اُن سے علیحدگی نہیں کی اور چوبیس برس تک اُپدیش کا کام جاری رکھا۔ اِن کی ساری زندگی ہی پرمارتھ زندگی تھی۔ اڑتالیس برس خواہ پچاس برس کے قریب جب عمر ہو گئی پرم دھام کو چل دئے۔ اِن کی سمادھی اب تک بھرکوڑا میں گلال صاحب اور بُلا صاحب کے پہلو بہ پہلو موجود ہے ؎

ان کی گدی بھرکوڑا میں اور بڑا گاؤں (ضلع بلیا) میں ہے۔ جہاں ہزاروں چیلے اب تک ان کے نام لیوا ہیں۔ شاگردوں کی ٹھیک تعداد معلوم نہیں ہے ان کے متعلق بہت سے کرامات بیان کئے جاتے ہیں۔ جن کا بیان فضول ہے۔ اِن کی بانی بہت ہے۔ ہزاروں شبد موجود ہیں۔ جو لوگ پڑھیں گے خوش ہونگے۔ مگر زبان وہی پوربی ہے ؎

شبد ۱

سادھو سب میں پہچانی (ٹیک)

جگ پورن چاروں کھانی

اوگت الکھ اکھنڈ امورت۔ سہائے دیکھے گورو گیانی

تا پد جائے کوائے۔ پہنچے جگ جوگتی کرم دھیانی

بھیکھا دھن جوہری رنگ راتے سوئی ہے سادھو پرانی

شبد ۲

ایسی کیجے صاحب دایا

کرِپا کٹاکش ہوئے جن اوپر - چھُوٹ جائے من مایا
سووت موہ نِشا میں نِسدن - تُم ہی کرپال جگایا
جنمت مرت انیک بار پربھو - تُم ستگور ہوئے لکھایا
بھیکھا کیول ایک رُوپ ہری - دیا یک تربھون رایا

شبد ۳

دتیجے ہو پربھو باس چرن میں - من استھر نہیں پاس
ہوں سٹھ سدا جیو کا کانچا - نہیں سمات اُر وانس
بھیکھا تیت جان مت چھوڑو - جگت کرے گا ہانس

شبد ۴

موہی راکھو جی اپنی سرن

(۱) اپرم پار پار نہیں تیرو - کاہ کہوں کا کرن
من کرم بچن آس یک تیری ہوئے جنم یا مرن
(۲) ابرل بھکتی کے کارن تم پہ ہوئے براہمن ویون دھرن
جن بھیکھا ابھلاکھ یہو نہیں - چھوُن مکتی گتی ترن

شبد ۵

جن من - من ہی میں دُھن لائی

گورو پرتاپ سادھ کی سنگت - نام پدارتھ سُن پائی
سُنت سُنت من مگن بھیو ہے - بچاگ سوہاون گھر آئی
تن من پران تاہی پر وارو - رہو چرن میں لپٹائی
بھیکھا اب کے داؤں تمہارو - من چت دے ہری گن گائی

ساکھی

رام کو نام انت ہے انت نہ پاوے کوے ۔ بھیکھا جس لگھو بُدھی ہے نام توں بھکت ہوے

بھیکھا کیول ایک ہے۔ کِرتم بھیو اننت ایکے آتم سکل گھٹ یہ گتی جانیں سنت
آنتی جری گورو چرن کی دکوئی) جانئے سنت سوجان
بھیکھا من بنج کرمنا۔ تاہی ملے بھگوان

نویں فصل

پلٹو صاحب

پلٹو صاحب ذات کے کاندو بنیا تھے۔ مالک کے بڑے پریمی ہوئے ہیں۔ اور ان کی بانی خاص کر بہت انبھوی اور من کی لبھانے والی ہے۔ زبان گودیہاتی ہے۔ مگر دِل پر اُس کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ کُنڈلیا کے کلام کہنے پر اِن کو ایسی دسترس حاصل تھی کہ اُن کو اس نظم کا بادشاہ کہنا مبالغہ نہ سمجھنا چاہیئے شبد بھی رسیلے۔ پریم اور پریم کے جذبات کے اُبھارنے والے ہیں۔ مگر کُنڈلیا کا رنگ کچھ اور ہی ہے۔

اِن کا ظہور شاہ عالم بادشاہ دہلی اور نواب آصف الدولہ شاہ اودھ کے زمانہ میں ہوا ہے تقریب قریب اِن کو گُپت ہوئے ڈیڑھ سو برس ہو گئے۔

یہ ملک اودھ کے ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے جنم بھومی ایک گاؤں نگپور جلال پور میں بتائی جاتی ہے۔ جو فیض آباد اور اعظم گڈھ کی سرحد پر واقع تھا۔ چونکہ لڑکپن ہی سے پرمارتھی رنگ والے تھے۔ ایک سادھو گوبند صاحب کا گذر گاؤں میں ہوا۔ اُن کے کلام کے سنتے ہی پرمارتھ کا سنسکار خاص طور پر اُبھر گیا۔ اُن کی شاگردی میں آئے۔ اور بھجن ابھیاس میں مصروف رہنے لگے مگر گرہست آشرم کو کبھی ترک نہیں کیا۔ اور اِن کے خاندان کے لوگ اب تک

نگپور جلال پور میں موجود ہیں ؛

اُنہوں نے اجودھیا میں اپنا ست سنگ جاری کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اِن کے معتقد ہُوئے ۔ اور بہت سے جیو چیت بھی گئے۔ پلٹو صاحب نے جس وقت اجودھیا میں ست سنگ جاری کیا۔ بیراگی سادھو وغیرہ بُری طرح مخالفت کرنے لگے۔ جس کے بارہ میں وہ خود اس طرح لکھتے ہیں :۔

کُنڈلیا

سب بیراگی بَٹُر کے (جمع ہوکر) ۔ پلٹو ہی کیا اجات (برادری سے خارج)

(۱) پلٹو کیا اجات ۔ پربھوتا دیکھ نہ جائی
بنیا کلمہ کا بھگت پرگٹ بھا سب دُنیائی (شکایت کرتے)

(۲) ہم سب بڑے مہنت ۔ تاہی کو کوئی نہ مانے
بنیا کرے پکھنڈ ۔ تاہی کو سب کو اوپانے

(۳) ایسی ایرکھا جانی ۔ کو اونا آوے کھائی (کھاتے)
بنیا ڈھول بجائے ۔ رسوئی دیا لوٹائی

(۴) مال پُوا ۔ چارو برن ۔ باندھ لیت کچھ کھات
سب بیراگی بَٹُر کے ۔ پلٹو کیا اجات

مگر پلٹو صاحب کی سچائی کے سامنے کسی کی کچھ پیش نہیں گئی آخر سب کو اُن کا لوہا ماننا پڑا ؛

پلٹو صاحب کے شاگرد سادھو اور گرہستی فیض آباد ۔ فرخ آباد ۔ اور اعظم گڑھ کے اضلاع میں سب جگہ پائے جاتے ہیں ۔ اور اُن کی کیرتی کے جھنڈے کو بلند کر رکھا ہے ؛

عرصہ تک ست سنگ کرانے کے بعد جب بہت لوگ اُن کے معتقد ہو گئے سادھوؤں نے حسد اور بغض کی وجہ سے اُن کے گھر میں آگ لگا دی اور

وہ زندہ جل گئے۔ ان کی یادگار سمادھ اجودھیا میں اب تک موجود ہے ؎

شبد ۱

بنا ست سنگ ہری نام پاوے نہیں ۔ بنا ہری نام نا موہ بھاگے
موہ بھاگے بنا مکتی نا ملے گی ۔ مکتی بن ناہیں انوراگ لاگے
بنا انوراگ سے بھگتی نا ملے گی ۔ بھگتی بن پریم اُرنا ہیں جاگے
پریم بن نام نا ۔ نام بن سنت نا ۔ پلٹو ست سنگ بر دان مانگے

شبد ۲

ایک انیک ۔ انیک پھر ایک ہے ۔ ایک ہی ایک نہیں اور کوئی
سنت کو ایک ۔ انیک سنسار کو ۔ رہا بھرپور سنبھار سوئی
سنت تو امر ہیں ۔ مریں اسنت جن ۔ نرک اور سورگ یہی بھانت ہوئی
نرک اور سورگ سب ہوت انیک کو ۔ داس پلٹو ۔ ہم دیکھ روئی

شبد ۳

پانی بیچ بتاسہ سادھو ۔ تن کا یہی تماسا ہے (ٹیک)
مٹھی باندھے آیا بندے ہاتھ پسارے جاتا ہے ۔ ناکچھ لایا نا لیجائیگا ناحق کیوں پچھتاتا ہے
جورو کون خصم ہے کس کا ۔ کیسا تیرا ناتا ہے ۔ پڑا بیہوش ہوش کر بندے وشے لہر میں ماتا ہے
جیون بندے تیری ایک گھڑی ہے ۔ نیکی بدی تیرے سنگ چلیگی اور سب جھوٹی باتا ہے
پران تمہارے پاس ہے بندہ یہ کیوں اس کے کو کھاتا ہے ۔ پلٹو داس بندگی چھوٹے بندہ ٹھوکر کھاتا ہے

کنڈلیا (۱)

جیوں جیوں بھینجے کامری ۔ تیوں تیوں بھاری ہوئے
(۱) تیوں تیوں بھاری ہوئے ۔ سُنئے سنتن کی بانی
قطرہ قطرہ ٹوپ ٹوپ اگھائے ۔ گیان کے ساگر پانی
(۲) رس رس باڑھے پریت ۔ دنوں دن لاگن لاگی

گت لگت لگ جاوے ۔ بھرم سب آپ ہی بھاگی
رِش رِس چلا جو جاوے ۔ گرے جو آتم دھاوے
(۳) تِل تِل لاگے رنگ ۔ بھگتی تب سمجھ آوے
بھگتی پوڑھ پلٹو کرے ۔ دھیرج دھرے جو کوے
(۴) جیوں جیوں بھینجے کامری ۔ تیوں تیوں بھاری ہوے

(۲)

سادھ بچن سانچا سدا ۔ جو دِل سانچا ہووے
(۱) جو دل سانچا ہوے رہے ۔ نا دبدھا بھاگے
جو چاہے سو ملے بات میں ۔ دیر نہ لاگے
(۲) من ۔ بچ ۔ کرم لگاوے ۔ سنت کی سیوا لاوے
پریم پریت ہو پرگٹ ۔ سانچ جو دِل میں آوے
(۳) جن کو ہے وشواش ۔ انہیں کی بات بھرانی
ہوگا اُن کا کام ۔ سنت کی مہما جانی
(۴) پلٹو گانٹھ میں باندھئے ۔ خالی پڑے نہ کوے
سادھ بچن سانچا سدا ۔ جو دِل سانچا ہوے

(۳)

صاحب کے دربار میں کیول بھگتی پیار
(۱) کیول بھگتی پیار ۔ گورو بھگتی سے راضی
تجا سکل پکوان ۔ کھایا داسی سُت بھاجی
(۲) جب تپ نیم اچار کرے بہتیرا کوئی
کھائے شوری کے بیر ۔ ہوئے سب رشی سنی روئی
(۳) کیا یدھشٹھر یگیہ ۔ بکورا سکل سمایا

چھوٹ گئی سُر تا سب کا مان ۔ سو تیج بن شنگ نہ باجا چھو ٹا
(۴) پلٹو اونچی ذات کا ۔ مت کوئی کرے ہنکار
صاحب کے دربار میں کیول بھگتی پیار

(۱۴)

کھوجت کھوجت مر گئے ۔ گھڑی لاگا رنگ

(۱) گھڑی لاگا رنگ ۔ گیا جب ستگن دایا
من میں بھیا وشواس ۔ چھوٹ گئی سبھی ہی مایا
(۲) وستو جو رہی ہیرائی ۔ تاہی کو لگا ٹھکانا
اب چت چلے نہ اِت اُت ۔ آپ میں آپ سمانا
(۳) اُٹھتی لہر ترنگ ۔ ہردے میں سیتل لاگے
بھرم گیا سب سوے ۔ بیٹھ کے چین جاگے
(۴) پلٹو خاطر جمع بھئی ۔ ستگورو کے پرسنگ
کھوجت کھوجت مر گئے ۔ گھڑی لاگا رنگ

(۱۵)

بیراگی بھولا آپ میں جل میں کھوجے رام

(۱) جل میں کھوجے رام ۔ جائے کر تیرتھ چھانے
بھرمے چاروں کھونٹ نہیں سدھ اپنی آنے
(۲) پھول مانہہ جیوں باس ۔ کاٹھ میں اگنی سمانی
کھودے بنا نہیں ملے ۔ آہ دھرتی میں پانی
(۳) دودھ مانہہ گھرت ہے جیسی مہندی میں لالی
ایسے پورن برہم کہوں یک تل نہیں خالی

۴۸) پلٹوست سنگ بیچ میں کرے اپنا کام
بیراگی بھولا آپ میں جل میں کھوجے رام

یہ اس قادر الکلام مہاتما کے بچنوں کے چند نمونے ہیں۔ ان سے بہتر آج تک کسی نے کنڈلیا نہیں لکھی۔ اور نہ کسی کے کنڈلیا میں یہ رس اور مزہ ہے۔ سمجھ سمجھ کی بات ہے۔ جن کو مزہ آوے وہ غور کے ساتھ ان کی بانی کو پڑھیں۔ آپ سمجھ جائیں گے کہ ہم کہاں تک صحیح کہہ رہے ہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے زبان بالکل پوربی اور دیہاتی ہے۔ مرادات و مساوات کرنے سے یہ آسانی سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

بارھواں باب

دریا صاحب (دہار والے)

دہار کے صوبہ میں دریا صاحب نامی ایک مسلمان فقیر ہوئے ہیں۔ جو کبیر صاحب کے دوسرے اوتار کہلاتے ہیں۔

ان بزرگ کو کوئی کوئی ہندو بھی بتاتے ہیں۔ ہندو ہو۔ یا مسلمان۔ فقیروں کی کوئی ذات نہیں ہے۔ وہ قومیت کے دائرہ سے اونچے ہوتے ہیں۔ اور ہم بذات خود اس کو بہت اہمیت نہیں دیتے۔ ہاں روائتیں جو کچھ ہیں۔ اُن کا حوالہ دینا اور اُن کی مدد سے ان کی زندگی کے سوانحات کو ایک مختصر شکل میں قائم کر دینا لازمی سمجھتے ہیں۔

دریا صاحب کے بزرگ اُجین کے کشتری تھے۔ جو عرصہ سے زمانہ کے تغیر و تبدل کی وجہ سے بکسر (ضلع غازی پور) کے قریب جگدیس پور میں آئے اور

وہاں کے راجہ ہو گئے۔ اس نسل کا آخری راجہ پیرن شاہ تھا جس کے کُٹنبی کسی وجہ سے مورد عتاب سُلطانی ہوئے تھے۔ اور اُن کے نجات دلانے کے لئے اس نے مُسلمانی دھرم اختیار کر لیا۔ اور بادشاہ بیگم کے ایک مصاحب لونڈی کے ساتھ جو قوم کی ورزن (خیاط) تھی شادی کر لی تھی۔ دریا صاحب اسی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے*

اِن کی موت کا سمت [۱۸۳۷] بتایا جاتا ہے۔ اور یہ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ ۱۰۶ برس کے ہو کر مرے تھے۔ اس لئے قیاس مقتضی ہے کہ اُن کی زندگی سمت [۱۷۳۱] و [۱۸۳۷] کے درمیان تھی۔ اور یہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ جو اپنی تختیوں کے لئے خاص طور پر تواریخ میں بہت مشہور ہے*

پیرن شاہ یعنی دریا صاحب کے باپ کے حالات شاید کسی نے قلمبند نہیں کئے۔ اُن کی بنیاد صرف زبانی روایتوں پر ہے۔ کوئی اُس کو ہندو بتاتا ہے۔ کوئی مسلمان کہتا ہے۔ مگر اس کا نام اس طرح کا ہے۔ کہ جس سے مُسلمانیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے اگر اُس کو مسلمان یقین بھی کر لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے کیونکہ دریا صاحب کے تصوف کی تعلیم مُسلمانی تصوف سے نرالی ہے۔ مگر اُن کی طرز معاشرت اور اُن کے شاگردوں کے بیوہار اور بات چیت کے اصطلاحات اس قسم کے ہیں۔ جو زیادہ تر مسلمانوں ہی میں مستعمل رہتے ہیں۔ ہندوؤں میں اُن کا رواج نہیں ہے*

سکندر لودی کے عہد میں کبیر صاحب کی تعلیم کو فروغ ہوا۔ گو اُس کا سلسلہ بہت دنوں سے جاری تھا۔ سکندر کے ظلم نے اُس کو چمکا دیا۔ اسی طرح اورنگزیب کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ جب اُس کی سختی حد سے زیادہ گذرنے لگی۔ دریا صاحب کی شکل میں پھر کبیر صاحب کا دوسرا ظہور ہوا۔ یہ بات خیالی طور پر صحیح بھی تسلیم کی جا سکتی ہے۔ مگو اس میں مریدوں کی عقیدتمندی و راسخ الاعتقادی کا مادہ کثرت سے

ساتھ موجود ہے۔ آتما کا نہ کوئی نام ہے نہ روپ ہے۔ نام اور رُوپ شریر کا ہوتا ہے۔ اس کو تم جیسا چاہو۔ ویسا کہو تعلیم۔ اور تعلیم کا اصُول بیشک کبیر صاحب کا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ اور رُوحانی طور پر دریا صاحب کو کبیر صاحب کے سِلسلہ میں شمار کرنا غلطی نہیں ہے۔

جب دریا صاحب پیدا ہوئے تھے۔ ایک سادھُو نے اُن کو دریا کا نام دیا۔ اس کی بابت بھی روائتیں ہیں مگر یہ شاگردوں کے حسن عقیدت سے زیادہ متعلق ہیں۔ جب دریا صاحب نو برس کے ہُوئے۔ اُن کی شادی کا رسم ادا کیا گیا۔ مگر اُن کو کبھی اپنی استری کے ساتھ رہنے کا موقع نصیب نہیں ہوا۔ اور وہ مجرّد ہی رہے۔ پندرہ برس کی عُمر میں دُنیا کے نشیب و فراز اور عجیب و غریب واقعات کے دیکھنے سے اُن کو وِیراگ پیدا ہُوا۔ دِل میں مالک کے پریم اور بھگتی کے ولولے پیدا ہو گئے۔ اور یہ جذبات نشو و نما پا کر بیس ہی برس کی عُمر میں پختگی پر آ گئے۔ اور دُنیا کو معلوم ہونے لگا کہ کسی رُوحانی شخصیت نے انسانی جامہ میں اپنا ظہور کیا ہے۔ دریا صاحب حد درجہ کے آزاد تھے۔ جو بات کہتے تھے صاف صاف چاہے کوئی کوئی ناراض ہو یا خوش ہو۔

سادھو ایسا چاہیئے سانچی کہے بنا۔
کے ٹوٹے کے جوڑے پن کہے بھرم نا جائے

یہ وصف کبیر صاحب میں بھی تھا۔ اور دونوں صاحبان میں انسانی ہمدردی عالمگیر پیمانہ کے حساب سے تھی۔ یہ وجہ ہے کہ ان کے کھنڈن کو زیادہ تر لوگ شوق سے سُنتے تھے۔ صرف ڈھونگی اور متعصب پنڈت بیشک بُرا مانتے تھے۔

جب دریا صاحب کی عُمر تیس برس کی ہوئی۔ اُنہوں نے کھُلم کھُلا ستسنگ [illegible] کیا۔ اور اپنے ڈھنگ پر اُپدیش دینا شروع کیا۔ اس مرحلہ کو دریا صاحب کے [illegible] "تخت پر بیٹھنا" [illegible] ہیں۔

طریقہ تعلیم "سُرت شبد یوگ" کا ابھیاس تھا۔ تیرتھ ورت جپ تپ
نیم۔ اچار۔ جاتی بھید۔ وید قران۔ اوتار۔ مورتی پوجا۔ سب کا کھنڈن کرتے تھے
اور سوائے نرگن بھگتی کے اور کسی طرح کے کرم کو پسند نہیں کرتے تھے۔ باتیں سب
سیدھی سادی اور عوام الناس کے دلوں کو لبھانے والی تھیں۔ ست نام پر
زور دیا جاتا تھا۔ انترمکھی اور باہری ست سنگ دونوں کا شوق دلایا جاتا تھا۔
شروع شروع میں تو لوگ ان کی پرواہ تک نہیں کرتے تھے۔ سب جانتے
تھے کہ اس "درزن کے لڑکے" سے کیا ہونا ہے۔ ہاں لاہے۔ مگر جب دیکھا کہ
اُن کے خیالات پھیلنے لگے۔ اور عقیدتمندوں کی تعداد جوق در جوق آنے لگی۔
تو سب کے کان کھڑے ہو گئے۔ اور پنڈتوں کی طرف سے مخالفت کا جو سامان
کھڑا کیا گیا۔ اس کا بیان مشکل ہے جھوٹی غیبت۔ شکایت اور اتہام لگانے
اور ہر طرح سے نندیا کرنے لگے۔ مگر مالک نے اُن کو کسی بڑے کام کے لیئے
بھیجا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیسے کیسے پہلو سے اس کام کو تقویت ملیگی۔ اس لئے
مخالفت کچھ کام نہیں آئی۔ اور ان کا زور دنوں دن بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ
براہمن اور کشتریوں کی بہت بڑی تعداد ان کے شاگردوں کے زمرہ میں شریک
اور شامل ہوئی۔ اور اب بھی بہت سے رئیس براہمن اور کشتری اس خاندان کے
چیلے ہیں۔

دریا صاحب مقام دھرکندھا میں پیدا ہوئے تھے۔ جو ریاست ڈمراؤں
کے دکن میں سات کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مقام ضلع آرہ میں ہے
یہ زیادہ دنوں تک اسی جگہ رہے۔ ہندؤں میں ایک عام کہاوت ہے "گھر کا
جوگی جوگڑا آن گاؤں کا سدھ" یوں بھی نبی اور پیغمبر اپنے ملک میں عزت نہیں
پاتے۔ مگر دریا صاحب نے اور سنتوں کی طرح اس کہاوت کو غلط ثابت کر دکھایا
اپنے گاؤں ہی میں بہت دنوں تک رہے۔ اور جب تک وہاں ست سنگ

کا سلسلہ مضبوطی کے ساتھ قایم نہیں ہوگیا۔ تب تک وہاں سے نہیں ٹلے جب اچھی طرح لوگ دھرم (اُپدیش) کو سمجھنے لگے۔ تب آپ اُپدیش کی غرض سے دورہ پر نکلے اور کاشی۔ رگھر۔ بانس۔ ہردی۔ لہانا وغیرہ مقامات میں گھوم پھر کر خیالات کا پرچار کیا۔ یہ مقامات بنارس۔ بستی۔ غازی پور۔ آرہ کے اضلاع میں ہیں ان کے سوا یہ اور اور جگہ بھی گئے تھے۔ مگر کمی کے ساتھ تاہم ان کے تعلیم کا سلسلہ دور دور تک جا پہنچا۔

دریا پنتھ کی خاص گدّی دھرکندھا میں ہے۔ اُس کی چار شاخیں۔ تیلپا۔ ولسی۔ مرزاپور (چھپرا) منواچو کی (مظفر پور) میں ہیں۔

پہلے ان کے ۳۶ شاگرد ہوئے تھے۔ بعد کو ہزاروں تک تعداد پہنچ گئی جن میں گرہست اور ورکت دونوں شامل تھے۔ ان کے گورو مکھ چیلے دل(داس) جی تھے۔ جنہوں نے گورو کے پیغام کو دُور دور پہنچایا۔

دریا صاحب ہندی زبان کے زبردست مصنف گذرے ہیں۔ اور ان کی ساری کتابیں نظم میں ہی ہیں۔ ان میں سے سوائے ایک آدھ کے کسی کو چھپنے کا موقع نہیں ملا۔ تاہم محقق اور متلاشیوں کے لئے اُن کے گرنتھوں کے نام یہاں داخل کئے جاتے ہیں۔ گیان رتن۔ گیان مُول۔ گیان سروَدے۔ بربھے گیان۔ کال چرتر۔ مورت اُکھاڑ۔ گربھ چیتاون۔ دریا نامہ۔ گنیش گوشٹی۔ بیٹھر گوشٹی۔ اگرگیان۔ بویک ساگر۔ برہم گیان۔ بھگتی ہیت۔ امر سار۔ پریم مولا۔ جگ ست ستیا۔ دریا ساگر وغیرہ وغیرہ۔

یہ کتابیں قلمی اُن کے مٹھوں سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اور صرف اُن کے شاگردوں کے ہاتھ آتی ہیں۔ جو گورکھپور۔ بلیا۔ بہار۔ دربھنگا۔ کٹک۔ جہناباد مرزاپور وغیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے شاگرد اور بھی ہندوستان کے مختلف حصّوں میں ملتے ہیں۔ مگر اور جگہ ان کی تعداد خال خال ہے۔

اس صاحب کمال مہاتما کی جتنی تعریف کی جائے بجا ہے۔ ان کی مہما کا پتہ ان کی بانی سے ملتا ہے۔ اور محقق کو ان ہی میں دریا صاحب کو تلاش کرنا چاہئے۔ اور جگہ وہ نہیں ملیں گے۔ آپ فرماتے ہیں:-

چوپائی

پیرے تیل تل ہی الگا۔ شبد چینہ ایسا بلگانا
یہ سندھی بُجھ جانے کوئی - جا کے ہردے وِویک کچھ ہوئی

ترجمہ۔ تل کے پیر دینے سے تل اور تیل دونوں الگ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے شبد کو پہچان کر فرق جان لینا چاہیئے۔ مگر اس ملاپ کے اشارہ کو صرف وہ لوگ جانتے ہیں جن کے دل میں کچھ گیان ہے۔

پوتھی پترا۔ گیتا گاؤ - بھید ناہیں تو وید بھلاؤ

ترجمہ۔ پوتھی۔ پترا۔ اور گیتا کو ضرور پڑھو۔ لیکن اگر بھید نہیں ملا تو فضول ہے۔ ایسی حالت میں وید کو بھی بھولا دو۔

دھن جیون جا کو ہے گیانا - پُرش پُران جن سمرن ٹھانا

ترجمہ۔ اُن کی زندگی مبارک ہے جن کو گیان ہے۔ انہوں نے ذات قدیم کو سمجھ کر سمرن کرنا شروع کیا ہے۔

ستگورو آگے تن من دیجے - پریم پریت رس کبہوں نہ چھیجے
من ممتا سب دُرمتی ڈارا - پرکھ لیہو شبد بج سارا

ترجمہ۔ گورو کے آگے تن من کو بھینٹ دھرو۔ ایسا کرنے سے پریم پریت کبھی کم نہ ہوگی۔ من ممتا اور بدھی دور ہٹ جائے گی۔ شبد کے بج بھید کو پرکھ لو۔

من پرمیشر من ہے راجا - من ہی تین لوک مہنہ چھاجا
یہ من کرتا وشنو کہاوے - من ہی بشمبھر ہو پرگاوے

ترجمہ - من ہی پرمیشور اور من ہی راجا ہے - من ہی تین لوک میں پھیلا ہے
یہ من کرتا ہونے سے وِشنو کہلاتا ہے - اور یہی تشنہر دھیش، ابن کر سنسار
پر غالب آتا ہے ؎

الغرض ان کی بانی بہت دِلچسپ ہے - اور پڑھنے کے قابل ہے - اور مبارک
ہیں وہ لوگ جو اِن کے کلام کا ہت چت سے پاٹھ کرتے ہیں ؎

تیرھواں باب

دریا صاحب (بہار والے)

دریا صاحب ذات کے دُھنیا مُسلمان تھے - یہ دادو پنتھی گھرانے
سے تعلق رکھتے تھے - گو بعد کو اپنا الگ پنتھ چلایا - اور اُس کا نام دریا پنتھ رکھا
اِن کا جنم مارواڑ دیش میں بھادوں بدی اشٹمی سمت ۱۷۳۳ بکرمی ہوا -
اور اگھن سودی پورن ماشی سمت ۱۸۱۵ میں گپت ہو گئے - اِن کی عمر بیاسی برس
کی تھی - اور اُس کا کثیر حِصّہ سنت مت کے پرچار اور جیوؤں کے چتانے میں صرف
ہوا ؎

ملک کی موج اور اتفاق کی بات ہے جس زمانہ میں اِن کا ظہور راجپوتانہ
میں ہوا - اُسی زمانہ میں بہار میں ایک اور سادھو دریا صاحب کے نام سے
پرگٹ ہوئے - جو مُسلمان اور ذات کے درزی تھے - اِن کا حال پہلے آ چکا ہے
بہار کے لوگ اِن کو جس طرح کبیر صاحب کا اوتار مانتے ہیں - قریب قریب راجپوتانہ
میں ان کی دادو صاحب کی طرح عزت کی جاتی ہے - دریا پنتھی فرقہ کا عقیدہ ہے
کہ دادو صاحب نے خود دریا صاحب کے متعلق پیشینگوئی کی تھی - اور اُن کے بدست

نقھو ہونے کی پہلے ہی سے خوشخبری سُنائی تھی۔ جو دوہا اس کے متعلق زبان زد خاص و عام ہے۔ وہ یہ ہے ؀

دیھ پڑنتا دادو کہے ۔ سو برساں یک سنت
رین نگر میں پرگٹے ۔ تارے جیو انت

تشریح۔ حالت نزع کے وقت دادو کہتے ہیں کہ سو برس کے بعد یک سنت رین نگر میں پرگٹ ہو کر بے شمار جیوؤں کو تار دیگا؀

دونوں دریا صاحب زیادہ عمر کے ہو کر پرلوک کو سدھارے تھے۔ مارواڑ کے دریا صاحب کی عمر بیاسی برس کی اور بہار کے دریا صاحب کی ۱۰۶ برس کی تھی۔ مارواڑ کے دریا صاحب بہار کے دریا صاحب سے دو برس بعد پیدا ہوئے۔ اور بائیس برس پہلے گپت ہو گئے۔ دونو صاحب سنت مت کے پیرو اور پرچارک گذرے ہیں؀

ذات پانت کا ڈھکوسلہ سنت مت میں قابل پذیرائی نہیں ہے۔ مالک جس سے چاہے اُس سے اپنا کام لے۔ اُس کو صرف بھگتی اور پریم پسند ہے اور اس لئے سنت مت کے پرچار میں نیچی ذات کے آچاریوں نے بہت بڑا حصہ لیا۔ اور وہ کام کر گئے۔ جو اُونچی قوموں سے مشکل تھا؀

دریا صاحب اپنے دُھنیا ہونے کی بابت ایک جگہ پر اس طرح فرماتے ہیں

جو دُھنیا تو بھی رام تمہارا
ادھم کمین جاتی ستی ھینا۔ تم تو ہو سرتاج ہمارا ٹیک،
(۱) کایا کا جتر شبد من مُٹھیا۔ سُکھمن تانت چڑھائی
گگن منڈل میں دُھنیا بیٹھا۔ میرے ستگور کلا سکھائی
وغیرہ وغیرہ

جس زمانہ میں مارواڑ میں دریا صاحب کا ظہور ہوا تھا۔ اس وقت جو دھپور

کے تخت پر مہاراج ستونت سنگھ جی براجمان تھے۔ اُن کو کوئی سخت مرض دامنگیر تھا حکیم اور ویدوں نے بہتیرا علاج کیا۔ مگر لاحاصل۔ آخر اُنہوں نے سُنا کہ رین نگرام گاؤں میں جو جودھپور کے پرگنہ میڑھتا میں واقع ہے ایک صاحب کمال فقیر رہتے ہیں۔ وہ بڑی عقیدتمندی کے ساتھ خود اُن کے پاس گئے۔ شفا کی درخواست کی دریا صاحب نے اپنے چیلے سُکھرام داس جی کو حکم دیا کہ ان کو سُرت شبد ابھیاس کی جگتی سکھاو۔ مہاراجہ صاحب اُن کے شاگرد ہوئے۔ اور چند روز تک عمل شغل کرتے سے اُن کا مرض خود بخود دُور ہو گیا۔ اس وجہ سے اُن کی نسبت لوگوں کا اعتقاد بہت بڑھ گیا۔ اور بہت سے آدمی اُن کے زمرہ شاگردی میں داخل ہو گئے

جب دریا صاحب سات برس کے تھے۔ تب ہی اُن کے باپ کا دیہانت ہو گیا۔ نانا نے اُن کی پرورش کی۔ جس کا نام کمیچ تھا۔ اور وہ بھی دریا صاحب کے پرتاپ سے تر گیا ✤

سُکھرام داس جی اُن کے گورمکھ چیلے تھے۔ جو ذات کے صقلی گر لوہار تھے اور لوہے کے صفائی اور مرمت کا کام کرتے تھے۔ انھوں نے دریا صاحب کے خیالات کو بڑے زور شور سے پرچار کیا۔ ان کی سمادھی رین گاؤں میں اب تک موجود ہے۔ اور وہاں ہر سال میلا لگا کرتا ہے۔ دریا صاحب کے پنتھ کے لوگ اب بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ مگر اُتنے نہیں ہیں۔ جتنے بہار کے دریا صاحب یا راجپوتانہ کے دادو صاحب کے ہیں ✤

دریا صاحب کے گورو ایک ہندو سادھو تھے۔ جن کا نام پریم جی تھا۔ وہ بیکانیر کے گاؤں کھیان سر میں رہتے تھے۔ یہ دادو پنتھی تھے ✤

ان دریا صاحب کی بانی قریب قریب ویسی ہی ہے جیسی بہار کے دریا صاحب کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سابق الذکر مہاتما کے شبدوں میں راجپوتانہ کے بولی کے شبد کہیں کہیں آجاتے ہیں۔ جس سے تمیز کی جا سکتی ہے

کہ یہ مختلف شخصوں کے کلام ہیں۔

دریا صاحب کی بانی بڑی انجھوی ہے۔ اور سنتے ہی دل میں اس طرح بیٹھ جاتی ہے۔ جیسے نشانہ پر تیر بیٹھتا ہے۔ یہاں ہم نمونہ کے طور پر ایک شبد داخل کرتے ہیں۔

شبد

دریا دربارہ اُکھل گیا - بجن کیواڑا

(۱) چمک بیج چلی جیوں دھارا - جیوں بجلی بیچ تارا
کھل گئے چند - بدری کا - گھور مٹا اندھیارا
(۲) لوگی جاے گگن کے لارا - چاندنی چوک نہارا
صورت سیل کرے نبھ اوپر - بنک نال پٹ پھاڑا
(۳) چڑھ گئی چاپ چلی جیوں ڈورا - جیوں مکڑی مکھ تارا
بین لی جاے پائی پیارا - جیوں سلیل جلدھارا
(۴) دیکھا روپ انیکھا - بیکھا وارنہ پارا
دریا دل درشن جھیٹے تب - اترے بھوجل پارا

یہ شبد دراصل روح کی بڑھائی اور وصال محبوب کے نظارہ کی بابت ہے۔ کلام میٹھا اور سُریلا ہے۔ اور پڑھنے پر دل خوش ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ سننے والا مذہب عشق اور سالکوں کے طریق کا محرم راز ہو۔ تاہم ہم اُن حقیقت پرستوں کے سمجھانے کے لئے اپنی سہل زبان میں اُس کا کچھ نہ کچھ ترجمہ کئے دیتے ہیں۔

ترجمہ - اے دریا! دربار کا زبردست کیواڑا (پھاٹک) کھل گیا۔

(۱) روح اس طرح چمکتی ہوئی دریا کے روانی کی شکل میں چل نکلی - جیسے بجلی کی روشنی کے ساتھ تارا چلتا ہے (۲) آسمان بادلوں سے صاف ہو گیا - چاند آب و تاب کے ساتھ نکل آیا - اور بادلوں کی وجہ سے جو گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی سب مٹ گئی (۳) گگن کے ساتھ لوگی ہوئی ہے - روح آہستہ آہستہ چلتی

"چاندنی کے چوک کا نظارہ دیکھتی ہے۔ (۴) سُرت (روح) نے بنگ نال (ٹیڑھا روحانی راستہ جو بھرکُٹی کے نیچے آتا ہے۔) کے پردوں کو چاک کر دیا۔ اور اب آسمان کی گلگشت کر رہی ہے۔ (۵) جس طرح کمان کے کھینچتے ہی سنسناتا ہُوا تیر نکل جاتا ہے اور جیسے مکڑی اپنے ہی مُنہ کے تاگے کو زمین پر لگا کر اُسی کے آسرے اُوپر کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ ویسے ہی دھارا کی طرح روح بھی جا رہی ہے۔ (۶) میں اپنے پریتم پیارے سے مِلا۔ اُس کو پا لیا۔ جیسے ندی سمندر میں جا کر اُس کو اپنا بنا لیتی ہے۔ (۷) میں نے ایسا روپ دیکھا۔ جو اُروپ اور الیکھا تھا۔ نہ اُس کا رُوپ ہے نہ لیکھا (حساب) ہے وہ اِن سے پرے ہے (۸) اور اُسی وقت دریا۔ دِل سے فقیر بنکر بھو ساگر کے پار پہنچ گئے۔

سمجھنے والو! اگر روحانیت سے ذرا بھی مَس ہے تو تم اِس خوبصورت نظم کی داد دئے بغیر نہیں رہو گے۔ ہاں اگر اِس سے بالکل ہی کورے ہو تو کہنا سُننا لاحاصل ہوگا۔

شبد (۲)

نام بِنا بھو کرم نہ چھوٹے (ٹیک)

سادھ سنگ اور نام بھجن بِن۔ کال نِرنتر لوٹے
مَل سیتی جو مَل کو دھووے۔ سو مَل کیسے چھوٹے
پریم کا صابن نام کا پانی۔ دوے مِل تانتا ٹوٹے
بھید ابھید بھرم کا بھانڈا۔ چَوڑے پڑ پڑ پھوٹے
گُورمُکھ شبد گہے اُر انتر۔ سکل بھرم سے چھُوٹے
رام کا دھیان تو دھرے پرانی۔ امرت کا مینہ بُوٹے
جَن دریاو اَرپ دے آپا۔ جرا مرن تب ٹوٹے

(۳)

سادھو ایک اچنبھا دیٹھا

کروا نیم کہے سب کوئی - پیوے جا کو میٹھا (ٹیک)

(۱) بوند کے ماہیں سمندر سمانا - رائی میں پربت ڈوبے
چیونٹی اُوپر ہاتھی بیٹھا - گھٹ میں اگھٹا اوبے

(۲) گھٹ بھیتر ہے سُور سمانا - چندر اُلٹ گیا راہو
راہو اُلٹ کرتار سمانا بھوُمی میں گگن سماؤ

(۳) ترن کے بھیتر اگن سمانی - راو رنک بس ہو وے
اُلٹ کپال تِل ماہیں سمانا - ناج ترازو تولے

(۴) ستگور ملیں تو ارتھ بتاویں - جیو برہم کا میلا
جن دریا داید کو پَرسے - سو ہے گورو میں چیلا

(۳۳)

ستگور سے شبد لے رہندسے رہن کر - ہر وسے میں آن کرمھیان لاوے
گھٹ کنول بھید کرنا ہی کمنول چھید کر - کام کرلوپ پاتال جاوے
جہاں سائیں کو سیس دے جم کے سر پاؤں دے - میر ودھو ہوے اکاس اُوے
گم ہے باغ جہاں سنگم گُل کھِل رہا - داس دریا و دیدار پاوے

ساکھی

(۱) دریا نام ہے نرملا - پورن برہم اگادھ
کہے سُنے سُکھ نا لہے - سمرے پاوے سواد

(۲) دریا سمرے رام کو - کرم بھرم سب کھوے
پورا گورو سر پر سے - [illegible] نہ لاگے کوے

(۳) رام بنا پھیکا لگے - کرم دھرم اور گیان
دریا دیپک کیا کرے - اُوے بھیا رَوِ بھان

(۴) دریا سورج اوگیا - چھوں دس بھیا اُجاس
نام پرکاسا دیہہ میں - سکل بھرم کا ناس
(۵) دریا نرتن پائے کر - کیا چاہے کاج
رادرنک دونوں تریں - بیٹھے نام جہاز

وغیرہ وغیرہ

باقی بہت نتیجہ خیز اور سبق آموز ہے جن کو خواہش ہو - اصلی کتاب لیکر مطالعہ کریں +

چودھواں باب

نپٹ نرنجن

نپٹ نرنجن دولت آباد کا رہنے والا ایک گوڑ براہمن کا لڑکا تھا یہ کب ہوا - کوئی نہیں بتا سکتا - آتم گیانی بہت در - اور ہندی کا اچھا شاعر ہوا ہے جو بات کہتا تھا - جچی تلی ہوئی - باون تولہ پاؤ رتی - اسی وجہ سے اس کو "نپٹ نکما" بھی کہتے ہیں - ان کا ذہن سادہ تھا - خداداد طبیعت پائی تھی - لالچ نام کو بھی نہیں تھا - شاعری میں کسی کا مقلد نہیں تھا جو جی میں آیا کہہ سنایا - یہ بھی خیال نہیں کہ کوئی کیا کہیگا - جہاں جاتا تھا ٹھٹ کے ٹھٹ آدمی اس کے کبت سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے - کبت ہی پڑھکر یہ اُپدیش دیتا تھا - اس کے شبد اس طرح دل کو لگتے تھے - جیسے نشانہ پر تیر لگتا تھا جس نے سنا موہت ہوگیا - سرسوتی زبان پر بستی تھی +

ایک مرتبہ کا ذکر ہے - یہ دورہ میں تھا - کوئی بنیانی آنا پیس رہی تھی گیہوں

کے دانہ چکی کے اندر داخل ہوتے ہی پس پس کر باہر آجاتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر یہ رونے لگا

چلتی چکی دیکھ کر - دیا کبیرا روئے
دو پاٹن کے بیچ میں - ثابت رہا نہ کوئے

یہ بانی اس کے زبان پر تھی جب اس کی یہ دشا تھی۔ مالک کی موج! اُسی وقت ایک کبیر پنتھی سادھو کا اُدھر سے گذر ہوا۔ اس نے پوچھا تو کیوں رو رہا ہے؟ وہ بولا یہ برہم اور مایا دو پاٹ ہیں۔ برہم نیچے کا پاٹ ہے۔ مایا اوپر کا پاٹ ہے۔ اور جیو ان دونوں کے درمیان دلنے کی حیثیت رکھتے ہیں چلتی ہوئی چکی کو دیکھ کر مجھ کو کبیر صاحب کی بانی یاد آگئی۔ اور میں رونے لگا۔ میں بھی اسی طرح دانہ بنا ہوا اس برہم چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہا ہوں سادھو سیانا تھا بولا جو دانہ کہ چکی کے کھونٹے کے گرد آجاتا ہے۔ وہ بچ جاتا ہے۔ تو بھی گرو کا آسرا پکڑ لے جنم مرن کے خوف سے نجات پاویگا۔ پنڈت نرنجن کی آنکھ کھل گئی۔ اسی سادھو سے دیکشا لی۔ اور پھر آزاد ہو کر دُنیا میں وچرنے لگا۔ اس کے کبت بڑے رسیلے ہیں نمونہ کے طور پر یہاں ایک آدھ داخل کئے جاتے ہیں ؂

کبت

(۱) جوگ جگت کر دیکھے - دھیان ہوں دھر دیکھے
کرم بھی کر دیکھے - کچھ بھی بھیو نہیں
(۲) سندھیا سنان کر دیکھے - دیو پوجا دھر دیکھے
پون سیس چڑھا دیکھے - بال بھی اکھاڑیو نہیں
(۳) کاشی رمیشور پھر دیکھے - دوار کا جگناتھ سب دیکھے
اجودھیا متھرا دیکھے - دیو تو ملیو نہیں
(۴) تن میں خاک چڑھائی - جٹ داڑھی بھی بڑھائی

نیم کے پات کھائی - ۔۔۔۔۔۔ ہی بھیو نہیں
(۵) کہے نپٹ نرنجن لال - ملے جب سنگور دیال
تب ایک ہی پلک میں - خلق کی جھاک گیو نہیں

اُوپر کے کبت میں کئی طرح کی غلطیاں ہیں - اِن کی کوئی کتاب تو چھپی نہیں. غلطی کا ہونا ضروری ہے - دوسرا کبت ملاحظہ ہو +

(۱) پَون کا بنا وے تُول - سُورج کا کرے ہنڈول ! اعلیٰ
پرتھوی کا کرے مول - ایسا کون نَر ہے
(۲) پتھر کا کاتے سُوت - بانجھ کا پڑھاوے پُوت
گھٹ ہیں بولاوے بھُوت - واکو کون گھر ہے
(۳) دھرو کو چلاوے راہ - بجلی سنگ کرے بیاہ
ساگر کا لیوے تھاہ - سب کو جا کا ڈر ہے
(۴) کون دن کون رات - کون واکو تات مات
نپٹ نرنجن کہے بات - جو بتاوے گُرو ہے

نپٹ نرنجن کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ اُس کو گذرے ہوئے ڈھائی سو برس ہوئے ہیں - اس کے کلام دیہاتیوں کی زبان پر رہتے ہیں - اگر کوئی شخص اُن کو اکٹھا کرے تو کبتوں کا اچھا ذخیرہ فراہم ہو سکتا ہے +

یہ دو لفظ ہے جدا جدا کا مطلب

پندرھواں باب

شری دیو چند جی اور شری پران ناتھ جی

شری دیو چند جی قوم کے کایستھ تھے - اور مارواڑ کے علاقہ امرکوٹ میں

سمت ۱۹۳۸ میں پیدا ہوئے تھے۔ باپ کا نام متو مہتہ تھا۔ ماں کنور بائی کہلاتی تھی
یہ دونوں ایشور کے بھگت تھے اور کرشن بھگوان کے سچے اپاسک تھے
شری دیوچندجی لڑکپن ہی سے ہوشیار تھے بدھی حاصل تھی۔ مزاج ستوگنی
تھا چت میں دیا تھی۔ صفت و استقلال کا یہ حال تھا کہ جس کام کو ہاتھ لگاتے تھے
اسکو پورا کئے بغیر نہیں چھوڑتے تھے۔ ابتدائی تعلیم معمولی تھی۔ جو کچھ لڑکپن
میں پڑھا لکھا اپنے ماں باپ ہی سے پڑھا لکھا تھا۔ روایتیں کہتی ہیں کہ
امرکوٹ کے باہر ایک شیام جی کا مندر تھا۔ ماں باپ کے ساتھ یہ بھی کبھی
کبھی درشن کے لیئے جایا کرتے تھے۔ ایک دن جب ان کی عمر گیارہ برس کی تھی
مندر میں پوجا کر رہے تھے۔ دل میں خیال پیدا ہوا۔ میں کون ہوں۔ کس غرض دنیا
میں آیا ہوں۔ کیا کام مجھ کو کرنا چاہیئے۔ پر برہم پرماتما کیا ہے۔ اس سے میرا
تعلق کیا ہے۔ ہر ایک شخص دنیا میں کسی نہ کسی غرض سے آتا ہے۔ میرے آنے
کی بھی کوئی غرض ضرور ہوگی۔ غرض یہ کہ اس طرح کے سوالات کی الجھن میں
پھنس گئے۔ جب پوجا کر کے واپس جانے لگے کسی سادھو سے ملاقات
ہوگئی۔ اس سے کئی طرح کے پرشنوتر ہوئے۔ اور اسی وقت سے ویراگ کا
گہرا تصور دل میں قائم ہوگیا۔ لال داس نامی ایک شخص کچھ کو جا رہا تھا انہوں
نے بھی اس کے ساتھ وہاں کا ارادہ کیا۔ مختلف مذہب اور طریقوں کے سادھوں
سے ملے۔ مذہبی چرچا کیئے۔ مگر کسی سے اطمینان نہیں ہوا۔ تب سنیاسی ہو
گئے۔ اور جابجا بھجن کرنے لگے۔ مگر وہ سوال جو امرکوٹ کے قیام کے
زمانہ میں دل میں پیدا ہو گئے تھے نہیں دور ہوئے۔ جتنا ہی یہ سوچتے
رہتے تھے اتنا ہی وہ مضبوطی کے ساتھ ان کے دل میں قائم ہوتے جاتے
تھے۔ آخر میں شاستر پڑھنے لگے۔ مگر یہ بھی غیر کافی ثابت ہوا۔ آخر دورہ
کرتے ہوئے بھج میں پہنچے۔ یہاں ہرداس جی نامی ایک آتم پرشن رہتے

تھے۔ دیوچند جی نے ان کے پوجا بندگی کو بہت پسند کیا۔ مگر کہنے لگے۔ سادھو!
یہ سب درست ہے۔ مگر میرا دل کچھ اس سے زیادہ چاہتا ہے۔ مجھ کو بھجن بندگی
سے پریم ہے۔ مگر دل میں کسی اور بات کی تلاش ہے۔ آپ بتاؤ وہ مقصد
کس طرح حاصل ہو۔ وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ تب وہ وہاں سے چل کر
ترمم پوری میں آئے۔ جس کو نواں نگری یا جام نگر بھی کہتے ہیں۔ یہاں سیام
سندر کا ایک مندر تھا۔ دیوچند جی یہاں آکر مقیم ہو گئے۔ اور کان جی بھٹ
کی زبانی شریمد بھاگوت کی کتھا سننے لگے۔ کان جی بھٹ کو ان سے کچھ ایسا پریم
پیدا ہو گیا کہ وہ روز اسی غرض سے مندر آتا۔ دیوچند جی درازی وقت شوق
کے ساتھ کتھا سنتے۔ فرصت کے وقت ضروری جپ تپ میں مصروف رہتے
اور اکثر سوالوں پر غور کیا کرتے تھے۔ جو امرکوٹ میں ان کے دل میں پیدا
ہو گئے تھے۔ یہ حالت پورے چالیس برس کے زمانہ تک رہی انہوں نے
دل میں ٹھان لی تھی کہ جب تک یہ معمہ حل نہ ہو جائے گا۔ اس وقت تک
اس جگہ کو چھوڑنا مصلحت نہیں ہے۔ آخر وقت آپہونچا۔ اور ان کو سچائی
درشن مل گیا۔ انسان جو چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے۔ صرف سچے ارادہ کی
ضرورت ہے۔

جن ڈھونڈا تن پائیاں۔ گہرے پانی پیٹھ
میں بپوری ڈھونڈن چلی کنارے بیٹھ

جس میں سچی لگن ہے جس میں سچی تڑپ ہے۔ جو اپنے مقصود و مطلوب
کے لئے جان تک دینے سے گریز نہیں کرتا۔ صرف اسکو کامیابی نصیب ہوتی
ہے۔ شوق میں مرمٹو۔ پھر تم کو درشن نصیب ہوگا۔ اور اگر اپنی زندگی بھی چاہتے ہو
اور مالک کو بھی چاہتے ہو تو پھر اس کا ہاتھ آنا مشکل ہے۔
ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ایک خیال ست و محال ست و جنوں

دل کی آنکھ کھل گئی۔ سچائی کا دو بدو مشاہدہ ہو گیا۔ دل میں شانتی اور
ترپتی آ گئی۔ اور شری دیو چندجی کی بے خودی و محویت کی حالت میں مست۔ مجھے
اپنے آپے کی خبر نہیں رہی تھی جب ہوش آیا۔ دوسروں کو اپدیش دینے لگے
کلام میں جادو کا اثر تھا۔ انہوں نے بھگتی بہت بڑھی ہوئی تھی۔ جو لفظ منہ سے نکلتے
تھے جچے اور تلے ہوئے نکلتے تھے۔ اور [illegible] جام
نگر کا ایک مشہور دولتمند سیٹھ گنگا جی بھائی ان کا پہلا شاگرد ہوا۔ پھر تو ہزاروں
کی جمعیت ساتھ رہنے لگی۔ اور کتنے آدمی ان سے فیض پانے کے لئے ٹھٹ
کے ٹھٹ آنے لگے۔ روحانیت کے شمع کے روشن ہوتے ہی ہر چہار طرف
سے پروانے ٹوٹنے لگے۔

اس زمانہ میں جام نگر کا دیوان ٹھاکر کیشو جی کیسے تھا۔ اس کی استری دھن
بائی بڑی دھرماتما تھی۔ سمت ۱۶۷۵ بکرمی میں اس کے بطن سے شری پران ناتھ جی
پیدا ہوئے۔ دھن بائی ایک دن شری دیو چندجی سے ملنے آئی۔ اس کے ساتھ
بارہ برس کی عمر کے لڑکے شری پران ناتھ موجود تھے۔ ان پر دیو چندجی کی نگاہ
مہر آلود پڑ گئی۔ اور وہ پروانہ کی طرح ان کے گرد طواف کرنے لگے۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

دھن بائی نے لڑکے کی حالت دیکھی۔ سمجھ گئی کہ یہ کسی پاک کام کے لئے
[illegible] ہوا ہے۔ اس کا سر پکڑ کر ان کے پیروں پر ڈال دیا۔ اور اس کے
[illegible] کرنے کی درخواست کی۔ شری دیو چندنے پران ناتھ کو اپنا شاگرد بنایا
اور بھگتی بھاؤ کا اپدیش دے کر کچھ دنوں ایکانت میں رکھ کر ابھیاس کرایا [illegible]
دور کر کے تعلیم دینے کا حکم دیا۔ ان کا ابھیاس سرت شبد یوگ تھا جو کسی

دھام کو سدھارے اور اسی وقت سے پران ناتھ کے گیان کی بدھی میں ترقی ہوتی ہو گئی۔ کچھ عرصہ تک وہ تپ تپسیا کرتے رہے۔ بعد ازاں دلّی و قتاً فوقتاً میں بھرمن کرتے ہوئے جیوؤں کو بتانے لگے اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ ایک دھرماچاریہ کا ظہور ہوا ہے۔ پہلے وہ جوناگڈھ۔ دیو بندر۔ بیراول۔ مانگرول اور سندر اور کچھ وغیرہ جگہوں کا دورہ کرتے رہے۔ جہاں ان کے ہزاروں شاگرد ہو گئے۔ اس کے بعد ٹھٹھ میں آگئے۔ پھر سندھ گئے۔ نگر ٹھٹھہ کا دورہ کیا یہاں بھی انکی تعلیم کی دھوم مچ گئی۔ سندھ سے پھر عربستان کے مشہور مقام مسقط میں آگئے اور یہاں کئی ہند و سوداگروں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ عرب سے پھر عباس بندر پہونچے۔ پھر سندھ میں آئے اور ٹھٹھہ کو فتح کیا۔ کچھ و گجراتی ہوتے ہوتے سورت میں داخل ہوئے۔ یہاں لوگ بڑی کثرت سے انکے شاگرد ہوئے۔ سورت میں کچھ عرصہ مقیم رہ کر کلتش نامی مذہبی کتاب تصنیف کی اور سارے گجرات میں پھیر پھیر کر اسکو رواج دیا۔ گجرات سے مارواڑ کے ایک گاؤں میڑتا نامی میں آکر کچھ دنوں کے لیے قیام کیا۔ یہاں ملا سند ایک قاضی سے دھرم سمبندھی معاملات میں ان کا سمواد ہوا۔ میڑتا سے پھر وہ ہردوار میں پہونچے جہاں بہت سے سادھو ان کے معتقد ہو گئے۔ ان کی منڈلی کو ساتھ لے کر دلی میں عالمگیر اورنگ زیب سے ملنے آگئے۔ اس وقت ہندوؤں پر بڑی سختی کی جاتی تھی انہوں نے بادشاہ کے پاس اپنے شاگرد بھیجے اور اسے کہلایا کہ "خدا کے بندوں پر سختی کرنے سے باز آجا" مگر اس وقت کون ان کی سنتا تھا۔ آخر ایکدن جب بادشاہ جامع مسجد سے نماز پڑھ کر جا رہا تھا یہ راہ میں ملے کہنے لگے "میں عیسیٰ مہدی امام ہوں میں نہیں چاہتا کہ دھرم کے لئے کسی پر حملہ ہو غیرت اسی میں ہے کہ تو ادھرم کو چھوڑ دے" اورنگ زیب مسکراتا ہوا چلا گیا۔ دلّی میں اکثر ہندو ان کے شاگرد ہو گئے۔ دلی سے پھر یہ اودے پور رنی میں آئے۔ وہاں سے مندسور

اُجین ہو اور نگر کے راجے کو معتقد بنایا۔ پھر رام نگر کے راجہ کو تھنا یا اور ہزاروں آدمیوں کو روحانی تشفی بخشی۔

دِلّی میں اورنگ زیب نے پران ناتھ کی گفتگو کا کچھ نوٹس نہیں لیا مگر جب دیکھا کہ ملک میں جابجا اس فقیر کا زور شور کے ساتھ چرچا ہو رہا ہے تب سردار شیخ کو جس کا نام شیخ کھیدر لکھا ہوا ہے معہ سیٹھ چھیکا کے روانہ کیا تا کہ وہ زور نہ پکڑنے پاویں۔ ان کے ساتھ لشکر بھی تھی۔ جس وقت یہ پران ناتھ کے پاس پہنچے۔ وہ بے پرواہی سے بیٹھے ہوئے تھے چہرہ پر ذرا بھی خوف نہیں۔ کہ شاہی لشکر ان کا کیا کر سکے گی۔ سردار اور سیٹھ ان سے ملے۔ انہوں نے قرآن وغیرہ کے حوالے دے کر ان کے دل پر اپنی بزرگی ثابت کی۔ اور کتنے آدمیوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ اس واقعہ کا ذکر تواریخ میں بھی کہیں آیا ہے یا نہیں۔ ہم کو نہیں معلوم ہے۔ پرنامی پنتھ کی کتابوں میں ممکن ہے اس کا حوالہ آتا ہوگا۔

اسی طرح وہ سیر کرتے ہوئے وِندھیا چل میں داخل ہوئے جس کو اس وقت نائین کہتے تھے۔ اور اب بھی بندیل کھنڈ میں اس کا مشہور نام چھتا پاہی الغرض چھتر سال ساکن سکھ وہاں راج کرتا تھا۔ اس نے سادھو کی پیشوائی کے لئے اپنے سردار روانہ کئے۔ اور ان کا اپدیش قبول کیا۔ اور معہ اپنے خاندان کے چیلا ہو گیا۔ پران ناتھ جی پنا میں بہت دنوں تک رہے۔ اور صرف پنا ہی میں ان کے ہزاروں شاگرد ہو گئے۔

وہاں سے پھر یہ چترکوٹ چلے آئے۔ اور اس کے آس پاس بہت سے راجاؤں کو اپنا شاگرد بنایا۔ کالپی میں دھرم کے نرنے کرنے کے لئے ایک بہت بڑی سبھا منعقد کی جس کا اثر کل ملک میں محیط ہوا۔ اور بہت سے آدمی ان کے پنتھ میں شامل ہو گئے۔ ان کا پنتھ پرنامی پنتھ کہلاتا ہے۔ پنا ان کے پنتھ کا پہلا صدر مقام ہے۔ وہاں ہی ان کی خوبصورت سمادھی بنی ہوئی ہے

جس پر لاکھوں روپے کا بیش قیمت جڑاؤ چھتر ہے۔ اس مندر کے پوجاری ٹھاکر کہلاتے ہیں۔ مہاراجہ چھتر سال کے بعد انکے خاندان کے لوگ ابھی پنّہ کے تخت پر بیٹھتے ہیں۔ جب تک چھتر سال زندہ رہے تب تک انکے خاندان کے لوگ ابھی پنتھ کے شاگرد ہوا کرتے تھے بعد پوجاریوں کے ساتھ راج کے کارباریوں کا جھگڑا ہونے لگا۔ اور چونکہ پوجاری جاہل اور ناداں تھے۔ عقیدہ ہٹ گیا۔ اب پنّا کا شاہی خاندان اس پیرو نہیں ہے۔ تاہم ایک بات اب بھی ہے جو راجہ گدی پر بیٹھتا ہے۔ وہ برس میں چودہ دن مندر کے درشن کے لئے آیا کرتا ہے مندر ہی ہر اس کا تلک ہوتا ہے۔ اور مندر کی خدمت اور حفاظت اس کا دھرم سمجھا جاتا ہے۔

شری دیو چند جی کی سمادھی نوتم پوری (جام نگر) میں تھی۔ اب اس جگہ ایک خوبصورت مندر واقع ہے۔ مندر کے اوپر ایک درخت ہے جس کا نام گجراتی زبان میں کھیجڑا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو کھیجڑا پنتھ بھی کہتے ہیں پرنامی پنتھ کا دوسرا نام معراج پنتھ بھی ہے۔ معراج عربی زبان کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ اور جب ہم پرنامی پنتھ کو ہندو و مسلمانی مذہب کے معجون مرکب کی صورت میں دیکھتے ہیں تو اس کے محمدی اصلاح میں کچھ شک و شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ شری دیو چند جی نے ہندو و مسلمان دونوں کو اپنا شاگرد بنا لیا تھا۔ اور اسی غرض سے ان کے مذہب میں ہر دو قوم کے اکثر آدمی کثرت سے شریک ہو گئے تھے۔ بالخصوص جو ہندو زبردستی مسلمان بنائے گئے تھے ان کے لئے تو پرنامی پنتھ ایک غیر متبرقبہ تھا۔

شری دیو چند جی کا لڑکا بہاری داس گزرا ہے اس نے چاکل نامی مقام میں اپنا نیا پنتھ چلایا۔ جو چاکل پنتھ کہلاتا ہے۔ اس کے مندر کا نام بھی چاکل مندر ہے۔

پرنامی پنتھ کے خاص مندر نوتم پوری (جام نگر) سورت اور پنّا میں

ہیں۔ خال خال اس کے شاگرد پنجاب میں بھی ملیں گے۔ مگر اب کہیں بھی اس کا زور نظر نہیں آتا۔ اس زمانہ میں چونکہ وہ ضرورت وقت تھا اپنا کام کر گیا اور نہ صرف مسلمان شدہ ہندوؤں کو واپس لانے میں کامیابی حاصل کی بلکہ بہت سے مسلمان اس کی بدولت ہندوؤں میں آ ملے۔

اس پنتھ کے اصول بہت سیدھے سادے ہیں۔ یہ کرشن جی کے بال گوپال روپ کے ہیں۔ کرشن کے گیارہ برس کی عمر تک کے چرتر کو یہ لوگ بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ وشنوؤں کی طرح تلک لگاتے ہیں تلک ناک سے ذرا اونچا ہوتا ہے۔ بیچ میں بندی دی جاتی ہے۔ تلسی کی مالا پہنی جاتی ہے۔ شری دیو پران ناتھ جی نے کوتیم سروپ نامی ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ وہ اس مذہب کی اصلی دھرم پستک مانی جاتی ہے اور اسی کی پوجا ہوتی ہے بالعموم مندروں میں مورتی نہیں رکھی جاتی۔ صرف گرنتھ ہی رہتا ہے کاٹھیاواڑ گجرات اور شمالی ہند میں اس مذہب کے پیرو اب بھی ملتے ہیں۔ کون جانے انکو ہی دیکھ کر گورو گوبند سنگھ نے خالصہ پنتھ میں گرنتھ صاحب کو گورو مان لیا ہو۔

اس کا اصل الاصول ویدانت کا ادویت واد ہے۔ اس کے ساتھ بہت سے مسلمان اور ویشنو عقائد شامل کر دیئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی یوگا بھیاس۔ سرت شبد یوگ کی بھی کچھ تعلیم ہوتی تھی۔ آچاریہ کے لئے تیاگی ہونا ضروری ہے۔ دوسرے لوگ جو گرہستی میں پاکی اور صفائی سے رہ کر شری کرشن جی کے بال سروپ کا دھیان کریں۔ اور دھرم کی زندگی بسر کریں یہی اس پنتھ کے چند سادے اصول ہیں۔ اس پنتھ میں اور سنتوں کے مذہب میں اتنا فرق ہے۔ کہ اس میں مورتی پوجا کی جاتی ہے ورنہ بہت باتوں میں وہ اس کے مشابہ ہے۔

باب سولھواں

دین درویش

دین درویش مسلمان تھا۔ ابتدا میں سچا اور دیندار شخص تھا بعد کو ہندوؤں کے درمیان رہنے کے سبب سے اس میں روحانیت کی پھرنا کچھ عجیب طرح پر ہوئی۔ یہ گو جسم کے لحاظ سے مسلمان کہا جانے والا تھا۔ مگر خیالات اور روح کے لحاظ سے وہ کچھ کا کچھ بن گیا۔ یہ پاٹھن کا بیٹا تھا۔ فارسی وغیرہ بھی کچھ پڑھا تھا علمی لیاقت اتنی اچھی نہیں تھی۔ مگر دیوان شکتی بڑھ گئی تھی اور جو بات کہتا تھا وہ اس قسم کی ہوتی تھی۔ گویا آنکھوں دیکھ رہا ہے۔ شاعری سے قدرتی مذاق تھا۔ اور شاعر بھی یہ قدرتی ہی تھا۔ تصنع اور بناوٹ نام کو نہیں تھی۔ جو بات تھی صاف صاف تھی۔

اس کی ابتدائی زندگی کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ کہنے والے اتنا کہتے ہیں کہ بیس برس کی عمر میں اس کو مسلمانوں کے مذہبی مقامات کی سیر کی خواہش ہوئی۔ جو اس کی دینداری اور مذہبی شوق کی انتہا کہی جا سکتی ہے جب مسلمانوں کے پاک مقامات کی زیارت کر آیا۔ پھر اس کو ہندوؤں کے تیرتھوں میں جانے کا شوق ہوا۔ اور قریب قریب سارے تیرتھ اس نے دیکھ لئے گوکل۔ بندرابن۔ کاشی پریاگ۔ پشکر۔ شری ناتھ وغیرہ مقامات کا عرصہ تک چکر لگاتا رہا۔ تیرتھ یاترا کے بعد دیکھا گیا کہ اس کی مسلمانی وضع میں تبدیلی آ گئی اور وہ ایکانت سیون میں رہنے لگا۔ اور کبیر صاحب کے عقائد کا معتقد ہو گیا۔

اس کا معمول تھا کہ ہر پورن ماشی کو سرسوتی ندی میں شنان کرنے آتا

تھا۔ ساتھ شاگرد ہوا کرتے تھے۔ اور شعر و سخن کا بازار گرم رہتا تھا۔ ایک موقع پر جب یہ سرسوتی نشان کو آیا بہت سے بھاٹ۔ چارن اور براہمن شاعر بھی وہاں آئے تھے۔ دو تین سو آدمیوں کا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ جب یہ اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر کبت وغیرہ پڑھنے لگا۔ ہندو شاعروں کو رشک ہوا اور کون جانتے یہ مجمع محض اس غریب کے زک دینے کے لئے اکٹھا ہو گیا ہو۔ کیونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں دین درویش کی شاعری زبانزد خلایق ہو گئی تھی۔ اور ہندو مسلمان سب شوق سے اس کو گایا کرتے تھے۔

جب زیادہ چھیڑ چھاڑ کی نوبت پہنچی۔ یہ بات طے ہوئی کہ دین درویش اور کان کوی کا مقابلہ کیا جاوے۔ جو ہارے وہ دوسرے کا شاگرد ہو جاوے اس فیصلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں کی تعداد ان کا تماشہ دیکھنے کے لئے سرسوتی کے کنارے اکٹھی ہو گئی۔ یہ میلہ سدھ پور نامی ایک مقام میں منعقد ہوا تھا۔ دین درویش اور کان کوی دونوں قوم کے گجراتی تھے۔ ان کی شاعری بھی اسی زبان میں ہوا کرتی تھی۔ لوگوں نے یہ صلاح کی کہ پہلے دین درویش اپنی نظم سنا دے دونوں نے اپنی شاعری کے تماشے دکھانے شروع کئے۔ دونوں ہوشیار اور چالاک تھے۔ ہر طرف سے تعریفوں کی صدائیں بلند ہونی شروع ہوئیں۔ بہت دن تک متواتر دونوں کا مقابلہ رہا۔ مگر کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ ایک دوسرے پر ترجیح دے سکے۔ یہ سچ ہے کہ کان کوی سنسکرت وغیرہ سے واقف تھا۔ مگر دین درویش کی سادگی اور پاکیزگی و کلام کی سلاست عجیب طرح کی تھی۔ جو لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ آخر جب کسی سے فیصلہ نہ ہو سکا۔ سب پاٹڑی نامی علاقہ کے ٹھاکر کے پاس گئے۔ اس نے دونوں کو برابر برابر انعام دے کر خوش کیا اور اس طرح ان کا جھگڑا دور کرنا چاہا۔

کان کوئی نے ٹھاکر کے طور مخالفت کہا کہ دین درویش کی شاعری اعلےٰ درجہ کی نہیں ہے۔ مگر ٹھاکر نے جواب دیا کہ دین درویش کے کلام میں مالک کی بھگتی بڑی رسیلی زبان میں بیان کی گئی ہے۔ اور ایک موقع بھی ایسا نہیں آیا ہے۔ کہ ان کے شان میں کوئی کلمہ ناحق استعمال کیا گیا ہو۔ اس قسم کے پاس ادب کا لحاظ کمتر شاعروں کو ہوتا ہے۔ کان کوی کے کان کھڑے ہوئے۔ پھر اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

دین درویش کی بابت گجرات عام طور پر مشہور ہے کہ اس نے سوا لاکھ ۱۲۵۰۰۰ کنڈلیاں لکھی تھیں۔ خبر نہیں یہ کہاں تک کتاب کی صورت میں اکٹھا کی گئی ہیں۔ تاہم ان کی بہت بڑی تعداد عام آدمیوں کے زبان پر رہتی ہے۔ اور اس سے ہزاروں اور لاکھوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

دین درویش بہت معمولی درجہ کا آدمی تھا۔ نہ راجہ تھا نہ رئیس تھا نہ عالم تھا نہ فاضل تھا۔ مگر وہ ایسا کام کر گیا ہے جس سے پشتہا پشت تک اس کا نام سب کی زبان پر رہے گا کتنے نئے شاعر اس سے شاعری کا سبق سیکھتے ہیں۔ عالموں اور پنڈتوں کو ہزار ہا غرور اپنی علمیت کا ہو۔ مگر اس طرح کے نیک جذبات والے انسان جو کام کر جاتے ہیں۔ وہ ان میں سے ہزاروں میں سے بھی نہیں ہوتا۔ یہ دین درویش کبیر صاحب کے کلام کا مقلد اور انہیں کے طریقہ کا پیرو تھا۔ ہندو اور مسلمان سب اس کی تعریف کرتے ہیں۔ وہ دونوں کا ہے اور پھر بھی دونوں میں سے کسی کا نہیں۔ کلام میں اثر ہے کہ جس کا حد و حساب نہیں۔ زبان گو گجراتی ہے۔ مگر الفاظ کے ذرہ رد بدل سے کسی کو یہ تمیز نہیں ہو سکتی کہ ہندی کی شاعری نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اس کی چند کنڈلیاں ہم یہاں داخل کرتے ہیں۔

(۱) کوڑی ملے نہ بھاگ بن سیکھو ہنر ہزار

کیوں زیادے صاحب بنالیکھ کرتا ر
بنالیکھ کرتار۔ جگت سب پھیر پھرآوے
بھٹنگ چھپے کاج۔ گانٹھ کی لاج گنواوے
کہے دین درویش۔ دکھی جیت چھوڑ وِش دوڑی
سیکھو ہنر ہزار بھاگ بن ملے نہ کوڑی

۲ بندہ! بازی جھوٹ ہے مت ساچی کرمان
کہاں بیربل گنگ ہیں۔ کہاں اکبر کہاں ۱خان
کہاں اکبر کہاں ۲خان۔ بھلے کی رہے بھلائی
فتح سنگھ مہاراج دیکھ اٹھ چل گئے بھائی
کہے دین درویش سکل مایا کا دھندا
مت ساچی کرمان جھوٹ ہے بازی بندہ!

۳ بندہ چاہے نہیں کروں۔ کرن ہار کرتار
تیرا کیا نہ ہویگا۔ ہووے ہوون ہار
ہووے ہوونہار۔ بھار سر یوں ہی ڈھووے
اچیں کرے اپار۔ نام نارائن کھووے
کہے دین درویش پڑے کیوں بھرم کے پھندا!
کرن ہار کرتار کرے گا تو کیا بندہ!

۴ نبجے لگا رے کوچ نہ کے چھن بھر سو چُپ نا نہ
کوئی آج کوئی کال کو۔ پا و پلک کے ماہنہ
پا و پلک کے ماہنہ۔ مان لے من تو میرا
پڑا رہے دھن مال ہوسے جنگل میں ڈیرا
کہے دین درویش چیت مت آگی کو بسارے

۱۔ خان
۲۔ خان

جبن جو سو چھپ تا ہنہ کو چ کے بیچ نگار

یہ اس زندہ دل کے زندہ کلام کے نمونے ہیں۔ اس کو ناحق لوگ گجراتی کہتے ہیں۔ یہ تو سیدھی سادی ہندی ہی ہے۔ اور اگر ہندی پڑھنے والوں کو یہ کلام مل جائے تو ان کو شاید ہی شک گزرے کہ کسی ہندوستانی کی شاعری نہیں ہے۔ کہیں کہیں گجراتی لفظ آجاتے ہیں مگر شاذ اور وہ بھی مطلب کے سمجھانے میں دقت پیش نہیں کرتے۔ خیال آتا ہے کبیر صاحب اور ان کے تصوف کے مقلدوں نے ہندی زبان کو سب سے زیادہ ترقی دی ہے۔ وہ ایک ایسی لہر پیدا کر گئے ہیں جو اب تک برابر جاری ہے اور دنیا میں پھیلتی جا رہی ہے۔ اب تک وہ کہیں اٹھی نہیں۔ نہ واپسی کا اس کو خیال تک آیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کتنی ترقی کرتی ہے۔ اور آئندہ ہندی کا کیا حال ہوتا ہے۔ ہندی کے پریمیوں کو کبیر صاحب کا کلام ضروری پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ گو ان کا زمانہ گوسوامی تلسی داس جی و سورداس جی بہت پرانا ہے۔ مگر عوام جسقدر ان کی بھاشا سمجھ سکتے ہیں وہ کسی اور شاعر کی نہیں۔ اور یہی حال ان کے مقلدوں و پیرؤں کا بھی قریب قریب ہے جس کی مثال دین درویش کی شاعری میں دی گئی ہے۔

باب سترہواں

شیونارائن صاحب

شیونارائن صاحب ذات کے کشتری راجپوت تھے۔ ان کی قوم نرلوان کہلاتی ہے۔ ان کا جنم موضع چنداون میں ہوا تھا جو ضلع غازیپور

ہیں واقع ہے۔ یہ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں ہوئے ہیں۔ اور ان کی تعلیم اس وقت شروع ہو گئی تھی جب یورپ میں اچھی طرح انگریزی حکومت کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

یہ کبیر پنتھی تھے۔ اور سرت شبد یوگ کے ابھیاسی تھے۔ ان کا مت شیونارائنی مت کہلاتا ہے۔ اور اس فرقہ کے سادھو شیونارائن صاحب کے سوا کبیر صاحب کے بھجن بھی بڑے شوق سے گاتے ہیں۔

شیونارائن صاحب ہندی کے بہت بڑے مصنف بھی گزرے ہیں مگر جو کچھ لکھا ہے۔ پرمارتھ ہی کے متعلق لکھا ہے اور نظم میں ہی لکھا ہے ان کی لکھی ہوئی کتابیں شمار میں بارہ ہیں۔ اور ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

گرنتھ۔ سنت بلاس۔ بھجن گرنتھ۔ سنت سندر۔ گورو نیاس سنت اچاری۔ سنت اپدیش۔ شبداولی۔ سنت پروان۔ سنت مہا سنت ساگر۔

ان کی سمادھ بل سنڈے میں ہے جو ضلع غازیپور میں واقع ہے ان کے طریقہ میں شروع شروع میں راجپوت اور فوجی سپاہی زیادہ داخل ہوئے۔ بعدازاں نیچے درجہ کی قومیں مثلاً چمار وغیرہ بھی بہت شریک ہوئیں۔

جو شخص اس طریق میں داخل ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ بالکل قومیت کی تمیز نہیں کی جاتی تھی۔ ہندو مسلمان اور عیسائی سب کو اپنے میں شامل کر لیتے تھے۔ شمول کے وقت کسی مشکل رسم کی پابندی نہیں کی جاتی چند شیونارائنی ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ دیکشا لینے والے کو بیچ میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اور ان کا گرنتھ سامنے رکھا رہتا ہے۔ جس پر پان سپاری

اور مٹھائی بطور پرشاد کے چڑھائی جاتی ہے۔ چند محمول تنگ بہ خاموش رہتے ہیں۔ پھر گرنتھ کھول کر اس میں سے شبد پڑھا جاتا ہے۔ اور اس طرح پر ایک نیا آدمی پنتھ میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

اعتدال پسند اس پنتھ کا اعلےٰ اصول تھا۔ نشہ کا استعمال حرام سمجھا جاتا تھا۔ مگر رذیل قوم کے شیونرائنی پنتھ والے اکثر زیادہ شراب خوار دیکھے جاتے ہیں۔

گو شیونارائن صاحب ابھیاسی تھے۔ مگر اب ان کے پنتھ میں ایک بھی ابھیاسی نظر نہیں آتا۔

غازیپور۔ بنارس۔ بہار میں اس پنتھ کے معتقد بہت ہیں۔ دیسے تو کلکتہ و لاہور وغیرہ میں بھی ملتے ہیں۔ کیونکہ سندھ و موچی بالعموم شیونرائنی ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ لوگ بالخصوص سب جگہ ملیں گے۔

باب اٹھارھواں

بیر بھان

بیر بھان جی نے سمرت ۱۷۱۷ کے قریب اپنے مت کو سادھ مت کہلاتا ہے۔ پرگٹ کیا۔ بیر بھان سرکے رہنے والے تھے جو نارنول کے قریب دہلی کے صوبہ میں واقع ہے۔ پہلے یہ ریاست دھولپور میں ملازم تھے کسی . . . .

معرکہ میں مارے گئے۔ مگر جب لڑائی ختم ہو چکی۔ اُدیا داس نامی فقیر نے ان کو میدان میں قریب قریب مُردہ پایا۔ وہاں سے اٹھا کر ایک پہاڑی میں لے گیا۔ اور کچھ دودھ وغیرہ کھلا کر زندہ کیا۔ اور سادھو مت کے اصول سکھا کر اسی کی اشاعت کا حکم دیا۔ اُدیا داس جی کو کوئی کوئی جوگی داس بھی کہتا ہے۔ ان کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا ہے۔ اور ست گورو مالک کا حکم شبد روپ وغیرہ کے نام سے خطاب کیا جاتا ہے۔

بیربھان نے کبیر صاحب کی طرح بہت سے شبد اور ساکھی کہی ہیں ان کا مجموعہ کتابوں کی صورت میں ہے اور جہاں سادھ اکٹھا ہوتے ہیں وہاں ان کا پاٹھ کیا جاتا ہے۔ ان کی ایک اور کتاب ہے جس کو آدی اُپدیش کہتے ہیں۔ اس میں بارہ حکم ہیں جن کی پابندی ہر سادھ کے واسطے لازمی ہے۔ یہ احکام حسب ذیل ہیں:-

(۱) ایک ایشور کو پوجو۔ جو پیدا کرنے والا۔ پالنے والا اور سنگھار کرنے والا ہے۔ اس سے کوئی بڑا نہیں۔ اسی کی پوجا کرو۔ مٹی۔ پتھر۔ دھات۔ لکڑی۔ درخت یا اور کسی کو کبھی نہ پوجو۔ صرف ایک ہی مالک ہے اور وہ شبد روپ ہے نہ جو جھوٹ کا دھیان کرتا ہے وہ جھوٹ کا بیوپار کرتا ہے اور پاپ کرتا ہے اور جو پاپ کرتا ہے وہ نرک گامی ہے:-

(۲) دین اور شرم والے بنو۔ دنیا کی محبت کا دم نہ بھرو۔ اپنے مت پر مضبوطی سے قائم رہو۔ دوسرے مذہب والوں سے تعلق نہ رکھو نہ غیر مذہب والوں کا کھانا کھاؤ۔

(۳) کسی وقت بھی نہ جھوٹ بولو۔ نہ کسی کی غیبت کرو۔ انسان یا کسی مخلوق کی جو مٹی یا پانی۔ درخت اور حیوان میں سے ہے کسی کی برائی نہ کرو۔ بلکہ اپنی زبان کو ایشور کی ستتی میں مصروف رکھو۔ دولت۔ زمین۔ جانور یا جنگل

جنگل وغیرہ کسی طرح کی چوری نہ کرو۔ جو کچھ اپنا ہے اس پر راضی رہو۔ بُرائی کا خیال تک دل میں نہ آنے پاوے۔ اپنی آنکھوں کو موقع نہ دو کہ بیجا طور پر نامناسب اشیا۔ مرد۔ عورت۔ ناچ اور تماشوں کو دیکھیں۔

(۴) بُری صلاح نہ سنو۔ نہ قصہ کہانی گپ شپ۔ غیبت۔ گانے بجانے سے کام رکھو اور سوائے بھجن کے اور کچھ نہ گاؤ۔ بھجن کے سوا تمہارے اندر من میں ہیں۔

(۵) کسی چیز کی لالچ نہ کرو چاہے وہ غیر کی دھاری ہو یا دوسرا ہو۔ نہ دوسرے کی چیز لو۔ ایشور سب کا دینے والا ہے۔ جیسا تمہارا وشواس ہے۔ ویسا دیتا ہے۔

(۶) جب پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو جواب دو کہ ہم سادھو ہیں۔ ذات پات کا نام نہ لو۔ نہ بحث مباحثہ میں پڑو۔ دھرم پر مضبوطی سے قائم رہو کسی آدمی کی آس نہ کرو۔

(۷) سفید لباس پہنو۔ چندن۔ روری۔ بھبھوت۔ تلک بھی نہ لگاؤ۔ نہ اپنے جسم پر کوئی نشان بناؤ۔ نہ مذہبی تلک دو۔ نہ ہار۔ مالا اور زیور پہنو۔

(۸) نشے لانے والی کوئی چیز نہ کھاؤ۔ نہ بیہوش۔ پان نہ چباؤ۔ نہ عطر لگاؤ۔ نہ تماکو پیو۔ نہ افیون کھاؤ۔ اپنے ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ نہ کسی مورتی یا انسان کے سامنے سر جھکاؤ۔

(۹) نہ کسی کی جان لو۔ نہ کسی کے جسم کو آزار پہنچاؤ۔ نہ ہنسی ٹھٹھا۔ و توہین کرنے والی شہادت دو۔ نہ جیو کے ساتھ کوئی برا برتاؤ کرو۔

(۱۰) ایک ہی شادی کرو۔ یعنی مرد صرف ایک عورت سے بیاہ کرے اور ایک عورت صرف ایک مرد سے شادی کرے۔ مرد عورت کا بوجھ نہ کھاوے۔ رواج کے موافق عورت مرد کا بوجھ اٹھاوے۔ عورت کو مرد کی فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔

(۱۱) نہ فقیروں کا لباس پہنو۔ نہ بھیک مانگو۔ نہ کسی سے خیرات لو۔ سحر اور جادو کی طرف سے خیال ہٹا لو۔ ان سے نہ ڈرو۔ نہ ان کا استعمال کرو جاننے سے پہلے کسی کا اعتبار نہ کرو۔ صرف دھرماتماؤں کا ست سنگ ہی نتیجہ ہے۔ اگر پہچان لو کہ یہ دھرماتما ہے۔ تب اس کو نمسکار کرو۔

(۱۲) سادھ کو دن۔ پکش۔ مہینہ۔ پرند یا جانوروں کے خیال سے شگون اور فال کا عقیدہ نہ کرنا چاہئے۔ ہمیشہ مالک کی موج پر رہنا چاہئے۔ یہ بارہ احکام ہیں۔

سادھ سنت غالباً کبیر صاحب ہی کے گھرانے سے نکلا ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں کبیر صاحب کی بھی ویسی ہی عزت کی جاتی ہے جیسے سنت مت والوں میں۔ یہ لوگ شام کے وقت مل کر کھانا پینا کرتے ہیں۔ اور اکثر رات کو بیر بھان جی۔ کبیر صاحب دادو صاحب اور نانک صاحب کے بھجن گاتے رہتے ہیں۔ یہ چونکہ ستنام کے معتقد ہیں۔ ستنامی ہی کہلاتے ہیں۔ ستنام کی اشاعت کبیر صاحب ہی سے شروع ہوئی ہے سوا جگجیون صاحب کا پنتھ بھی ستنامی کہلاتا ہے۔ لیکن بیر بھان جی کے معتقد زیادہ تر سادھ ہی کہلاتے ہیں

ان کا کوئی مندر نہیں ہوتا۔ بلکہ مکانوں میں جمع ہوتے ہیں جو کہ ہی مجلس کے لئے مخصوص ہیں۔ مرد عورت سب یک جگہ بیٹھتے ہیں۔ سب اپنے اپنے گھروں سے کھانا لاتے ہیں۔ دن عام طور پر معمولی باتوں میں گذارتے ہیں۔ ساری رات کبیر صاحب۔ نانک صاحب۔ دادو صاحب اور بیر بھان جی کے بھجن گاتے رہتے ہیں۔ یہ جلسے بیشتر شکل پکش کی پورنماشی کو ہوتے ہیں۔

سادھ مت کے پیرو کار فرخ آباد میں زیادہ ہیں۔ جس محلہ میں

ہیں رہتے ہیں وہ سادھ واڑا کہلاتا ہے۔ یہاں ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ ڈھائی ہزار ہوگی۔ اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے۔ کچھ دہلی میں بھی ہیں مرزاپور شہر میں بھی سادھ رہتے ہیں۔

ان میں سے اب کوئی بھی ابھیاسی نہیں ہے۔ سب رسمی اور شرعی چال کے پابند ہیں۔ ظاہری نمائش کے سوا اب ان میں بھی کچھ نہیں رہا۔

باب انیسواں

مہاراج تلسی صاحب

تلسی صاحب کہاں کے رہنے والے تھے اور کون تھے۔ اس کا بہت کم آدمیوں کو پتہ ہوگا۔ کوئی ان کو دکن دیس کے کسی راجہ کا لڑکا بتاتا ہے جو اوائل عمر ہی میں ویراگ کے سبب سے گھربار چھوڑ کر فقیری کا جامہ اختیار کر لیا تھا۔ کسی کسی شخص کی یہ رائے ہے کہ یہ اچھے کل کے براہمن تھے۔ اور ولی مادرزاد تھے۔ پرم سنت گتی کو پراپت تھے۔ اپنے گھربار کو تیاگ کر کے یہ ہاتھرس میں جو آگرہ کے قریب علیگڈھ کے ضلع میں واقع ہے چلے آئے۔ وہاں بھی اپنا ست سنگ جاری کیا اور مدت العمر تک وہاں ہی رہے۔ جس وقت چولا چھوڑا۔ ان کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ تھی۔ اور ان کو گپت ہوئے بھی اسی طرح باسٹھ برس ہو گئے ہیں۔ اس حساب سے ان کا زمانہ ۱۸۴۳ اور سمت ۱۹۰۵ کے درمیان خیال کرنا چاہئے۔

جس وقت یہ ہاتھرس میں براجمان تھے ان کا یہ معمول تھا کہ کبھی کبھی

تن تنہا دور دور گاؤں میں چلے جاتے تھے۔ اور سنساری پرانیوں کو اپنے بچن سے چتاتے رہتے تھے۔ کلام میں کچھ ایسا اثر تھا کہ جو کوئی سنتا تھا وہ اپنی ذات میں تبدیلی محسوس کرنے لگتا تھا۔

یہ بزرگوار سنت مت کے اصول سے بہت باخبر تھے۔ ان کے متعلق سار بچن۔ رادھاسوامی نامی پوتھی میں شبد کی مہما کے متعلق یہ بانی اتری ہے۔

شبد کہا نبی ست کبیر شبد بتا دیں نانک پیر
شبد سنا دیں تلسی دھیر

اسی کتاب میں دوسری جگہ ان کے رموز تصوف کی واقفیت کے بارہ میں ایک پرمان ہے۔

"تلسی صاحب بوجھ کر جانا"

اس آخر کڑی سے ظاہر ہے کہ سنت پرش رادھاسوامی جی صاحب ان کو فقیر کامل اور پرم سنت تسلیم کرتے تھے۔ اور ان کی تصانیف بھی اس کی پوری پوری شہادت دیتی ہیں۔

یہ زیادہ تر مستی کی حالت میں رہا کرتے تھے جو کسی قدر مجذوبیت سے مشابہ ہے۔ مگر فرق یہ تھا مجذوب اول کسی روحانی مقام میں پہنچ کر بہہ تن اسی کا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے لئے آگے کا راستہ بند رہتا ہے۔ مگر ان میں یہ بات نہیں تھی۔ ان کی مستی اور محویت سرور اور آنند کی وہ حالت تھی جو پورے آتم گیانی میں پائی جاتی ہے۔

بانی کہنے کا شوق تھا۔ شبد رسیلے اور اثر پیدا کرنے والے ہیں۔ جس وقت کوئی شبد ان کی زبان سے نکلتے تھے۔ شاگرد ان کو جمع کر لیا کرتے تھے۔ بہت سے شبد جمع کرنے سے رہ گئے۔ صرف خال خال مجتمع ہوئے

جو ان کی شبداولی میں موجود ہیں یعنی ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو کسی کتاب میں شامل نہیں ہیں

ان کی یادگار تین کتابیں ہیں۔ شبداولی۔ رتن ساگر۔ اور گھٹ رامائن یہ تینوں چھپ چکی ہیں۔ اور عام طور پر مل سکتی ہیں۔ گھٹ رامائن اور رتن ساگر میں زیادہ تر حصہ مکالمہ ہے۔ جو ان کے اور ان کے شاگرد دھردے نامی کے درمیان ہوا ہے۔ جیسے کبیر صاحب اور دھرم داس جی کے سوال وجواب انوراگ ساگر وغیرہ میں ہیں۔ ویسے ہی یہ بیانات ان کتابوں میں بھی ہیں اس کے سوا گھٹ رامائن میں متعدد مواد بھی آئے ہیں جو جینی۔ براہمن برہچاری۔ کبیر پنتھی سادھو وغیرہ کے ساتھ ہوئے ہیں۔ گھٹ رامائن کے بعض بعض حصے بہت گہرے وقیق اور تشریح طلب ہیں۔ جن پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ اور یہ لیاقت کمتر آدمیوں کو ہوگی جو اس کی صراحت کر سکیں گے۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلسی صاحب میں واقعی قدرتی طور پر انبھو شکتی بہت تھی اور وہ اسرار معرفت سے پورے بھرے حاوی تھے۔

میں نے اس گھٹ رامائن کو تمام وکمال پڑھی ہے۔ اس کے ابتدائی حصے کے شبد اور چھند اتنے رسیلے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ مگر اس کتاب میں ایک حصہ ایسا آیا ہے۔ جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ یہی تلسی صاحب پہلے بھی گوسوامی تلسی داس جی کے چولے میں ڈھائی سو برس پہلے ہو چکے ہیں۔ اس وقت انہوں نے مانس رامائن لکھی تھی۔ جس کا ابتک زور شور کے ساتھ رواج ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ اس کی بابت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان دونوں رامائنوں کی زبانیں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ جو ہونا بھی چاہیئے۔ اور طرز کلام

بھی بالکل جدا ہے۔ مانس راماین میں شاعری کے تمام اصول کا خیال مد
نظر رکھا گیا ہے۔ مگر گھٹ رامائن کا وہ حال نہیں ہے۔ وہ بالکل فقیروں
اور سنتوں کے کلام سے مطابق ہے۔ جیسا دل میں آیا کہتے گئے۔ تصنع
اور بناوٹ کہیں نہیں ہے۔ ہاں ان کے دو حصے بیشک اس قسم کے ہیں
جو مانس رامائن کے مصنف گوسوامی تلسی داس جی کے دوہوں سے بہت
کچھ مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کی زبان بھی بہت زیادہ ملتی جلتی ہے۔
رتن ساگر کا مکالمہ ہردے نامی چیلے اور تلسی صاحب کے درمیان ہوا
ہے۔ جس میں رچنا کا دل۔ جین کی پیدائش۔ وید۔ گھٹ شاستر۔ اوتار بھید
مورتی پوجا۔ کرم دھرم۔ جنم مرن۔ اصلی سادھو۔ ست۔ اسرت۔ بھگت۔ اھگت
سنت دیش۔ شبد بھید۔ منزل بھید۔ وغیرہ کتنے دلچسپ مضمون موجود
ہیں۔ اس کتاب میں کسی مسلمان صوفی قدم علی کا بھی مکالمہ درج ہے
مگر اس کے لئے تھوڑے سے صفحات مخصوص ہیں۔

گھٹ رامائن میں سوکشم ترکٹی بھید۔ نال بھید۔ سن بھید۔ کنول بھید
دوار بھید۔ گھٹ بھید۔ نیر بھید۔ پہ کرتی سو بھاؤ۔ بیراگ بھید۔ جوگ بھید
گیان بھید۔ میر تقی کا مباحثہ جینی کا سمواد۔ کرم چند دوبے کا سمواد اور
ان کا شاگرد سبزنا۔ کریا کا سمواد۔ بینو پنڈت کا سمواد۔ سیاما پنڈت کا سمواد
نانا پنڈت کا سمواد۔ لومس رشی کا سمواد۔ نہا سمواد۔ پرم ہنس سمواد۔ نصیحت
نامہ۔ پھول داس کی سمواد۔ علی میاں کا سمواد۔ گنوا کا سمواد۔ ہردے کا سمواد
پرستے لال کا سمواد۔ پلٹو رام نانک پنتھی کا سمواد۔ گوسوامی کبیر پنتھی کا سمواد
بھید سنت مت۔ الغرض کتنے دلچسپ مضامین درج ہیں۔ اسی کتاب
میں برہمنوں کی مخالفت کا دلچسپ تذکرہ ہے۔ اس میں کبیر صاحب نانک
صاحب۔ دادو صاحب اور میرا بائی جی کے بیچ ایک دو دو شبد

داخل ہیں۔ بہت ضخیم ہے شبداولی صرف شبد ہیں۔

ان کی بابت بہت سی باتیں ایسی بھی مشہور ہیں جو خرق عادات یا معجزہ سے تعلق رکھتی ہیں ہم عمداً ان کے داخل کرنے سے گریز کرتے ہیں ال ایک واقعہ بیشک یہاں بیان کر دینے کے لائق ہے جس کے سننے سے آسانی پتہ لگ جاوے گا کہ یہ کیسے سچے مہاتما تھے۔

ذکر ہے۔ ایک مرتبہ گھومتے ہوئے آپ کسی مقام پر پہنچے۔ ایک دولتمند بنیاں بڑی عزت کے ساتھ ملا۔ اور سامنے بھوجن رکھ کر کہنے لگا میں لاولد ہوں۔ مجھ کو لڑکا عنایت کیجیئے۔ تلسی صاحب نے اسی وقت اپنی لکڑی اٹھالی اور یہ کہہ کر چل دئیے۔ کہ بابا اگر لڑکا مانگنا ہے تو اپنے سر اس اسطے سے کیوں نہیں مانگتا جو پرورتی کا ادھشٹاتا ہے سنتوں کا تو نورتی مارگ ہے۔ وہ تو آل اولاد سے بے تعلق کرانے والے ہیں۔ اگر اولاد موجود بھی ہو تو وہ ان کے وقت کو کٹوا کر آزاد کر دیتے ہیں۔

الغرض ان کے کامل ہونے میں ذرہ بھی شک نہیں ہے۔

تلسی صاحب کے شاگرد ہاتھرس میں بہت ہیں اور اور جگہ بھی اچھی خاصی تعداد میں ملتے ہیں۔ چونکہ ان میں یکسانیت تھی اور ذات پات کی جڑ کا ٹتے تھے اس لئے ان کے مت کو بعض بعض نادانوں نے کوڑا پنتھی کے نام سے مشہور کر دیا تھا۔

ان کے شاگردوں میں باباگردھاری داس ہشیوار داس ہرداس وغیرہ صاحب کمال ہوئے ہیں۔ اب ان کی تعلیم کا وہ سلسلہ نہیں ہے۔ بابا دیوکی صاحب مرادآبادی اسی طریق کے آچاریہ کی حیثیت میں جا بجا چکر لگا کر دھرم اپدیش دیا کرتے ہیں۔ اور سنت مت کا پرچار کرتے ہیں۔ دو مرتبہ الہ آباد میں سادھو کے دفتر میں مجھ سے ملنے آئے تھے۔ نہایت سرل سبھاو

اور ویراگی پرش ہیں۔ مزاج میں حد درجہ کی دینتا ہے۔ صورت و شکل پاکیزہ ہے۔ آپ کشمیر کے دورہ کے لئے جا رہے تھے اسوقت مجھ کو درشن دیا تھا۔

تلسی صاحب کے کلام بہ

شبد

چیت سویرے چلنا باٹ

من مالی تن باغ لگایا چلنت مسافر کو بلما یا
دش کے ٹھگ نے ہی کملاؤ لوٹ لیا سوادون کھچا ٹ

چیت سویرے چلنا باٹ

تن سرائے میں اُرجھانا ہوشیاری کے روپ لبھانا
نس واسرا ہی سنگ بتیا کر حساب سنگور کی ہاٹ

چیت سویرے چلنا باٹ

گیان کا گھوڑا اپنا کیجے پریم لگام تاہی کھ دیجے
سرت الیر دے آگے چلنا بھوساگر کا چوڑا پاٹ

چیت سویرے چلنا باٹ

داہنا سوکواکٹھ صاحب نگرد دسو دسا نکال ہج گھیرو
تلسی کہت چیت نر اندھا اب کیا پڑا اجیا گھاٹ

چیت سویرے چلنا باٹ

اڑیل (۱)

دیکھ سو درشٹ پسار۔ سار کچھو جگ میں ناہیں
دنا چار کا رنگ سنگ نہیں جاو کچھا ئی
دھن سمپت پریوار۔ کام ایکو نہیں آوے

۱۔ ارے ہاں رے تلسی۔ دیپک سنگ پتنگ کی ان چھن میں تج جاوے

(۲)

چھوٹے چھوٹے پھریں دیکھ۔ دھن دہام بڑائی
تن پھولیل اور تیل۔ چام سے چیز بن بھائی
دنا چار کا کھیل۔ ملے پھر خاک میں
ارے ہاں رے تلسی۔ پکڑ فرشتے کریں سلائی آنکھ میں

(۳)

برہما وشنو مہیش سیس سب باندھے تانی
نارد شکدیو۔ بیاس۔ بھانس کرڈارے کہانی
ہنومان اور جنک وبھیشن بیچے نہ بھائی
ارے ہاں رے تلسی۔ رشی منی کو گئے۔ کال دہر سب کو کھائی

(۴)

سنت چرن جو بڑا۔ تاہی کا لگا ٹھکانا
اور کہیں نہیں کوشل۔ سکل ویراٹ چبانا
کال سنت سے ڈرے سیس چرنن پر ڈارا
ارے ہاں رے تلسی۔ بنا سنت نہیں ٹھور اور کھوائیں ہارا

(۵)

جم ہے بڑا کرال چال کوئی کچھے نہ بھائی
جب کر باندھے ہاتھ سنت بن کون چھڑائی
بڑے بڑے جگوان۔ تاہی کو مار گرایا
ارے ہاں رے تلسی۔ رام کرشن اوتاروں نہیں بچنے پایا

ساکھی

(۱) ایک بھروسا ایک بل۔ ایک آس وشواس
سواتی سلل گورچرن ہے۔ چاترک تلسی داس

(۲) تلسی ایسی پریت کر۔ جیسے چند چکور
چونچ جھکی۔ گردن گلی چتوت وا ہی اور

(۳) اتم ادر چنڈال گرہ۔ یک دیپک اجیار
تلسی متے پتنگ کے۔ سبھی جوت یک سار

(۴) تلسی یا سنسار ہیں۔ پانچ رتن ہیں سار
سادھ سنگ۔ ستگور شرن۔ دیا۔ دین۔ اپکار

(۵) بنے تو ستگور سے بنے۔ نہیں بگڑے بھرپور
تلسی بنے جو آن سے۔ تا منہ سے پر دھور

(۶) کوئی تو تن من دکھی۔ کوئی چت اداس
ایک ایک دکھ سبھن کو۔ سکھی سنت کا داس

(۷) کام۔ کرودھ۔ مدھ لوبھ کی جب لگ من میں کھان
تلسی پنڈت مورکھو۔ دونوں ایک سمان

(۸) پنچ پنچ سب تر گئے۔ سنت چرن لولین
ذات ہی کے ابھیمان سے بوڑے سکل کلین

(۹) چار اٹھارہ نو پڑھے۔ کھٹ پڑھ کھویا مول
سرت شبد جانے بنا جیون پنچھی جیسے ڈول

(۱۰) پڑھ پڑھ کے سب جگ موا۔ پنڈت بھیا نہ کوئے
ڈھائی اکشر پریم کا۔ پڑھے سو پنڈت ہوئے

(۱۱) تلسی سیت کے سکھا۔ پرت بپت میں چینہ
سجن کنچن کسن کو۔ بپت کسوٹی دینہ

ان نمونوں کے دیکھنے ہی سے بخوبی پتہ لگ سکے گا کہ ان کے کلام میں کیسا آنند اور مزہ آتا ہے۔

باب بیسواں

فصل پہلی

پرم پرش رادھا سوامی دیال صاحب

جس اعلےٰ مقصد کی تکمیل کے لئے پرم سنت کبیر صاحب اور ان کے سلسلہ کو متعدد پنتھائی سفر مینا کی طرح ہراول بن کر کام کرنے آئے۔ اسکا ظہور ست پرش رادھاسوامی دیال صاحب کی ذات پاک میں ہوا۔ راستہ صاف ہو گیا۔ سچائی کے پرچار کے سامان اکٹھے کئے گئے۔ مثلاً شیوں اور حقیقت کے طالبوں کو خوشخبری کی صدا سنائی گئی۔ لوگوں کو شبد کی مہما کا آہستگی کے ساتھ وعظ ہوتا رہا۔ اتنے عرصہ کے بعد پھر شبد نے آپ اپنا ظہور کیا۔ اور پرگٹ کر کے سب کو سچائی صلاح عام دیا۔ ابھی تک سنت مت کا بھید عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں تھا۔ مختلف متعدد آچاریہ ہوئے مگر صاف صاف اس کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ اب وہ ہر بات آئینہ کی طرح جلا پا کر پرگٹ ہوا اور ست پرش رادھاسوامی صاحب نے تمام بندشیں اور ظاہری قیود کو دور کر کے اپار دیا کے ساتھ جیووں کو پرم پد کے پراپتی کی دعوت دی

کلجگ میں سوامی دیا بچاری   پرگٹ کر کے شبد پکاری

جیو کاج سوامی جگ میں آئے ۔ بھو ساگر سے پار کرائے
تین چھوڑ چوتھا پد و یکھا ۔ ست نام سنگو رگت چیہنا
جگمگ جوت بہوت اجیارا ۔ گگن سوت پر چند ر نہارا
سیت سنگھاسن چتر براجے ۔ انحد شبد غیب دھن گاجے
کشر۔ اکشر۔ نہ۔ اکشر پارا ۔ بینتی کرے جہاں داس تمہارا
لوک الوک پاؤں سکھ دہاما ۔ چرن شرن دیجے بشرا ما

آپ کا ظہور بھادوں بدی اشٹمی سمت ۱۸۷۵ بکرمی میں ساڑھے بارہ بجے رات کو ایک معزز کھتری خاندان میں ہوا جو شہر آگرہ کے محلہ پنی گلی میں سکونت پذیر تھا۔ یہ گھرانہ بہت پرمارتھی اور سنت و سادہوؤں کا بہت معتقد تھا۔

سوامی جی مہاراج جب چھ سات برس کی عمر کے تھے اسی وقت اکثر اونچے ستھانوں کے متعلق بات چیت فرمایا کرتے تھے جس کو سن کر مرد و عورت سب کو حیرت و تعجب ہوا کرتا تھا۔ مہاتما تلسی صاحب ہاتھرس نواسی جو اکثر ان کے دولتخانہ پر آیا کرتے تھے۔ کم سنی میں ان کے حیرت انگیز کلام سن کر دنگ رہجاتے تھے۔ ایکدن سوامی جی کی ماتا سے کہنے لگے "مائی تیرے گھر میں یہ بالک پرم سنت اوتار پرگٹ ہوا ہے"

جیوں جیوں عمر زیادہ ہوتی گئی شبد کا جلوہ بڑے آب تاب کے ساتھ ظاہر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ نہ صرف تلسی صاحب ہی اکثر ان کے درشنوں کو آتے تھے۔ بلکہ کچھ عرصہ بعد تلسی صاحب کے گپت ہونے پر ان کے اکثر برگزیدہ شاگرد۔ مثلاً بابا گردھاری داس جی اور دوسرے ست سنگی جوق در جوق پروانہ کی طرح نثار ہونے لگے۔ سوامی جی ان سب کو بڑی محبت اور دیا کے ساتھ ست سنگ کرانا شروع کیا اور نہ صرف ان

کے مشکلوں کو آسان فرمایا۔ بلکہ اپنا نور اور کشف دے کر ان کی اونچی چڑھائی میں مدد دی۔

دھن دھن رادھا سوامی میرے ستگور جن یہ موج دکھائی چڑھ کر

دستور زمانہ کے موافق ان کو فارسی۔ ہندی وغیرہ کی تعلیم دی گئی مگر طبیعت کچھ اور طرح کی تھی۔ گرہست بنے رہے۔ اور گھر میں رہ کر قریب پندرہ برس تک اپنے مکان کے ایک کوٹھے میں جو اندر دن دوسرے کوٹھے کے تھا۔ بیٹھ کر ابھیاس سرت شبد جوگ کا کرتے رہے یہاں تک کہ اکثر اوقات دو دو تین تین روز تک باہر نہیں نکلتے تھے۔ اور نہ اس عرصہ میں حاجات ضروری کی طرف توجہ ہوتی تھی۔

سوامی جی مہاراج کا کوئی گورو نہیں تھا اور نہ کسی سے ان کو پرمارتھی سکشا ملی تھی۔ بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو سرت شبد یوگ کی تعلیم دی۔ اور جو کوئی پرمارتھ کا شائق سادھو یا گرہستی آیا۔ اس کو اس راہ پر لگایا کرتے تھے۔

ابتدا میں آپ کا خیال ست سنگ قائم کرنے کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ جو مشتاق آیا۔ اس کی تشفی فرماتے رہے سمت ۱۹۱۷ بکرمی میں بسنت پنچمی کے دن رائے سالگرام صاحب بہادر اور دوسرے ست سنگیوں کی بار بار درخواست پر ست سنگ جاری کیا۔ رائے صاحب بہادر قریب ایک برس تک متواتر التجا کرتے رہے یہاں کہ ایک دن نازش ہو کر سوامی جی سے بینتی کی کہ مہاراج عرصہ سے آپ کے سیوک عام جیووں کی بھلائی کے خیال سے ست سنگ جاری کرنے کی پرارتھنا کرتے ہیں۔ اگر موج ہو تو جیووں کے اُدھار کی صورت پیدا کیجیے۔ ورنہ ایسی موج ہو جائے کہ ان کو

بار بار حضور کے چرنوں میں اس طرح بار بار وقتاً فوقتاً پرارتھنا کرنے کی عادت جاری رہے اور وہ موج میں برتیں۔ آپ جانتے ہو کہ کس بات میں پرانیوں کا کلیان ہے۔ اور موج پر رہنا ہی سیوک کا دھرم ہے۔ سوامی جی مہاراج مسکرائے۔ ان کی عرضی قبول ہوئی اور ست سنگ جاری کیا گیا۔ جو برابر سترہ برس تک یک لخت رہا۔ اس عرصہ میں تین ہزار مرد و عورات ہر قوم و ملت کے ان کے سرچشمہ فیض سے مستفید ہوئے۔ ان میں ہندو زیادہ تھے۔ کچھ تھوڑے سے مسلمان جینی۔ سراوگی اور چند عیسائی تھے۔ ان میں سے سوادو تین سو سادھو باقی سب گرہستی تھے۔ جن کو پرمارتھ کا بہت خیال تھا۔ اور شوق سے ابھیاس کرتے تھے۔ وہ چند بار واسطے درشن اور اپنے اندرونی حالت کے اظہار اور رموز معرفت و سنت مت کے بھید کی تحقیقات کے لئے آتے رہے۔ اور سوامی جی مہاراج کی انتری دیا سے لابھ اٹھاتے رہے یہ حد درجہ معتقد تھے۔ باقی اور لوگ جن سے ابھیاس نہیں بنا۔ اور سنسار کے بھوگ بلاس اور حکومت و اختیار کے دلدادہ تھے۔ وہ اُپدیش سنکر چلے گئے۔

سادھوؤں میں سے ایسے سادھو بالعموم سوامی جی کے چرنوں میں زیادہ تر آئے جن کو سچے پرمارتھ کی تلاش تھی وہ اپنی کھوج میں تھکے تھے۔ بعض بعض اور طرح کے شغل و ابھیاس بھی کرتے تھے۔ مگر طبیعت کو تسلی نہیں تھی۔ جب چرنوں میں پہنچے بھید لیا اور سرت شبد کا ابھیاس شروع کیا۔ ان کو انتر میں کچھ رس آنے لگا۔ وہ وہاں ہی ٹھہر گئے اور پھر مالک کی سیوا بندگی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا۔ ان کی کچھ تعداد رادھاسوامی باغ میں جو شہر سے تین میل فاصلہ پر واقع ہے رہتی

تھی۔ اور روزانہ ست سنگ میں حاضر ہی ہوا کرتی تھی۔

سوامی جی مہاراج کے مکان پر ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ مختلف مذاہب و مختلف خیالات کے آدمی مختلف مقامات سے آیا کرتے تھے اور اُن کو ست سنگ کا لابھ ملتا تھا۔

سترہ برس ست سنگ کرانے کے بعد وہ نور جو دنیا کو پرکاش دینے کے لیئے آیا تھا۔ سنہ ۱۸۷۸ء میں دوسری صورت میں جلوہ گر ہوا۔ وہ صورت رائے سالگرام صاحب بہادر کی تھی۔

جس دن سوامی جی کو چولا چھوڑنا تھا۔ سرت کو اوپر کھینچا اس وقت ایک ہمسایہ نے ست سنگیوں سے کہا۔ خاموش ہو جاؤ۔ سوامی جی کو شبد میں سُرت لگا دو۔ سوامی جی مہاراج نے سرت کو تھوڑی دیر بعد نیچے اتار اور اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں نے لڑکپن سے ابھیاس کیا ہے۔ اسی وجہ سے خواہ کوئی مضطرب ہو۔ خواہ کوئی شور کرے میری سرت شبد میں لگ جاوے گی۔ اگر کوئی صرف مرتے وقت سرت کو شبد میں لگانا چاہے تو اس کو کامیابی نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ صرف اس وقت کا جتن ہے جیسا کہ کوئی کشتی ڈوبنے کے وقت تیرنے کا ہنر سیکھے تاکہ ڈوبنے سے بچ جائے۔

سوامی جی مہاراج تین بھائی تھے۔ رادھاسوامی صاحب۔ لالہ بندرابن جی۔ اور لالہ پرتاب سنگھ جی۔ یہ دونوں چھوٹے بھائی سوامی جی نے اس وقت اُپدیش دیا تھا جب وہ پانچ برس کی عمر کے تھے۔

چولا چھوڑتے وقت سیوکوں نے درخواست کی کہ اب ہم لوگوں کو کس کے سپرد فرماتے ہیں۔ سوامی جی نے حضور مہاراج یعنی رائے سالگرام صاحب بہادر کی طرف جو بڑے مہش کہلاتے تھے اشارہ کیا۔

شبد

(۱) مرلیا باج رہی کوئی سنے سنت پردھان ۔ ٹیک ۱
سو مرلی موہے گورو سنائی ۔ لگے پریم کے بان

(۲) پنڈا چھوڑا انڈ تج بھاگی ۔ سنی ادھر میں اپورب تان
پایا شبد ملی ہنسن سے ۔ کھینچ چڑھائی سرت کمان

(۳) یہ مرلی ست نام بنس کی ۔ کیا اجب گھر امرت پان
بھنور گپھا دھنگ سوہنگ بنسی ۔ رر بجھ رہی سن سن کان

(۴) اس مرلی کا مرم پچھانو ۔ ملی بنسی کی کھان
گئی سرت کھولا دہ دوارا ۔ پہونچی نج استھان

(۵) ست پرش دھن میں سنائی ۔ او بھت جن کی شان
جن جن سنی آن یہ مرلی ۔ دور گئے سب من کا مان

(۶) سرت سنہارت نرت نہارت ۔ پائے گی اب نام ندھان
الکھ اگم اور رادھاسوامی ۔ کھیل رہے اب اس میدان

شبد منتخب

گورو گورو میں ہردے دھرتی ۔ گورو آرت کی ساماں کرتی
گورو میرے پورن پرش بدھاتا ۔ تن کے چرن میں من میرا راتا
گورو ہیں اگم اپار انامی ۔ گورو بن دوسر اور نہ جانی

جو گورو مارگ دہین بتائی ۔ سوئی کرم دھرم ہوا جانی
گورو اگیا سے جو سیکھ کرئی ۔ سو کیتونت بھگتی پھل دیئی
تاتے پرتھم گورو کو کھوجو ۔ شبد بتاویں سو گورو سوجھو

کتاب بہت ضخیم ہے۔ یعنی ۹۰۰ صفحوں کی ہے۔ جس کا اب بھی رادھا سوامی ست سنگ میں پاٹھ ہوا کرتا ہے۔
سوامی جی مہاراج کی سمادھی رادھا سوامی باغ میں شہر آگرہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے

فصل دوسری

پرم سنت رائے سالگرام صاحب بہادر

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیئے

رائے سالگرام صاحب بہادر کو اگر دھرم مجسم۔ اخلاق و تہذیب مجسم اور صداقت و پاکی مجسم کہا جائے تو شاید ناموزوں اور مبالغہ نہ سمجھا جائے گا۔ دنیا میں کئی مبارک اور مقدس شخصیتیں گزر چکی ہیں جن کے پاک ناموں کے گرد تقدیس کا ہالہ عجیب طرح پر نور افگن نظر آتا ہے۔ مگر یہ سب مدت ہوئی جب گزر چکے۔ رائے صاحب ابھی صرف چند ہی سال گزرے ہیں کہ تقدیس کی زندہ مثال تھے۔ اور جنہوں نے ان کی آنکھیں دیکھی ہیں۔ اور جن کو ان کے حضور میں باریابی اور زیارت کے شرف کا موقع حاصل ہو چکا ہے۔ وہ شاید ہمارے ساتھ ایک شاعر کے خیال کے موافق ہمکلام ہونے میں پس و پیش نہ کریں گے۔ جو اپنے زوردار لفظوں میں اس طرح کہہ گیا ہے۔

ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ

شنیده کے بود مانند دیده

رائے صاحب قوم کے چتر گپت دوسری کائستھ ماتھر اور رئیس آگرہ تھے۔ آپ کی طبیعت ابتدا عمر ہی سے دھرم کی طرف مخاطب تھی اور ان میں وہ ساری خوبیاں نمایاں شکل میں نظر آتی تھیں جو ایک وحی مادر زاد کے اوصاف سے مخصوص اور مربوط ہیں۔

جس وقت آپ کی عمر ابھی سات آٹھ سال کی تھی۔ آپ میں دھرم کی سمجھ بوجھ کا نشوونما عجیب طور پر ہو گیا تھا۔ جو مسن رسیدہ بزرگ ان کے چال ڈھال اور طرز و طریقوں کو دیکھتے تھے دنگ رہ جاتے تھے کہتے ہیں ابتدا عمر ہی میں وہ یوگ اور علم اشراق کے نکتے لوگوں کو اکثر سمجھایا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ان سے ملتے تھے ان کے برگزیدہ اخلاق اور با اصول زندگی کو دیکھ کر سچائی کا سبق حاصل کرتے تھے۔

بالائے سرش ز ہوشمندی
مے تافت ستارۂ بلندی

اس زمانہ میں ماتھر کائستھ صاحبان میں صغر سنی کی شادی کا رواج تھا اور عام طور پر آٹھ نو برس کی عمر میں ہی شادی کر دی جایا کرتی تھی۔ شادی کے پہلے یہ عام رواج تھا کہ ہر شخص کو گورو دیکشا یعنی ہوتی تھی جب شادی کا وقت آیا رائے صاحب سے بھی حسب دستور عام بیعت کی درخواست کی گئی۔ جس وقت ان کے خاندانی گورو آئے۔ رائے صاحب نے ان سے چند دقیق روحانی سوال کئے۔ جن کی عقدہ کشائی ان کے گرو کے لئے امر محال ہو گئی۔ یہ گورو متھرا کے گوسائیوں میں سے تھے۔ ان میں ایشور کا بھگتی کا ادھ ضرور ہی تھا۔ مگر روحانی عوامض کی سمجھ اتنی نہیں تھی وہ خود کمسن بچے کی خداداد ذہانت۔ اور غیر معمولی سمجھ کو دیکھ کر

متحیر ہوئے اور سوا سکوت اور خاموشی کے کچھ جواب نہ دے سکے۔ رائے صاحب نے ان کو گورو دھارن کرنے سے انکار کر دیا۔ بغیر بیعت کے شادی غیر ممکن تھی۔ برادری کے بزرگوں نے بہت کچھ سمجھایا بجھایا مگر یہ راضی نہیں ہوئے آخر ش جب ان کی بزرگ والدہ نے فرمایا کہ "بیٹا یہ خاندانی رسم ہے اس کی پابندی ضرور ہونی چاہیئے۔ اور اگر میرا کچھ بھی تیری فرمانبرداری پر حق ہے۔ تو محض میرے کہنے سے تو اس رسم کو ادا کر" رائے صاحب نے ماں کے پاؤں کو بوسہ دیا اور فرمانے لگے "گورو صاحب یہ عہد کریں کہ جب کوئی ان سے زیادہ لائق اور آتم گیانی گورو ملیں، یہ مجھ کو اجازت دیں کہ میں پھر ان کی شاگردی کا حق حاصل کروں" گورو نے منظور کر لیا اور رائے صاحب نے ان کی شاگردی قبول کی۔

جو لوگ پہلے رائے صاحب کی ضد اور ہٹ کو دیکھ چکے تھے۔ وہ ماں کے قدموں میں ان کی بھگتی کو دیکھ کر عش عش کرنے لگے۔ رائے صاحب اپنی ماں کی خدمت ہمیشہ دل سے بجا لاتے تھے۔ اور کبھی ان کی حکم عدولی نہیں کرتے تھے اور جن کو دنیا خواہ عقبیٰ میں فروغ اور عظمت حاصل ہوئی ہے ان سب میں اس قسم کی بھگتی ہمیشہ دیکھی گئی ہے

جنت کہ رضائے مادران است
اندر تہہ پائے مادران است

قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے صاحب کے والد بزرگوار کا سایۂ عاطفت عہد طفلی ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔

رائے صاحب کی تعلیم فارسی اور انگریزی میں اچھی تھی۔ انگریزی میں وہ سینیئر کلاس تک تعلیم پا چکے تھے۔ جو علم لٹریچر کے لحاظ سے آج کل کے بی۔ اے سے کم نہیں تھا۔ کلاس میں یہ سب سے اول رہتے

تھے۔ اور کہتے ہیں اس وقت ان کو اتنا معقول وظیفہ ملتا تھا۔ جتنی آج کل کے گریجوئیٹوں کو تنخواہ بھی نہیں ملتی۔

تکمیل علم کے بعد آپ ڈاکخانہ میں ملازم ہو گئے۔ اور سرکاری ملازمت کے فرائض بھی وہ پرستش کے طور پر انجام دیتے تھے۔ شروع شروع میں وہ ڈاکخانجات کے انسپکٹر مقرر ہوئے تھے۔ ملازمت میں داخل ہوئے کہ بعد سنہ ۱۸۵۷ء کا غدر ہوا۔ اس وقت کا زمانہ عجیب طرح پر ہولناک اور عبرتناک تھا۔ رائے صاحب کے دل پر اس نے خاص قسم کا اثر پیدا کیا۔ آناً فاناً میں ہزاروں دولتمند اور متمول آدمی مفلس قلاش بن گئے سینکڑوں بے سروسامان و مفلس دولتمند ہو گئے۔ رئیسوں کی بہو بیٹیاں گلی گلی ماری ماری پھرنے لگیں۔ رسوخ والے پاؤں کے تلے دیکھتے دیکھتے روند دیئے گئے۔ جو معمولی آدمی تھے ذی اثر و عزت والے بن گئے۔ دنیا کی بے ثباتی کا گہرا نقشہ رائے صاحب کے دل پر پڑا۔ اور ان کو اس طرف سے حد درجہ کی مایوسی ہو گئی۔ آپ روزانہ دفتر کو جاتے اور شام کو والدہ صاحبہ کی خدمت اور محبت کے خیال سے گھر چلے آتے تھے۔ انگریز حکام نے کتنا سمجھایا کہ ایسے نازک وقت میں آپ قلعہ میں آ کر رہیئے۔ مگر آپ نے منظور نہیں کیا۔

اسی وقت سے آپ کی طبیعت مذہبی کتب کے مطالعہ کی طرف رجوع ہوئی۔ ان میں سے سب سے زیادہ آپ کو اپنشدوں کے پڑھنے کا شوق تھا۔ اس کے سوا جو کوئی بھگت یا سادھو ملتا۔ آپ اس سے اکثر مذہبی چرچا کیا کرتے۔ اور سچی روحانی تسلی کے خواہشمند بن گئے۔

مالک مسبب الاسباب اور حقیقی کارساز ہے۔ جب ویراگ اپنے حد درجہ پر پہنچ گیا۔ ایک دن ان کے خاص دفتر کے عہدہ دار لالہ

پرتاب سنگھ صاحب ان سے مل کر کہنے لگے "میرے بڑے بھائی پرم سنت ہیں اور تمام وقت شغل واذکار میں صرف کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی خدمت میں چلیں تو تعجب نہیں آپ کی حالت میں تبدیلی آجائے۔

رائے صاحب ان کے ساتھ ہو لئے۔ اور مہاراج سوامی شیو دیال صاحب کا درشن کیا جو آگرہ کے محلہ پنی گلی میں رہتے تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ہی ملاقات میں جو بہت لمبی چوڑی تھی سینکڑوں سوال و جواب کی نوبت آئی۔ اور رائے صاحب کی پوری تسلی ہو گئی۔

چونکہ نئے گورو دھارن کرنے کے لئے گورو گوسائیں کی اجازت مطلوب تھی۔ وہ کچھ عرصہ کے بعد متھرا بندرابن میں ان کے پاس گئے اور سوامی جی کا حال سنا کر کہنے لگے "مجھ کو ایک پرم سنت کا درشن نصیب ہوا ہے۔ آپ اجازت دیجیئے کہ میں ان کا شاگرد ہوں۔ اور آپ خود بھی ان کے فیض سے فائدہ اٹھائیے" گوسائیں جی رائے صاحب کے ساتھ آگرہ آئے۔ اور عرصہ تک سوامی شبد یال جی کا ستسنگ کرتے رہے۔

قریب دو سال تک پھر بھی رائے صاحب سوامی جی سے مذہب کے ہر ایک پہلو پر بحث اور سوال کرتے رہے۔ اور ان کے اطمینان بخش جوابات کا مقابلہ دوسرے پنتھوں کے کلام سے۔ جن میں سرت شبد یوگ۔ اور شرو برت دھرم دھارن کرنے کا ذکر آیا ہے کرتے رہے۔ اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ واقعی سچے سنت ہیں۔ اور یہ سمجھ کر ان کی شاگردی اختیار کی۔ اور جس خلوص کے ساتھ آپ تن من دھن سے ان کی خدمت بجا لاتے تھے اس کی نظیر اس دنیا میں شاذ ہی کسی نے قائم کی ہوگی۔

آپ کو جو کچھ تنخواہ ملتی تھی وہ سب گورو صاحب کے چرنوں میں لاکر ارپن کردیتے تھے۔ اس میں ایک یا دو مٹھی جو کچھ وہ اپنے ہاتھ سے دیدیتے تھے بخوشی خاطر لیکر اپنے کنبہ کے کام میں لاتے تھے۔ باقی تنخواہ سب مرشد صاحب کے ہاتھ سے فقیروں اور سادھوؤں میں تقسیم ہوتی تھی۔

دفتر کے کام کاج سے فرصت پاکر آپ گورو مہاراج کی خدمت میں جاکر بیٹھتے تھے۔ اور بڑی تعظیم کے ساتھ ان کے بچن کو سنا کرتے تھے۔ پروفیسر میکسمولر صاحب اپنی انگریزی کتاب موسومہ رام کرشن ہز لائف اینڈ سیچنگز کے صفحہ ۲۰ میں پر جو مع عبارت صفحہ ۱۳۲ میں ۱۸۹۶ء کے حوالہ پر لکھتے ہیں کہ رائے صاحب اپنے آگرہ کے قیام کے زمانہ میں کبھی شخص کو اپنے گورو کی خدمت نہیں کرنے دیتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ روزانہ اپنے ہاتھ سے آٹا پیستے تھے۔ خود ہی کھانا پکاتے اور اپنے ہاتھ کھلایا کرتے تھے۔ لوگ دیکھا کرتے تھے کہ ہر روز بلا ناغہ وہ سر پر گھڑا رکھ کر اپنے گورو کے نہانے کے لئے دو میل کے فاصلہ سے پانی لایا کرتے تھے۔ ان کی ماہواری تنخواہ گورو کی نذر ہوتی تھی۔ اور مہاراج شیو دیال صاحب اپنے شاگرد اور ان کے عیال و اطفال کے خرچ کے کفیل تھے۔ اور باقیماندہ روپیہ دان میں صرف کرتے تھے۔ ان کے خانگی معاملات کی نگرانی بھی گورو صاحب ہی کرتے تھے۔ رائے صاحب برادری کے لوگ جو کائستھ تھے اس بات کی ہمیشہ مخالفت کیا کرتے تھے کہ وہ گورو صاحب کا کھانا نہ پکایئں۔ اور ان کا جھوٹھا نہ کھایئں۔ کیونکہ وہ کھتری قوم کے تھے۔ مگر رائے صاحب نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی۔"

میکسمولر صاحب نے غلط نہیں لکھا۔ یہ صحیح واقعہ ہے کالیتھوں

میں بارہا اس بات کی پنچایت ہوئی ۔ رائے صاحب کو برادری سے خارج کرنے کی دھمکیاں تک دی گئیں ۔ مگر وہ اپنی بات پر ثابت قدم رہے ۔ جب کبھی کسی برادری کے بزرگ نے ان کو منع کرنا چاہا ۔ وہ ہمیشہ یہ جواب دیتے رہے کہ ایشور یا گورو کی کوئی ذات نہیں ہے ۔ وہ گورو کی خدمت سے کبھی باز نہ آئیں گے ۔

جس وقت رائے صاحب صوبہ اودھ کے ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل مقرر ہونے لگے ۔ انہوں نے ہاتھ باندھ کر سوامی جی سے درخواست کی کہ ان کو مستعفی ہونے کی اجازت عطا ہو ۔ تاکہ وہ رات و دن خدمت میں حاضر رہیں ۔ مگر اجازت نہیں ملی ۔ اسی طرح جب ان کو ممالک متحدہ کے پوسٹ ماسٹر جنرل کے عہدہ پر ترقی دی گئی ۔ جو منصب ہندوستان میں دیسیوں کو پہلی دفعہ عطا کیا گیا تھا ۔ یہی درخواست دوبارہ کی گئی ۔ مگر اس مرتبہ بھی اجازت نہیں ملی ۔ اور وہ گورو کا حکم لے کر اپنے منصبی فرائض انجام دینے کے لئے الہ آباد رہنے لگے ۔ مگر اکثر ست سنگ میں شریک ہوا کرتے تھے ۔

رائے صاحب نے پوسٹ ماسٹر جنرل ہونے کے زمانہ میں ڈاکخانہ کے کام میں بڑی بڑی تبدیلیاں کیں ۔ جن کا رواج آج دنیا کی تمام شائستہ و مہذب ملکوں میں ہے ۔ جب آپ نے منی آرڈر سسٹم جاری کیا تو ڈائرکٹر جنرل کو عذر تھا ۔ کیونکہ روپیہ کی تقسیم میں سخت وقت کے سامنا کرنے کا خدشہ تھا ۔ آپ نے سیونگ بینک کھول کر اس دقت کو رفع کر دیا ۔

ایک مرتبہ آپ کلکتہ میں وائسرائے صاحب کے پاس بلائے گئے سوال یہ تھا کہ لگان کے وصول کرنے میں ڈاک خانہ کی طرف سے کوئی سہل و قابل عملدرامد انتظام کیا جا سکتا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ مالگزاری

کے منی آرڈر علیحدہ جاری کر دیئے جائیں۔ اس پر یہ اعتراض تھا کہ ڈاک خانہ میں زیادہ ملازم رکھنے پڑیں گے۔ مگر رائے صاحب نے سمجھا بجھا کر ان کے فکر کو دور کیا۔ اور سب سے پہلے آزمایشی طور پر اپنے صوبہ میں اس کو رواج دیا۔ اب اس پر ہر جگہ عملدرآمد ہوتا ہے۔

اس قسم کی کتنی تبدیلیاں و اصلاح رائے صاحب کے زمانہ میں ظہور میں آئیں۔

موجودہ مہاراجہ صاحب گوالیر رائے صاحب کے بڑے معتقد تھے جب یہ ابھی نابالغ تھے رائے صاحب کے درشن کے لئے آئے تھے گھنٹوں تک رائے صاحب ان کو طرح طرح کی باتیں سمجھاتے رہے۔ جب ان کو راج گدی ملی انہوں نے ان کو اپنی ریاست میں جاری کیا۔

رائے صاحب کی عزت جیسی انگریزی حکام میں تھی شاذ ہی کسی ہندوستانی کو نصیب ہوگی۔ سب ان کے مداح رہتے تھے اور ان کے عہد میں کسی نے جرات نہیں کی کہ ان کے منصبی کام میں دخل دیا جائے رائے صاحب کے زمانہ میں صوبہ جات متحدہ کے سپرنٹنڈنٹ قریب قریب تمام ہندوستانی تھے۔ جن میں سے زیادہ تر رائے صاحب کے مقرر کیئے ہوئے تھے۔ اب ان اسامیوں پر انگریز ہیں۔

ایک مرتبہ دھابیٹ صاحب سررشتہ تعلیم ممالک متحدہ کے ڈائرکٹر رائے صاحب سے ملنے کے لیئے آئے اور اس بات پر زور دینے لگے۔ کہ ڈاک خانے کے محکمہ میں تعلیم یافتہ آدمی رکھے جائیں آپ نے فرمایا "جب تک میں پوسٹماسٹر جنرل ہوں یہ تبدیلی مشکل ہے۔ میرے بعد آپ کو البتہ موقع ملے گا کیونکہ میں پوسٹ آفس ڈیپارٹمنٹ صرف اپنے انتخاب کے موافق ملازم نوکر رکھوں گا۔ اور چونکہ معمولی قابلیت والے اس کام کو زیادہ

تندہی اور مستعدی سے کرتے ہیں۔ میں ان کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں"۔

رائے صاحب کا ذاتی رسوخ کچھ اس طرح حاکموں پر حاوی تھا کہ وہ اکثر ہندوستانیوں کو یکبارگی بلا کسی پہلی خدمت یا تجربہ کے سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات تک مقرر کرا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ لالہ سودرشن سنگھ سیٹھ کو انہوں نے کالج چھوڑنے کے بعد ہی ڈائرکٹر ڈاک خانہ جات سے سفارش کر کے یکبارگی سپرنٹنڈنٹ مقرر کرا دیا تھا۔ یہ ذاتی رسوخ بھی کسی ہندوستانی نے شاذ ہی حاصل کیا ہوگا۔

سوامی جی مہاراج کی ان پر سب سے زیادہ محبت تھی۔ رائے صاحب ان کے ست سنگ میں بھی بڑا ہنس کہلاتے تھے۔ اور نمبر اول کے سیوک سمجھے جاتے تھے۔ ماہ جون میں ۱۸۷۸ء میں جب سوامی جی مہاراج کے چولہ چھوڑنے کا وقت آیا۔ لوگوں نے افسوس کے ساتھ عرض کیا کہ اب کون پرمارتھی تعلیم دے گا؟ انہوں نے رائے صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ رائے صاحب ایام ملازمت میں بھی جگیا سو اور متلاشیان حقیقت کو برابر اُپدیش دیتے رہے۔

۱۸۸۷ء میں جب آپ سرکاری ملازمت سے علیحدہ ہوئے اپنے گورو کے نام پر روحانی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر تو یہ کیفیت ہوئی کہ ملک کے ہر حصے سے سینکڑوں کی تعداد میں متلاشی آنے لگے۔ اور ان کی خدمت صحبت اور اُپدیش سے فیضیاب ہونے لگے۔ اور ان کے کلام میں یہ اثر تھا کہ بڑے سے بڑے اگر نیک اور دھرماتما بن جاتے تھے کتنے آدمی ہمہ تن پرمارتھی بن گئے۔ اور لوگوں میں عام طور پر اس بات کا یقین ہو گیا کہ جو کوئی رائے صاحب کے اپدیش سے مستفید ہوتا ہے وہ سادھو ہو جاتا ہے۔

آگرہ میں یہ عام بات تھی۔ کہ لیستھ اور کھتری صاحبان اور ان کی بیویاں اپنے شوہروں اور لڑکوں کو بالعموم منع کرتے تھے کہ رائے صاحب کے مکان کے پاس سے ہو کر نہ نکلنا ورنہ تارک الدنیا بن جاؤ گے ہمسایہ کی عورتیں اپنے لڑکوں کو ان کے محل کے چراغ تک دیکھنے سے ہمیشہ منع کیا کرتی تھیں کیونکہ ان کو پورا پورا وشواس ہو گیا تھا کہ جو کوئی ان کے گھر کا چراغ دیکھ لیتا ہے فقیر ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ میں آگرہ میں گیا ہوا تھا۔ انہیں دنوں بابو ہر گوبند دیال جی ایم۔ اے بھی جو کایستھ کانفرنس کے بانی ہیں اور جن کا خاندان کٹر آریہ سماجی ہے۔ آگرہ میں رائے صاحب کے درشنوں کو آئے ہوئے تھے۔ یہ ایک بزرگوار رائے چندی پرشاد صاحب کے مکان پر فروکش تھے۔ جو کسی وقت ریاست بھرت پور کے معززین اہلکاروں میں سے تھے۔ یہ صاحب ڈرتے تھے کہ کہیں بابو ہرگوبند دیال جی ان کے لڑکوں کو رائے صاحب کے ست سنگ میں نہ لیجائیں اور وہ ان کے ہاتھ سے جاتے رہیں وہ اکثر ان سے یہی استدعا کیا کرتے تھے کہ للہ فور کے لیئے ان کو معاف رکھنا

پروفیسر میکسمولر لکھتے ہیں کہ یہ بات صحیح ہے کہ ان کے بالا خانہ کے چراغ دیکھنے سے لوگ اس خوف سے ڈرا کرتے تھے کہ کہیں ان کو رائے صاحب کی تعلیم کی ہوا نہ لگ جائے (صفحہ ۱۲۲)

رائے صاحب کے شاگردوں کی تعداد بہت تھی اور وہ ہر قوم ہر ملت کے ہوا کرتے تھے۔ ہندوؤں کی تعداد قدرتاً زیادہ تھی مگر ان میں خال خال عیسائی مسلمان پارسی وغیرہ بھی نظر آتے تھے۔ ہمالودھی جرنل جو بودھوں کا انگریزی ماہواری رسالہ ہے اپنے نمبر ماہ فروری ۱۸۹۶ء میں لکھتا ہے کہ "رائے صاحب کے شاگرد ہر مذہب

سےکے لوگ ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں انگریز اور امریکن بھی شامل ہیں۔
میڈم بلیوٹسکی صاحبہ سکرٹری تھیاسوفیکل سوسائٹی مسٹر الفریڈ لائل صاحب لفٹننٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ کی چٹھی لے کر ان سے ملیں تھیں۔ اور بار ہا رائے صاحب کو تھیاسوفیکل سوسائٹی کی تحریک میں شریک ہونے کی دعوت دی مگر رائے صاحب ہمیشہ انکار کرتے رہے۔ میڈم صاحبہ ان سے "سرت شبدیوگ" کے متعلق دیر تک گفتگو کرتی رہیں۔ اور اس خاص یوگ کی قدامت اور اصلیت کے متعلق ایک خوبصورت اور مختصر کتاب لکھی ہے جو "وائس آف دی سائلنس" کے نام سے موسوم ہے۔

رائے صاحب کو سوشیل اصلاح سے گو دلچسپی رہی ہو۔ مگر وہ پرمارتھی باتوں کو سب پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ باوجود بار ہا دعوت دئے جانے کے کبھی کانسٹیٹیوشنل کانفرنس میں شریک نہیں ہوئے وہ فرمایا کرتے تھے پانی جڑ کو دینا چاہیئے۔ پتوں پتوں میں پانی دینے سے کچھ اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔ انسان کو دھرماتما بنا دو۔ ساری اصلاح خود بخود ہو جائیگی۔

اسی زمانہ میں ایک نوجوان جرمنی کا باشندہ رائے صاحب سے ملنے آیا تھا۔ اس کی ماں میں یوگ کی طاقتیں موجود تھیں۔ ایک دن اس کو عالم رویا میں یہ معلوم ہوا کہ روح کے اوپر چڑھائی کے لئے ایک نل زیادہ مفید ہے۔ جو صرف ہندوستان میں ملتی ہے اور اس نے اپنے لڑکے کو اس کی تلاش میں بھیجا۔ یہ لارڈ رپن صاحب سے ملا۔ انہوں نے کرنل اولکاٹ سے سفارش کی۔ آخر میں یہ گھومتے پھرتے ہوئے رائے صاحب کے پاس آیا۔ رائے صاحب نے فرمایا کہ "وہ نل باہر نہیں ہے۔ انسان کے جسم میں موجود ہے اور اس کا صحیح پتہ صرف ہندوستان ہی میں مل سکتا ہے۔ تم میرا مطلب نہ سمجھ سکوگے تم میرا نوشتہ لیجاؤ تمہاری

مل سمجھ جائیگی" اور ایسا ہی ہؤا وہ شخص رائے صاحب اور ان کے شاگردوں کے طرز معاشرت کو دیکھ کر کہا کرتا تھا۔ یہ طرز زندگی علم صحت کے خلاف ہے۔ جو شخص اس قدر بیدار رہ کر بیٹھا رہے گا۔ وہ کبھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ رائے صاحب اُس کی باتوں پر ہنس دیا کرتے تھے۔

رائے صاحب کو لوگ تعظیماً حضور مہاراج یا حضور صاحب کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سوال کیا گیا "مہاراج! یہ کیا وجہ ہے کہ آپ نہ کہیں جاتے ہو۔ نہ اُپدیش کا اشتہار ہے۔ پھر بھی لوگ غٹ کے غٹ روزانہ چلا آیا کرتے ہیں؟" آپ مسکرائے اور فرمانے لگے "جب شمع روشن ہوتی ہے پروانہ خود بخود اس کے ارد گرد اکٹھا ہو جاتے ہیں۔ شمع کس کس کو بلائے۔ گلاب جس وقت کھلتا ہے۔ مکھیاں آپ ہی اس کے پاس آجاتی ہیں۔ گلاب کسی کو بلانے نہیں جاتا۔ اسی طرح چونکہ پرم سنت رادھا سوامی صاحب کا ظہور ہؤا ہے جتنے معرفت اور حقیقت کے متلاشی ہیں۔ خود بخود چلے آرہے ہیں۔

اخلاق کا یہ حال تھا کہ ہر شخص کی طبیعت خود بخود ان کی طرف کھنچ جاتی تھی۔ جس وقت گفتگو کرتے تھے عالم وجد چھا جاتا تھا۔

تعلیم یافتہ اصحاب نے جس قدر رائے صاحب کی شاگردی اختیار کی ہے شاید ہی اور کسی انجمن کے ممبر ہوں گے۔ ان کے لیئے یہ صنعت نعمت غیر مترقبہ تھا۔ جو جس خیال کا ہوتا تھا اس کے ساتھ وہ بالعموم اپنی نقطۂ نگاہ سے گفتگو کرکے اپنے سدھانت کی طرف جھکا دیتے تھے اور سب ان کی باتوں کا یقین کر لیتے تھے۔ اکثر لوگ جو سمادھی کی وجہ سے بیہوش ہو جاتے تھے۔ اور لوگ ان کو رائے بہادر مکند لال صاحب کے پاس لاتے تھے یہ سب کو بلا استثنا رائے صاحب کے پاس بھیجا کرتے

تھے۔ اور صرف ان کے نگاہ کرنے سے ہی یہ ہوش میں آجایا کرتے تھے
راے صاحب ان کے شغل کو ناقص قرار دیتے تھے اور ان کو از سرنو سرت
شبد یوگ کی تعلیم دیکر کرتارتھ کر دیتے تھے

راے صاحب میں یوگ کی سدھیاں تھیں مگر وہ ان کا استعمال کرنا
نامناسب اور فضول خیال کرتے تھے یہاں تک کہ مسمریزم اور ہپنوٹزم
وغیرہ کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں ایک صاحب مسٹر
کوبر نامی تھے۔ یہ اعلے درجہ کا مسمریزم جانتے تھے۔ بارہا جب کبھی یہ
آگرہ آیا کرتے اکثر اصحاب ان کو مسمریزم کا عمل کرنے کے لئے مجبور
کیا کرتے تھے۔ راے صاحب کو منع کر دینے سے انہوں نے اس کو قطعی
ترک کر رکھا تھا۔ راقم کو ۱۹۰۶ء میں مسٹر کوبر سے کلکتہ میں ملنے کا اتفاق
ہوا۔ یہ پارسی بریج گیٹ محلہ کے نمبر ۲۱ والے مکان میں رہتے تھے۔ میں نے
درخواست کی کہ مجھ پر مسمریزم کا عمل کرو۔ وہ کہنے لگے "میں سامنے مسمریزم
کا اب عمل کرتا ہوں۔ کسی وقت مجھ کو اس میں کمال حاصل تھا مگر حضور سوامی
مہاراج کے حکم سے ترک کر رکھا ہے۔ لیکن اب بھی اس قدر یقین دلا
سکتا ہوں کہ مجھ میں یہ طاقت موجود ہے۔" یہ کہہ کر انہوں نے میرے
ہاتھ کو آہستگی سے پکڑ لیا۔ اسی وقت ایک خاص قسم کی تھرتھراہٹ پیدا
ہو گئی۔ جو آہستہ آہستہ تمام ہاتھ میں پھیل گئی۔ چونکہ وہ نہایت خوشگوار نہیں
تھی میں نے کہا "اچھا جانے دیجئے۔ مجھ کو یقین ہو گیا۔ اب بس کیجئے"
کوبر صاحب کا شغل بڑھا چڑھا معلوم ہوتا تھا۔ اب وہ غالباً اٹالیہ
کے شہر وینس میں ہیں۔ کیونکہ مجھ سے کہتے تھے وہاں ہی رہنے کا
ارادہ ہے۔

راے صاحب کے یہاں ذات پات کی تمیز مطلق نہیں کی جاتی تھی۔ بہر

شخص کو بلا لحاظ قومیت تعلیم دی جاتی تھی۔ اب بھی رادھاسوامی پنتھ میں جس کے وہ بانی مبانی ہیں۔ اسی اصول پر عملدرآمد ہے۔

رائے صاحب کی خوبیوں کا کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا مگر چند حرف گیر۔ عیب جو کوئی کرنے کی کوششیں کرتے تھے۔ مگر ان کی ذات خاص کے متعلق کبھی کسی کو عیب لگانے کا موقع نہیں ملا۔ شکایت کی جو باتیں عام طور پر کہی جاتی ہیں کہ انہوں نے ڈاک خانہ کے محکمہ کو کھتریوں سے بھر دیا تھا۔ اور وہ شاگردوں کو اپنا جوٹھا کھلاتے تھے۔ مگر یہ بالکل فرو عائی باتیں ہیں۔ جن کی تائید و تردید سے ہم کو کوئی سروکار نہیں۔

اس کے سوا اس کے محرک ان کے شاگردوں کے عقیدہ کو بھی کہا جا سکتا ہے۔

آپ کے مکان پر ہر روز رات دن ستسنگ ہوا کرتا تھا جس میں پرمی ست سنگی و نیز باہر سے آنے والوں کو سنت مت کی بزرگی و ابھیاس کی تعلیم دی جاتی تھی اور باوجودیکہ عمر اتنی زیادہ ہوگئی تھی۔ مگر رائے صاحب برابر پلنگ پر بیٹھے ہوئے سب کو فیض پہنچایا کرتے تھے۔ سارا وقت اسی کام میں صرف ہوتا تھا صرف برائے نام کچھ وقت نیند کے لئے مخصوص تھا۔ آپ کی غذا بھی اس قدر کم تھی کہ ظاہرا بچہ کے لئے بھی کافی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ مگر جسمانی لحاظ سے وہ کمزور نہیں تھے۔ اور چہرہ سے نور برستا تھا۔

سنت مت کینگزم کا مصنف لکھتا ہے کہ آپ نے ۳۲ برس ابھیاس اور ۲۰ برس تک سوامی جی کا ست سنگ کیا تھا اور خصوصاً ۱۸۵۸ء سے ۱۸۷۸ء تک برابر قریب ۱۲ گھنٹے ہر روز دو دفعہ سوامی جی مہاراج کے ست سنگ میں تشریف لیجاتے تھے؛ غالباً اس میں ان کے دورہ کے ایام شامل نہیں ہیں۔

رائے صاحب کے شاگردوں کی تعداد ہندوؤں میں خاص کر دو ڈھائی لاکھ کے قریب ہے۔ پنجاب میں ان کی آبادی ۴۵ ہزار سے کم نہ ہوگی اسی طرح سندھ میں بھی بہت بڑی جماعت ہے۔ زیادہ تعداد ممالک متحدہ اور بنگال میں ہے۔

رائے صاحب کی تصانیف بہت ہیں ان میں سے پریم بانی ۴ جلد ضخیم۔ پریم پتر ۶ جلد۔ سار اپدیش۔ نج اپدیش۔ پریم اپدیش وغیرہ ان کے تعلیمی اصول سے مالا مال ہیں۔ ایک کتاب انگریزی میں بھی موجود ہے۔

بقول نور لے صاحب کے یہاں رات اور دن ست سنگ ہوا کرتا تھا۔ اور دھرم کے پیاسوں کو اس سرچشمۂ فیض سے ہمیشہ روحانی تشفی ملا کرتی تھی۔ بعض سننے ہیں، گپت ہونے سے دو برس پہلے آپ کھلم کھلا اکثر وقت ان نکتوں کو عام طور پر ظاہر فرماتے تھے جو صرف سینہ بسینہ اب تک لوگوں تک پہنچتے رہے ہیں۔ اس زمانہ میں خاص کر اکثر ست سنگیوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ اس دو برس کے ختم ہوتے ہی پھر آپ نے خاموشی اختیار کر لی۔ کھانا پینا بالکل کم بلکہ صرف برائے نام رہ گیا۔ دو دو روز تین تین روز سمادھی میں رہنے لگے آپ کا جسم مبارک سوکھ کر بالکل کانٹا ہو گیا۔ یہ حالت پورے چھ مہینے تک رہی۔ آخر جب چولا چھوڑنے کا وقت آیا تو ایک دن آپ فرمانے لگے مجھ کو تین دن تک بیدار مت کرنا۔ اگر میں بیدار ہو گیا تو خیر ورنہ یہ آخری وقت ہے۔ شاگردوں نے پوچھا کہ پنڈت ہری شنکر جی کو بلا دیں۔ آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے منع کیا اور پھر اسی خواب میں چلے گئے۔ جو بیداری کو نہیں جانتی۔

گو کہنے کے لئے وہ اب نظروں سے غائب ہو گئے ہیں مگر اب تک
ان کی روح ان کے تعلیم کے سلسلہ میں موجود ہے اور حقیقت کے
متلاشیوں کے لیئے اس کے فیض کا سلسلہ اب تک جاری ہے

شبد ۱

آج میں پایا درشن گورو پیارے

درشن کرتے ہوئے ہوں نہال سا — بچن سنت بھرم مٹ گئے سارے
اچرج مہما سنت سنگت کی — گورو اپدیش لیا ار دھارے
دھیان دھر سرت گہری من من — گگن اور چڑھتی دھن لا رے
دھسو گئی سرت ادھر چڑھائی — نین لوک کے ہو گئے نیارے
واہ سوامی دیال کی مہما بھاری — کوٹن جیو لئے ان تارے

شبد ۲ (منتخب ۱)

گورو دھر اسیس پر ہاتھ — من کیوں سوچ کرے
گورو رکشا ہر دم سنگ — کیوں نہیں دھیر دھرے
گورو راکھیں راکھن ہار — ان سے کال ڈرے
میری کریں بخشش کرتار — میری نور ڈرے
میرے مات پتا گورو دیو مہا — کون کرے
پیارے رادھاسوامی دین دیال بچن جین کرے

شبد ۳ (منتخب ۱)

بنتی کروں پکار پکاری — بنتی تاپ سے جیو دکھاری
من چنچل موہے ناچ نچاوے — کال کرم موہے نت ستاوے
بھوگ بلاس جگت کے مانگے — گھٹ میں شبد دوار نہیں جانگے

کام کرودھ سنگ بھرمت ڈو | جرہ چیتن کی گانٹھ نہ کھولے
بہتک جتن کئے میں آئی | مہابل کچھ پیش نہ جائی
تم سمرتھ میرے سنگور پیارے | کال مار موہی لیو بچارے
میں بالک تم پتا ہمارے | جلدی سے ہو سے لیو سدھارے
یہ پکار میری سن لیجے | مہر دیا اب رادھاسوامی کیجے

تیسری فصل

پنڈت برہمہ شنکر جی مہاراج۔ ایم اے

پنڈت برہمہ شنکر جی ۲۸ مارچ ۱۸۶۱ء میں شہر بنارس کے ایک پرتشٹھت براہمن خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ بنارس کالج میں سنسکرت زبان کے پنڈت تھے اور ان کے بھائیوں میں سے سب معزز عہدوں پر مامور ہیں۔ ان کا گھر شہر بنارس کے محلہ پیری میں واقع ہے۔ جو کبیر صاحب کے چورہ کے متصل ہے۔ یہاں ہی پرم سنت کبیر جی مہاراج کا ظہور ہوا تھا۔

سنسکرت اور انگریزی کے عالم تھے۔ سائنس کا بڑا شوق تھا۔ اور سائنس ہی میں ایم۔اے کی ڈگری کلکتہ یونیورسٹی میں لی تھی۔

تعلیم پانے کے بعد ۲۲ نومبر ۱۸۸۰ء میں حضور مہاراج کے شرناگت ہوئے۔ اور گورو کی ایسی بھگتی کی کہ بایدو شاید۔ یہ حضور صاحب کے گورومکھ چیلے کہلاتے تھے۔ اور سب سے زیادہ منظور نظر تھے۔

جب ۱۸۹۸ء میں حضور مہاراج نے چولا چھوڑا۔ انہوں نے ست سنگ کرانا شروع کیا جس کا سلسلہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۷ء تک جاری رہا۔ پھر یہ

بھی گپت ہو گئے۔

ان کے زمانہ میں سنت مت میں بہت آدمی شریک ہوئے جن میں سے پارسیوں کی بھی خاصی تعداد تھی۔ یہ سنت مت کی تعلیم سائنس کی طرح پر دیتے تھے۔ جس سے تعلیم یافتہ گروہ کو بالخصوص فائدہ حاصل کرنے کا بہت بڑا موقع ہاتھ آیا۔

یہ عرصہ تک الہ آباد میں سرکاری ملازمت کے ایام میں ست سنگ کراتے تھے۔ بعدازاں بنارس میں چلے آئے۔ اور وہاں ہی شریر تیاگ کیا ان کی سمادھی وہاں موجود ہے۔

پنڈت جی مہاراج کے بچن کو ایک ان کے ست سنگی نے پانچ حصوں میں فراہم کر کے چھپوا دیا ہے جو ہندی زبان میں ہے۔ انگریزی میں ایک کتاب "ڈسکورسنز آن رادھا سوامی فیتھ" ان کی یادگار ہے۔

پنڈت جی نے شبد وغیرہ نہیں کہے۔ نہ کوئی اور کتاب ہندی میں لکھی ہے۔ ان کے چند دوہے۔ چوپائی جو کسی وقت آپ نے فرمایا تھا انگریزی کتاب کے آخر میں شایع کئے گئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح کے قادر الکلام تھے۔

دوہے

بار بار کر جور کر۔ سینپے کروں پکار
سادھ سنگت موہے دیو نت۔ پرم گورو داتار
کرپا سندھ سمرتھ پورش۔ آدی انادی اپار
رادھا سوامی پرم پتو۔ ہیں تم سدا ادھار

سورٹھا

بار بار بل جاؤں۔ تن من واروں ...

کیا کہہ سے میں گاؤں۔ ہر کری جس کر پا کر
دھنیہ دھنیہ گورو دیو۔ دیا سندھ پورن دھنی
نِت کروں تم سیوا جل بھگتی۔ وہی دیو پربھو
دین ادھین اناتھ۔ ہاتھ گہا تم آن کر
اب راکھو نت ساتھ۔ دین دیال کرپا ندھی
کام کرودھ مد لوبھ یہ سب مدھ اوگن ہار ہیں
پر تھ راکھو میری لاج۔ تم دواردے اب میں پڑا
رادھا سوامی گورو سمرتھ۔ تم بن اور نہ دوسرا
اب کرو دیا پرتھ شنکیش۔ تم در اپنی بلمب کیوں

دوھا

دیا کرو میرے سائیاں۔ دیو پریم کی دات
دکھ سکھ کچھ بیا پے نہیں چھوٹے سب تپات

———۰———

سُرت شبد یوگ کلپدرم

کا

دوسرا حصہ

جس میں سنت مت کے عقاید اصول اور فلسفہ پر نظر تحقیق کے ساتھ بلا رُو رعایت بحث کی گئی ہے اور ابھیاس کے طریقہ پر روشنی ڈالنے کا اہتمام کیا گیا ہے

سنتیا سنگور میا بایایا آدانا د
گرت من کہنتے نابھے سرت بھگی لبھما د

از

بابو شیوبرت لال ورمن ایم اے

گردہر سٹیم پریس لاہور کے پرنٹر لالہ لال چند نے کنھیالال
پبلشر کے لئے چھاپا

تنبیہ

✤

یہ کتاب میں نے سادھوؤں کے لئے نہیں لکھی ہے۔ اس لئے اس کو پڑھ کر کوئی شخص سنت مت کے عالم گیر اصول کے متعلق شاید ممکن ہے پوری رائے قائم نہ کر سکے۔ سنت مت کا سچا علم صرف ست سنگ میں پراپت ہو سکتا ہے۔ سفینہ کا علم نہیں ہے سینہ کا علم ہے۔ اسکا لحاظ رہے۔ اس میں اگر کہیں کوئی غلطی اور سقم واقع ہو تو وہ میری نادانی اور نافہمی سمجھی جائے۔ میں نے اپنی دانست میں صرف اُن لوگوں کے اُپکار کے لئے اس کو قلمبند کیا ہے جو سنت مت کے حالات کو سرسری نگاہ سے جاننے کے شائق ہیں۔ کیا عجب اس کے مطالعہ سے ان کو پرمارتھ کا سچا شوق پیدا ہو۔ اور وہ سچے مذہب کے متلاشی ہو کر راہ حق پر آئیں۔ اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس کے لکھنے کی صرف اتنی ہی غرض ہے۔ اور بس

گورو آشیرباد دیں کہ اس کے پڑھنے والے اُن کے سچے سیوک بنیں اور اپنا جنم سپھل کریں ✤

دختر سادھو
۳ جون ۱۹۱۱ء

(شیو)

فہرست مضامین

سرت شبد یوگ کلپدرم

حصہ دوم

سُرت شبد یوگ کلپدرم کے دوسرے حصہ کا

دیباچہ

سنت مت اور سناتنی مت ؟

سنتوں کے مت کے سمجھنے میں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں۔ اس غلطی کا سبب یہ ہے۔ کہ یہ مذہب کتابی نہیں ہے۔ اور نہ کسی کتاب کے اصول و قواعد پر اس کا انحصار ہے۔ یہ آتما کی دیا ہے۔ آتما کی دویا ہر شخص کو نہیں ملتی وہ آتما صرف اس کو ملتا ہے جس کو آتما پیار کرتا ہے۔ یہ پریم کا مارگ ہے۔ اس میں سب کچھ پریم کے لئے قربان ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ انسان یوں ہی قربانی کرتا ہے۔ بلکہ آتما کا پیار سب کچھ آپ کرا لیتا ہے بشرطیکہ کسی میں کسی طرح مہاتما کا پیار پیدا ہو جائے۔

یہ بہت بڑا فرق ہے جو سنت مت میں اور سناتنی مت میں ہے۔

دوسرے لفظوں سنت مت نورتی مارگ ہے۔ دوسرے مت پرورتی مارگ ہیں۔ خواہ یوں سمجھو۔ سنت مت آتمک دھرم ہے۔ اور مت ساماجک دھرم ہیں۔

آتمک دھرم و ساماجک دھرم

آتمک دھرم میں کسی خاص قاعدہ کی پابندی نہیں ہوتی۔ ساماجک دھرم میں خاص ضابطوں اور قاعدوں کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ ساماجک دھرم میں اس بات کی ضرورت ہے کہ آدمی وقت وقت پر سب کام کرے۔ وقت پر بھجن۔ وقت پر سندھیا وغیرہ پرایویٹ۔ مگر آتمک دھرم میں اس کا مطلق لحاظ نہیں ہے۔ انسان میں ذرہ پریم آنے دو۔ خواہ وہ پریم کسی قسم کا ہو۔ پھر اس کو خیال تک نہیں رہتا کہ وقت کہاں گیا اور کیسے گیا۔ پریم اور مستی کی حالت میں کال اور ماما کا مطلق خیال نہیں رہتا۔ اور کوئی خیال بھی کیسے کرے۔ کیونکہ جہاں آتمک خیال ابھر کھڑے ہوتے ہیں وہ پھر کال اور مایا کے فکر کو دل میں آنے تک نہیں دیتے۔ یہ دنیاوی پریم میں بھی اکثر دیکھا جاتا ہے

اور جہاں آتمک پریم ہو وہاں تو کہنا ہی کیا ہے۔ پریم مگن جب من بھیا تو کون گنے تتھی وار۔ کال مت و دیال مت میں یہ بہت بڑا فرق ہے جو ساماجک دھرم میں تم کو نظر آئیگا تم دیکھتے ہو۔ ساماجک دھرم کا جہاں زور شور ہوگا وہ شور کال اور مایا کا ہوگا۔ سب کے ملنے ملانے کے لئے ایکدن مخصوص ہوگا۔ اس دن کے خاص خاص مخصوص ہیں خاص خاص قاعدوں کی پابندی کا لحاظ رہیگا۔ پندرہ منٹ سندھیا۔ پندرہ منٹ بھجن۔ پندرہ منٹ اُپدیش۔ الغرض ساری بات وقت پر موقوف ہوگی۔ وقت ہی کال کو کہتے ہیں اور یہ سب سامان اور سامان کے خیال کو مایا بولتے ہیں۔ اس لئے سنساری و ساماجک دھرم کال اور مایا کا دھرم ہے اور سنت مت جس میں مالک کے بھجن بندگی کے لئے کسی خاص اصول یا پیروی کا حکم نہیں۔ اس میں ان میں سے کسی کا اہتمام مد نظر نہیں رہتا ہے۔ ساماجک دھرم کال مت ہے۔ سنت مت دیال مت ہے۔

غلامی اور آزادی کے مت

دوسرا فرق یہ ہے کہ سنساری اور ساماجک دھرم کسی نہ کسی کتاب کے ماتحت ہے۔ اس کے ارکان کے ادا کرنے کے لئے۔ دلیل سند اور پرمان کی ضرورت ہے۔ جب تک پرمان نہ پیش کرو۔ تم کچھ نہ کہہ سکتے ہو۔ نہ کر سکتے ہو۔ قدم قدم پر تم کو کسی نہ کسی سند۔ دلیل اور حجت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر سند یا پرمان نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے اگر سند ہے و پرمان ہے تو سب کچھ ہے۔ سنساری مت اس لئے سند پرمان اور کتابوں کی غلامی کا مت ہے۔ سنت مت ان سب سے آزادی بخشتا ہے۔ اس لئے وہ آزادی کا طریق ہے۔

ساماجک دھرم میں بزرگوں کے حوالے کرنیکی حاجت ہے آتمک دھرم میں اسکی مطلق ضرورت نہیں ہے بلکہ نہ اسکی طرف التفات کیجاتی ہے۔ وہاں تو آتمک بھرنا ہے کام ہے وہاں یہ کہا جاتا ہے کہ آتما انبھو کیا کہتا ہے۔

تم اعتراض کروگے کہ آخر سنت مت میں بھی کتابیں ہیں۔ سنتوں کی بانی موجود ہیں انکا

بھگت اور مہاتماؤں کی کتھاؤں کو سنو۔ انکے حالات کو خود باریک بینی کی نگاہ سے مطالعہ کرو اور تم کو خود معلوم ہو جائیگا کہ اس میں سچائی ہے۔ یہ علم لدنی کہلاتا ہے اور بغیر پڑھے لکھے آتا ہے۔ مطلق ضرورت نہیں ہے کہ آدمی اس کا محتاج ہے سنتوں میں بہت کم ایسے نکلیں گے۔ جن کو ظاہری (دنیاوی) علم سے سروکار تھا باطنی یا روحانی علم کا ان کو کمال تھا۔ جن کا حال ایک دنیا کو معلوم ہے۔ الغرض یہ علم ذات کا علم ہے۔ اور اُس وقت پراپت ہوتا ہے جب آتما بطور خود اپنی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

یہ چند مختصر امتیازی فرق ہیں۔ جو سنت مت اور سنساری مت کے درمیان ہیں۔ ایک کرم دھرم اور پاکھنڈ میں پھنسانیوالا ہے۔ دوسرا کرم کی جال کا کاٹنے والا ہے۔ ایک سے آواگون ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا اُسکی ہمیشہ کے لیئے بیکلی ہو جاتی ہے یہ لوگ ممکن ہے۔

اعتراض

کریں کہ سنساری مذہب کو اس نظر سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش نہ ہونی چاہیئے۔ ورنہ پرورتی کی طرف سے لوگوں کی طبیعت ہٹے گی اور کوئی کرم نہ کریگا اور کرم اچھا ہے بُرا نہیں ہے۔ اس کا

جواب

یہ ہے کہ سنت مت نہ کسی کو بُرا کہتا ہے نہ بھلا کہتا ہے۔ اسکو نہ کسی سے راگ ہے نہ دویش ہے۔ اور سنت مت کے پیرو کار اس بات کو بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام لوگ کسی ایک بات کو ایک ہی پہلو سے نہیں دیکھ سکتے۔ اس لیئے وہ خواہ مخواہ خیالات کی عام اشاعت پر زور نہیں دیتا۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ جن کا جیسا خمیر ہے۔ جس میں جس حد تک آہنگ۔ پہونچا کا وقت آیا ہے وہ صرف اسی حد تک سچائی اور حقیقت کے طرف مایل ہونگے رہی یہ بات کہ کرم کی طرف سے لوگوں

پاٹ کہا جاتا ہے۔ میں کہونگا کہ باوجود ان سب باتوں کے زور سے تاکید کیساتھ کہا جاتا ہے کہ

آپ آپ کو آپ پہچانو کہا اور کا نیک نہ مانو

یہ ستپرش رادھا سوامی کا قول ہے۔ اسی طرح حضور مہاراج خود فرماتے ہیں۔

جب تک دیکھو نہ اپنے نینا تب تک مانو نہ گورو کے نینا

ان کلاموں سے تم بخوبی سمجھ سکتے ہو کہ جس طریق میں اس قدر آزادی کی تعلیم ہے کہ جبتک اپنی آنکھ سے کسی شے کو نہ دیکھ لو تب تک گورو کے بچن کو نہ مانو۔ وہ طریق سچی آزادی کا طریق ہوگا۔

پرمان انومان وغیرہ وانبھو

علم حاصل کرنیکے ذریعے۔ پرمان۔ انومان۔ شبد بتائے گئے ہیں جن کا آگے چل کر ذکر آئیگا۔ پرمان اندریوں یعنی حواس کے علم کو کہتے ہیں۔ قیاسی علم کہلاتا ہے۔ شبد مذہبی اور بزرگوں کے قول سے مراد ہے الغرض علم حاصل کرنیکے اتنے ہی ذریعے تسلیم کئے گئے ہیں۔ انکی وقعت ہے انکی اپنی حیثیت ہے مگر انکے ساتھ سنت مت میں اور کسی بات پر بھی زور دیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ تمہارا اپنا انبھو کیا ہے اور جبتک تیرا انبھو نہ ہو تب تک سارا علم فضول۔ ناکارہ اور نکما ہے یہی سنت مت میں یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ ہر انسان کو اپنے طور پر سوچنے سمجھنے کے لیے پوری پوری آزادی عطا کرتا ہے۔

پرا۔ اپرا۔ ودیا

وید شاستر پوران۔ یہ سب اپرا ودیا میں ہیں اور کا نام کتابی علم ہے۔ ایکے علم کو سفینہ کا علم کہتے ہیں سنت مت سینہ کا علم ہے۔ یہ آتمک علم ہے۔ اس کا نام پرا ودیا ہے۔ تم کو تعجب ہوگا کہ ہمنے ویدوں تک کو اپرا ودیا کا خطاب دیا ہے لیکن بالخصوص سکتے تم ہم پر اعتراض کرو۔ خود ویدوں اور اپنشدوں سے سوال کرو اور وہ تم کو آپ بتا دینگے کہ ویدوں کا شمار اپرا ودیا میں ہے صرف آتمک ودیا پرا ودیا ہے جس کا علم آتما کو براہ راست آتما سے ہوتا ہے۔ اور وہ در اصل دنیا کے کسی خارجی علم کا نہ محتاج ہے اور نہ شاستروں کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ یہ پرا ودیا انکو بھی ملتی ہے جو پڑھے لکھے تک نہیں ہیں۔ اور نہ یہ بالکل ضروری ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے ظاہری علم کی خواہ مخواہ محتاجگی رہے۔

مرغی ز عارف کامل کسے نگفت · در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

کی اونچی نہ مٹانی چاہیئے اس کا جواب پہلے ہی دیدیا گیا کہ سنت مت جبر و سختی کا
طریق ہی نہیں ہے نہ وہ کسی سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے جو چاہے وہ کرے مگر اس بات کو
بھولنا نہیں چاہیئے کہ محض کرم سے مکتی نہیں ہوتی شبھ کرم سے انسان سورگ
کو جاتا ہے اشبھ کرم سے نرک کو جاتا ہے وہ کسی حالت میں بھی مکتی کے ذریعہ
نہیں ہیں ان میں سے ایک

سونے کی زنجیر دوسری لوہے کی زنجیر

ہے اور برائی کبھی اس کی وجہ سے کبھی اوپر کبھی نیچے آتے رہتے ہیں۔ کیونکہ
کرم کا سلسلہ ایسا خوفناک ہے کہ کسی حالت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شبھ کرم سے
اشبھ کرم نہ پیدا ہوں گے۔ نیکی بدی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ایک سے دوسری
پیدا ہوتی ہے اس لئے جہاں تک

کرم

کا تعلق ہے وہاں تک سنت مت صرف اتنا ہی جاننا چاہتا ہے کہ اس کی اپنی
اصطلاح میں صرف وہ کرم اچھا ہے جس سے مالک کی قربت نصیب ہوتی ہے اور وہ
برا ہے جس سے اس کے چرنوں سے دوری ہو اور اس لئے چونکہ کرم کا سلسلہ
خود مذبذب حالت میں ڈالنے والا ہے سنت فرماتے ہیں کہ اس وقت تک
کسی کرم کا امتیاز نہ رکھو تاوقتیکہ سچے

گورو

کی صحبت خدمت مثل دو برس برس سے پرانی کے نگاہ میں روحانیت کی
معراج قائم نہ ہو جائے اور پھر جب یہ حالت ہو جائیگی۔ پھر کرم کرم نہ رہیگا
اس کا ڈھانس ٹوٹ جائیگا۔ انسان کرم کرتا ہوا بھی اکرم بن کر بھوساگر سے پار
ہو جائیگا۔ اور اسکو کوئی طاقت باندھ نہیں سکے گی۔ اس قدر کرم کے متعلق
سمجھ لینا چاہیئے۔ اب رہ گیا۔

گیان

اس کی بابت صرف اس قدر ذہن نشین کرانا ہے کہ سنات مت میں نرے گیان کی بھی عزت نہیں ہے۔ نرے گیان سے ہمارا مطلب واچک گیان سے ہے واچک گیان اس گیان کو کہتے ہیں جس کی حد نوک زبان تک محدود رہتی ہے آدمی کہنے کو جو چاہے کہے۔ لیکن اگر وہ گیان کی عملی اور مجسم صورت نہیں ہے تو وہ گیان کسی حالت میں دکھوں سے نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ سنت مت میں گیان کا کھنڈن نہیں ہے۔ وہ انسان کو صرف اس قدر ہوشیار کرنا چاہتا ہے کہ آدمی صرف بہ زبان سے نہ کہے کہ سچ بولنا چاہیئے۔ بلکہ وہ عملی طور پر سچ کی مجسم مثال ہو۔ یہاں تک کہ وہ بلا کسی پیش وپس کے اپنے آپ کو سچ کے لئے قربان کر کے اپنے ذاتی بیوہار سے تکلیف کی حالت سے۔ اور اگر ضرورت پڑے تو موت سے اسکی سچائی کی شہادت دیسکے۔ اور کہ سچائی کی شہادت دینے میں اسکو کسی طرح کا دریغ دپس وپیش نہ ہو۔

سنساری یا سماجک مت میں جو اصول کام کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جس کرم سے یا گیان کے ذریعہ سے بہت سے زیادہ تعداد کا بھلا ہو۔ اس سے درگذر نہ کیا جائے۔ اور مطلبی حالت کے قائم رکھنے اور کثیر التعداد آدمیوں کے ظاہری فلاح واصلاح وبہتری کے لیۓ اگر کبھی کسی حالت میں گیان کا خون بھی ہو جائے تو اس اندیشہ نہ کیا جائے۔ سنساری مت والے اس بات کو اتنے واضح لفظوں میں اس کا اظہار نہ کرینگے۔ کیونکہ اُن کی پالیسی یہ رہتی ہے کہ اس طرز عملی کی کمزوری کا اوروں پر اظہار نہ ہو۔ مگر سنت مت کہتا ہے نہیں۔ کسی حالت میں بھی سچائی کا خون نہ کیا جائے۔ بلکہ سارے سنساری نفع کو سچائی کے لیۓ قربان کرنا چاہیئے اس لیۓ دنیا میں قدم قدم پر جہاں تک سنساری مت وسماجک دھرم کا تعلق ہے وہ اپنی زاپنے جنتھا کی بھلائی کے لیۓ گیان دھرم اور

کرم کو ذبح کر دیتے ہیں ایسے گیان دہرم اور کرم کی سنت مت میں کوئی وقعت
نہیں ہے

لوگ اپنی غلطی سے کہتے ہیں کہ سنت مت

ویدانت

کی تعلیم کا مخالف ہے۔ اس سے زیادہ بھول اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو سنت مت
ویدانت کا برودھی نہیں ہے۔ وہ صرف واچک گیان کو اچھی نگاہ سے نہیں
دیکھتا۔ اس کو چاہیے مخالفت کرو یا مزاحمت کہو تم کو اختیار ہے ورنہ اصلیت
کے نقطہ نگاہ سے وہ ویدانت پر حملہ کرنے کے لیے کبھی بھی تیار نہیں ہے۔
وہ صاف صاف لفظوں میں کہتا ہے اکہ جو کہتے ہو اس کو کر دکھاؤ۔ ویدانتی نہ بنو
بلکہ تمہارا من بھی ہر طرح زبان کے ساتھ رہے۔ اس وقت ویدانت کے مسایل
کا سننا سنانا کچھ معنی رکھے گا۔ ورنہ ویدانت کے اوراق کی ڈھاک کے پتوں
سے زیادہ عزت نہیں ہے۔ ویدانت کے آدرش و معراج کا اظہار اگر تمہاری ذات
سے ہوتا ہے تو بے شک وہ قدر کے قابل چیز ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر
محض اس کے زبانی جمع خرچ سے تمہارا اور دوسرے پرانیوں کا اکاج ہوگا
اور جن لوگوں میں ذرہ بھی انصاف ہے۔ وہ دیکھیں گے کہ آیا اس میں سچائی
بھی ہے یا نہیں۔

سنت مت میں گیان اس کو کہتے ہیں جو مالک کے پہچاننے۔ اپنی ذات
کے سمجھانے اور سارے پرانیوں کے تعلقات کے اصلی روپ میں دکھانے
میں ممد و مددگار ہو۔ گیان کو سنت مت میں۔

علم ذات

کہتے ہیں علم ذات سے بہتر اور کوئی علم نہیں ہے۔
جان جملہ علمہا است این۔ کہ بدانی من کیم در یوم دیں۔ قیمت ہر کار میدانی کہ چیست قیمت خود را نہ دانی احمقی است

اگر گیان مارگ اس علم کے حاصل کرنے میں مددگار ہے تو بہتر ہے۔ چشم ما روشن۔ دل ماشاد۔ اور اگر اس سے یہ مفاد حاصل نہیں ہے تو اس سے کنارہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ویدانت نہیں ہے۔ وہ صرف واچک گیان ہے۔ اور اس سے بچ کر رہنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بھولے بھالے آدمیوں کو گمراہ کر دیگا۔ اس کی وجہ سے ریاکاری اور مکاری کا سلسلہ پیدا ہوگا۔ جو آخر میں حد درجہ کا مضر ثابت ہوگا۔ ست مت اصل میں

پریم کا مارگ

ہے۔ اور پریم ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جو انسان کو اس کے لیئے سب کچھ قربان کر سکنے کے لیئے تیار کر دیتا ہے

پریم کی تعریف

یہ ہے کہ انسان میں قربانی بھگتی اور سچائی پیدا ہو۔ یہ تینوں الفاظ گو کہنے کے لئے جدا جدا ہوں مگر ایک ہیں

تم دیکھتے ہو۔ ماتا اپنے بچے کے لیئے سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہوتی ہے آپ تکلیف اٹھاتی ہے بچے کو آرام دیتی ہے۔ تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ ماتا ہزار بزدل کمزور اور خوف کرنے والی ہو۔ مگر جب اسکے بچے پر مصیبت آنکو ہوتی ہے۔ وہ بیخوف بنکر شیر کے منہ میں اپنا منہ دیدیتی ہے۔ بھیڑیئے کا مقابلہ کرتی ہے کوئی طاقت اس کو اپنے بچے سے جدا نہیں کر سکتی نہ کرا سکتی ہے۔ تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ وہ اس پریم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتی۔ کیونکہ پریم کے مارگ میں لینے کا سوال نہیں آتا۔ بلکہ ہمیشہ دینے کا سوال آتا ہے۔ پریم دکانداری نہیں ہے وہاں سودا کی خرید و فروخت کا سلسلہ نظر نہیں آتا۔ سنساری منش میں ایشور کی پرستش اسی غرض سے کی جاتی ہے کہ اس سے کچھ لینا مقصود رہتا ہے۔ .. میں تمہاری پوجا کرتا ہوں۔ تم میرے بگڑے کام آ کے بنادو ۔ کو ایشور یہ طاقت

دولت اور رسوخ دو۔ پریم اس جذبہ کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ایشور اگر سب شکتیمان ہے تو وہ ہؤا کرے۔ ہم کو اس سے کچھ لینا نہیں ہے ایشور سردگیہ ہے تو ہؤا کرے۔ ہم کو اس کی سردگیتا سے کوئی غرض نہیں۔ غرض صرف پریم سے ہے۔ اور پریم ان سفلی جذبات سے بہت اونچا ہے ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ لے لو۔ ہم صرف پریم کی نظر سے تم کو پیار کرتے ہیں۔ جہاں غرض کا سوال آیا۔ پھر وہاں پریم نہیں رہتا۔

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد

اس لئے سنت مت اور سنساری مت میں بہ بہت بڑا فرق ہے۔ کوئی اس کو چاہے مانے یا نہ مانے مگر یہ لفظ بہ لفظ صحیح ہے۔

گیان مارگ اور پریم مارگ

میں کچھ تھوڑا سا بھید ہے جو ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ ایک تحلیل و تقطیع کا مارگ ہے دوسرا مماثلت اور اتحاد کا مارگ ہے۔ گیان میں آدمی کو کانٹ چھانٹ کر کے چلنا ہوتا ہے۔ ہر بات کی تہ میں پہنچنے و پہنچانے کا اہتمام مد نظر رہتا ہے۔ اور اس میں کسی حد تک خودی اور انانیت کو قائم رکھ کر کانٹ چھانٹ کرنا ہوتا ہے۔ پریم کا مارگ اس کے برخلاف ہے۔ اس میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں پریم اور پریمی کا مل کر ایک ہو جانا مقصود ہے۔ تا کہ پھر دویت بھاؤ کا بھید نہ رہے اور پریمی اس طرح اپنے آپ کو پریتم میں جذب کر دے کہ ذرہ بھی فرق نہ رہے۔ اور خودی و انانیت کا نام بھی باقی نہ رہے دوسرے لفظوں میں گیان اور بھگتی

دل و عقل

کے طریق ہیں۔ عقل ہر بات کی تمیز کراتی رہتی ہے۔ دل ہر بات کو اپنا رنگ دیتا ہے۔ عقل کانٹ چھانٹ کرتے ہوئے ہر شے کو محدود بناتی ہوئی اصلیت کی طرف انگلی اٹھاتی ہے۔ دل اپنے آپ کو اتنا لامحدود بنانا چاہتا ہے کہ وہ سب

میں اور سب اس میں آجائیں کوئی بھی باقی نہ رہے پاوے جس کی اس میں گنجائش نہ ہو وہ سب کا اور سب اس کے ہو جائیں۔ یہ ان دونوں میں صریحی اور بدیہی فرق ہے۔ اور جو لوگ اس کو جانتے ہیں اور جان کر سمجھ لیتے ہیں وہ سفت من کی خوبیوں کے مداح ہوتے ہیں۔ اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جو اس کو نہیں جانتے وہ ناحق الجھن میں پڑ کر اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا کے نظام میں عقل ہی سب کچھ نہیں ہے۔ بلکہ دل اور دل کے جذبات کو بھی بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔ محض عقل سے کام نہیں نکلتا۔ عقل گرانیوالی بھی کہیں کہیں ثابت ہوتی ہے۔ مان۔ بڑائی۔ شہرت۔ حکومت۔ اختیار اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ مگر دل جب کسی پہ آجاتا ہے وہ ایک کی بھی نہیں سنتا۔ اپنے آپ کو معراج کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ اور انانیت۔ نفسانیت اور خودی کے پردوں کو پاک کرتا ہوا آورش سے ایک ہو جاتا ہے۔

اب سوچو ان میں کونسا مارگ اچھا ہے۔

اس سے یہ کبھی مراد نہیں ہے کہ انسان عقل سے کام نہ لے عقل بے ضرورت نہ لیا جائے وہ قدرتی نظام میں نعمت ہے مگر اس کا درجہ قائم کر دینا چاہیئے تاکہ وہ آگے چل کر دخل نہ کرے

سفر مینا اور فوج

زیادہ صاف لفظوں میں بطور مثال ہم اس طرح سمجھو کہ ایک بادشاہ کسی ملک پر چڑھائی کر رہا ہے۔ چڑھائی اس وجہ سے ہے کہ وہ ملک کو فتح کرے اس کے پہلے ناکہ سورج جاوے اس کے ساتھ لشکر اور فوج ہے۔ اس لشکر اور فوج کی ہراول عقل ہے اور بموئی حیثیت میں لشکر انسان کا دل ہے ہراول سفر مینا کو کہتے ہیں جو راستہ صاف کرتی ہوئی چلتی ہے تاکہ کہیں کانٹے اور کٹیلے پاؤں میں نہ چبھیں۔ اور فوج کو گزر کر اپنے کام کرنے میں آسانی ہو۔ اور وہ سارے

ملک کو اپنا کر سکے راہ کا کانٹا صاف کرنے کے لئے عقل کی سفر مینا کی ضرورت ہے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ وہ ضروری شے ہے۔ یہاں تک اس کی عزت ہے۔ مگر زیادہ ضروری کام دل کو کرنا ہے۔ جو مجمع الصفات ہے خالی سفر مینا سے ضروری کام نہیں ہو سکتا۔ اس کا سہرا صرف دل کی فوج کے سر پر بندھتا ہے جو ملک کو فتح کر کے اس کو اپنا رنگ و روپ دیتا ہے اور اپنا کر لیتا ہے۔ اور پھر راج کرنے کے قابل بنتا ہے۔ رعیت اس کی ہو جاتی ہے۔ مالک اس کا ہو جاتا ہے اور اس کا ڈنکا بجتا ہے۔ یہ دل دماغ کی حیثیت ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے پڑھنے والے نفس مضمون سمجھنے میں اب اتنی غلطی نہ کریں گے۔

عقلی مذہب گیان مارگ ہے۔ اور دل کا مذہب بھگتی اور پریم مارگ ہے مذہب کے معاملہ میں جو درجہ دل کا ہے وہ عقل کا نہیں ہے۔ اور اس لیے کہا گیا ہے

پریمیوں کا مت ہے سب مت سے جدا
پریمیوں کے مت میں ہے مالک سچا
سنت مت میں یہ تین باتیں ہیں اور یہی تین باتیں

سنت مت کی تثلیث

سمجھے جانے کے قابل ہیں۔ اس تثلیث کے اقانیم میں پہلی چیز سنت ستگور دوسری چیز ست نام۔ تیسری چیز ست سنگ ہے۔

سنت ستگور

سے مراد اس پاک اور مقدس شخصیت سے ہے جو دنیا میں سچائی مجسم۔ گیان مجسم اور بھگتی مجسم ہے۔ اُس میں پاکی ہے۔ اس میں بلا خیال لغزش طاقت اور جو اپنی زندہ مثال سے سنت مت کے پیرو کاروں کو سچے راستہ پر

چلانے اور قائم رکھنے اور دھریہ تک پہنچانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ وہ معراج ہے۔ وہ گورشی ہے۔ وہ انسان نہیں ہے بلکہ انسان سے زیادہ اور اس سے اونچا ہے۔ اس میں اور مالک کل میں کوئی بھید نہیں ہے

گورو برہما گورو وشنو گورو ابو مہیشورہ
گورو ساکشات پربرہمہ۔ تسمے شری گوروے نمہ

اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ستنام مت۔ مردم پرستی کا طریق ہے۔ اگر کہیں یہ خیال ہے تو وہ غلط ہوگا۔ جو گورو کو انسان محض سمجھ کر اس کی عبادت کرتا ہے وہ پاکھی اور پاپی ہے۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں:۔

گورو کو مانش جانتے تے نر کہیئے اندھ
ہووے دکھی سنسار میں آگے جم کا پھندھ
گورو کو مانش جان کر چرنامرت کو پان
تے نر نرکے جائینگے جنم جنم ہوے سوان
گورو کو کیا ہے دیہہ کو ستگورو چینا ناہیہ
بھوساگر کے جال میں پھر پھر غوطہ کھا ہیہ

گورو خیالی معراج ہے۔ جس کا تصور باندھا جاتا ہے۔ وہ انسان سے بالغ ہے۔ اور اسی کے پرکاش اور اظہار کے لیئے سادا ساد [illegible] دیا جاتا ہے۔ گورو کا ظاہری جسم جو اپدیش کا کام کرتا ہے۔ وہ دل کے چھپے ہوئے جذبات کا ہوتا ہے اس لیئے اس کی عزت ہے۔ اور چونکہ اس کی مزید تشریح آگے چل کر کی جائیگی اس لیئے یہاں صرف اتنا ہی کہنا ضروری ہے۔ دوسرا

ستنام

ہے۔ ستنام سچے نام کو کہتے ہیں جو روحانیت کا اعلےٰ جوہر اور اعلےٰ قانون ہے۔ اور جس کی دھار انسان کے اپنے جسم میں موجود ہے۔ اور چونکہ انسان

کا جسم جو عالم صغیر کہلاتا ہے ۔ عالم کبیر کا نمونہ ہے ۔ پنڈے سو برہمانڈے ۔ ایسی شریر میں اس دھار کو پکڑ کر اپنے انتر میں چلکر معراج تک پہنچنے کا موقع ملتا آتا ہے ۔ اسی نام کو اسحد راگ ۔ اناہت شبد ۔ اور ست نام کہتے ہیں ۔ تیسری چیز

ست سنگ

ہے ۔ ست سنگ کے معنی ست کا سنگ ۔ یہ سنت مت کے اس مجمع کو کہتے ہیں جہاں سنت ستگور براجمان ہو کر ست کا اپدیش دیتے ہیں وہ مجمع بیچے شبھ خیالات کا منڈل ہوتا ہے ۔ اور جو کوئی وہاں جاتا ہے وہ شردھا اور بھگتی برکات سے محروم نہیں ہوتا ۔ پریمی جنوں اور بھگتوں کی صحبت اور مرشد کامل کی خدمت سے باسانی ہر شخص پر پرمارتھ کا رنگ چڑھ سکتا ہے ۔ اگر جڑ پدارتھ کے پاس جانے سے اس کا اثر انسان میں آتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی شخص پر ست سنگ کا اثر نہ پیدا ہو ۔ اگر جھیل کے پاس جانے سے سردی اور آتشکدہ کے پاس رہنے سے گرمی ملتی ہے تو گورو کے فیضان صحبت سے پرمارتھ کا رنگ کس طرح نہ چڑھے گا ۔ بالکل غیر ممکن ہے کہ انسان اس کے اثر سے خالی رہ سکے ۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اس میں خاص قسم کا بیماری مرض ہو ۔ مگر وہ بھی ان کے درشن سے کچھ نہ کچھ لابھ حاصل کرے گا ۔ اور اگر اس جنم میں کام نہ بنا تو آئندہ جنم میں اس کا انگر پھوٹے گا ۔ اور وہ پریم پد کا ادھکاری ہوگا

بھگتی بیج بنسے نہیں بنس جاے برہمنڈ
یہ تین سنت کے قائیم ہیں

سنت مت سہل ہے

سنت مت کی پیروی اتنی مشکل نہیں ہے ۔ جتنی سمجھی جاتی ہے ۔ بھگتی

اور پریم کا راستہ بہت سوگم مارگ ہے۔ نراگیان مارگ۔ مشکل سے ہزاروں میں سے کسی ایک کو مفید ہوتا ہوگا۔ بھگتی مارگ سے کثیر التعداد آدمیوں کی ترقی ہو سکتی ہے۔

سرت شبد یوگ کلپدرم کے اس حصہ کے دیباچہ میں صرف اتنا ہی کہنا ضروری معلوم ہوا۔ مزید صراحت آئندہ صفحات ملے گی۔

دفتر سادھو
۱۳ جون ۱۹۱۱ء

شبو

حصہ دوم

فلسفہ و شغل وغیرہ

باب اول

مذہب اور تحقیقات

عام طور پر لوگوں نے مذہب کو صرف عقاید کے مجموعہ کا ضابطہ سمجھ رکھا ہے۔ جس میں عقل کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ یہاں تک تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ کہ انسان میں وشواس اور عقیدہ کی حد صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ جو کچھ کہا جائے اس پر خواہ مخواہ یقین کر لیا جائے۔ اور عقل اگر اس کے برخلاف فتوے دے تو اس کی طرف سے بغیر سمجھے بوجھے یوں ہی منہ موڑ لیا جائے۔ ایسا وشواس خطرناک ہے۔ بلکہ ہمارے دانست میں اس کو وشواس سمجھنا ہی غلطی ہے۔ وشواس دل کے یقین کے اس حالت کا نام ہے جس کو وہ ہر طرح سے صحیح سمجھتا ہے یکسں ہے۔ اس کے سارے پہلو عقل کی نگاہ کے سامنے نہ ہوں مگر قیاس اور گمان پھر بھی اس کو ایک حد تک پختگی اور مضبوطی کی حالت میں قایم کر دیتا ہے۔ اس لئے ہم وشواس اس کو کہینگے جس کی بنیاد انسان کے علم قوت تمیز ادراک اور فہم پر ہو۔ اور اس کے جس پہلو پہ وہ کمتر روشنی ڈال

سکے اس کے متعلق کم از کم اس کے قیاس کی طاقت جو سمجھ بوجھ کی دوسری شکل ہے۔ کچھ نہ کچھ سوچ وچار سکے۔

انسان کی طبیعتیں مختلف ہیں اور طبیعتوں کے اختلاف کے ساتھ اس کے عقل و تمیز کے نشوونما و تکمیل کے مدارج ہوتے ہیں اور جہاں و جن میں یہ درجے موجود ہوں ان پر کسی خاص اصول کے ماننے و صحیح تسلیم کرنے کے لئے جبر کرنا ہر ایک ظلم اور سختی ہوگی۔ اور اس ظلم و سختی کی وجہ سے ممکن ہے کہ اس کے عقلی طاقت اور عقلی نمو کو ضعف پہونچے اور وہ بتدریج انسانیت کے درجہ سے گر کر حیوانوں کے درجہ میں اُتر آوے۔ مذہب کا یہ کبھی مقصد نہیں ہے۔ بلکہ مذہب کا مقصد ہمیشہ سے یہ ہے کہ انسان کے تجربات خواہ وہ دل سے متعلق ہوں یا دماغ سے متعلق روز بروز وسیع ہوتے جائیں اور جن اصول کو اس نے اپنی زندگی کا رہبر اور رہنما بنایا ہے ان کو وہ آہستہ آہستہ حق الیقین اور ساکشاتکار کے درجہ میں پہونچاتا ہوا اصلیت اور سچائی کا قائل بھی ہوتا جائے اور اس کی زندگی اصلیت اور سچائی کی زندگی بنتی جائے

جہاں بچوں کی سی سادگی۔ سادہ لوحی اور سادہ مزاجی موجود ہو وہاں ہم کو زبان کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بچوں کے وشواس پر نکتہ چینی و حرف گیری نہیں کی جا سکتی اور نہ کرنی چاہئے۔ مگر ہر انسان بچہ نہیں ہے اور نہ سب بچگی کی حالت میں ہیں۔ جن کے عقلی قوے زیادہ نشوونما یافتہ ہیں۔ اُن کو موقع ملنا چاہئے۔ کہ وہ بطور خود اصلیت سمجھیں اور کانٹ چھانٹ کرتے ہوئے تجربات کو عقل کے ترازو پر تولتے ہوئے اور ان سے مستفید ہوتے ہوئے چلیں تاکہ زندگی کا مقصد ان کے ہاتھ آوے۔ اس لئے جو مذہب کہ اپنے پیروکاروں کی آنکھوں میں پٹی باندھے اور ان کو عقل و علم کے برکات

سے محروم رکھنے کا اہتمام کرتا ہے وہ نہ تو مذہب کے برکات حاصل ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ اور دنیا سے جس قدر جلد اس کی جڑ کاٹ دی جائے اتنا ہی اچھا ہے۔

دنیاوی کاروبار کے سلسلہ میں ہم کو ہمیشہ عقل و تمیز سے قدم قدم پر کام لینے کی ہدایت ہے۔ ہم بالطبع جو کام کرتے ہیں سوچ سمجھ کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ لوگ ہم کو کہتے سنتے بھی رہتے ہیں۔ کہ بغیر وچار کئے ہوئے کوئی کام نہ کرو۔ اور جب یہ بات تمام جسمانی اور دنیاوی معاملات پر صادق آتی ہے تو عقل سلیم کیسے باور کرے گی کہ دینی اور روحانی تعلقات کے بارہ میں خواہ مخواہ ہم بغیر سمجھے بوجھے یوں ہی یقین کر لیا کریں۔ اور دل کو اس کے صحیح تسلیم کرنے کے لئے مجبور کریں۔ اگر دنیاوی علوم و دنیاوی بیوپار غور و فکر کے محتاج ہیں۔ تو مذہب کو بھی کم از کم کسی حد تک ان کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ورنہ پھر انسان انسان کیسے رہ سکتا ہے۔ یہ عقل ہم کو یوں ہی نہیں ملی ہے اس کا کچھ نہ کچھ مطلب بھی ہے اور مطلب یہ ہے۔ کہ ہم اس سے تجربات میں مدد لیں اور اس کو اپنے تمیز اور ادراک کا اوزار بنائیں

دنیا کا جو علم حاصل ہوتا ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں ایک اندریوں کا علم۔ جو آنکھ۔ ناک۔ کان۔ ذائقہ اور لمس سے متعلق ہے دوسرا قیاس اور گمان جن کی بنیاد میں بھی حواس اور اندریوں کا علم ہوتا ہے۔ تیسرا متقدمین متاخرین و پیشوایان دین کی شہادت جس کی جڑ بھی زیادہ تر اندریوں اور حواس ہی میں ہے۔ ان تینوں علموں کی بنیاد انسان کے من اور بدھی میں رہتی ہے۔ کیونکہ بدھی سرچشمہ ہے۔ جس کی بڑی نہر انسان کا دل ہے اور یہ پانچ اندریاں اس کے چھوٹی چھوٹی نالیاں ہیں۔ یہاں پر بھی دل اور عقل کے سہارے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بغیر ان کے اندریاں کچھ بھی کام نہیں کر سکتیں

آنکھ دیکھتی ہے۔ کان سنتا ہے۔ ناک سونگھتی ہے۔ چمڑا چھوتا ہے۔ ذائقہ
(زبان) چکھتی ہے۔ یہ علم ہے جو اندروں کی طاقت پر منحصر ہے۔ اس کو
اندری گیان کہتے ہیں۔ اس گیان کے بھی درجے ہیں۔ اس لئے ہر شخص کا
گیان پھر بھی ایک طرح کا نہیں ہو سکتا۔ اس کے سوا جس کی جو اندری زیادہ
ترتیب یافتہ۔ طاقتور اور مکمل ہوگی اس کا علم اوروں سے نسبتاً اچھا ہوگا۔ مگر
کم و بیش ہر انسان کو اندریاں عطا ہوئی ہوئی ہیں۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ دیکھ سن
سکتا ہے اور اسی دیکھنے سننے۔ چکھنے اور سونگھنے کو اندری گیان کہتے ہیں جس
کو جس حد تک جس تعداد میں اور جس درجہ کی اندریاں ملی ہیں۔ اس کو موقعہ حاصل
رہنا چاہیئے کہ وہ ان سے فائدہ حاصل کرے اور خواہ مخواہ آنکھوں
پر پٹی باندھ کر کسی کی بات کو یوں ہی وشواس نہ کرے

قیاس یا انومان گیان کی دوسری قسم ہے۔ جو اندریوں کے اگلے تجربات
کی وسعت پر مبنی ہے اور وہ ان کی مدد سے بطور خود ایک خاص نتیجہ پر پہونچنے
کے قابل ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے دیکھا کوئی دریا بڑھا ہوا ہے وہ قیاس کر
سکتا ہے کہ کہیں نہ کہیں پانی برسا ہوگا۔ کیونکہ دریا جب بڑھیگا پانی
کے برسنے ہی سے بڑھیگا۔ سابقہ تجربہ اس کو اس طرح سکھلاتا ہے
عقل اس کو صحیح تسلیم کرتی ہے۔ اس طرح دہوئیں کو دیکھکر آگ کا گیان ہوتا
ہے۔ کسی جگہ دہواں برآمد ہو رہا ہے۔ وہاں یقین ہوتا ہے کہ آگ ضرور جلتی
ہوگی۔ دہواں کو آگ کے ساتھ نسبت ہے۔ اس لئے یہ گمان کسی حد تک
صحیح ہو سکتا ہے۔ کسی حد تک کا لفظ ہم اس لئے استعمال کرتے ہیں۔ کہ
ممکن ہے۔ جو شئے دہواں کی شکل میں برآمد ہو رہی ہے گرمی کے عمل
تبخیر کی وجہ سے ہو۔ یہ انومان یا قیاس کی دوسری شکل ہوگی۔ مگر یہ بھی اندریوں
ہی سے متعلق ہے۔ اور ان کے گذشتہ اوقات کے تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی

ہے۔ انومان صرف آنکھوں ہی کے علم سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ وہ کان ناک۔ لمس۔ ذائقہ سے بھی ویسے ہی تعلق رکھتا ہے۔ جیسے آنکھوں کے علم سے ایک شخص نے کسی آدمی کے زبانی سنا۔ کہ گویہ ایک جانور ہے۔ جو گائے کا ہم شکل ہوتا ہے۔ اس نے اس جانور کو نہیں دیکھا تھا۔ اتفاقیہ جنگل میں گذر ہوا۔ گائے کی شکل کا ایک جانور اس کو نظر آیا۔ جو کسی قدر گائے سے مختلف تھا۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ ہو نہ ہو۔ یہ گویہ ہے۔ اور اس کو گویہ کا علم ہو گیا۔ اسی طرح اس نے کسی شخص سے خاص قسم کے کھانے کی بابت سُن رکھا تھا۔ کہ اس کا ذائقہ خاص طرح کا ہوتا ہے۔ جب اس نے اس کو چکھا۔ اس کو انومان کی مدد سے علم ہو گیا۔ کہ یہ فلاں قسم کا کھانا ہے۔ اسی طرح اور اندریوں کے علم کے سلسلہ میں انومان سے کئی طرح کا علم ہو سکتا ہے انومان کی مختلف قسمیں ہیں۔ مگر ان کی تشریح چونکہ طوالت سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے اس سے درگذر کیا جاتا ہے۔ سمجھ بوجھنے کے واسطے اتنا ہی کافی ہے۔

تیسرا علم شبد پرمان یعنی سچے آدمیوں کی شہادت ہے۔ جو تجربہ کار عقیل اور نہ صرف دنیا کے گرم و سرد آزمودہ ہوتے ہیں بلکہ پرمارتھ کے راز سے واقفکار ہوتے ہیں۔ ان کو ہر طرح کے تجربے حاصل ہیں۔ یہ جھوٹ نہیں بولتے۔ جھوٹ بولنے سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ان میں نفسانیت و سیح ہیں۔ وہ جو بات کہتے ہیں پتہ کی کہتے ہیں۔ اس لئے ایسا اوقات ان کی بات صحیح تسلیم کر لیجاتی ہے۔ مگر اس کو بھی اندھ وشواس کے ساتھ صحیح تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے انسان کو وہاں ہی کسی حد تک اپنے اندریہ گیان اور انومان پرمان سے مدد لے کر تب اس کو صحیح مان کر اس سے کام لینا چاہئے۔ شبد پرمان کی اہمیت بہت ہے۔ ہم کو اس

طبقہ میں محدود عمر کی زندگی ملی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے لئے بہت کچھ ذاتی
تجربات ومشاہدات کے ساتھ علم حاصل کریں۔ مگر عمر کی کمی کی حالت کا خیال
کرنے سے یہ نادانی ہوگی کہ ہم اوروں کے تجربات سے فائدہ نہ اٹھاویں
بہت سی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ طبیعت کی ناموزونیت۔ اور قابلیت
وقبولیت کی عدم موجودگی میں ان کا پورا پورا علم ہم کو نہیں ہو سکتا۔ ان کے
لئے بڑی عمر درکار ہے جو ہر شخص کے حصہ میں نہیں آتی۔ اس لئے یہ ایک
قسم کی نادانی ہوگی۔ اگر ان کے بیانات۔ کلام اور پشہا پشت کے اندوختہ
علمی ذخیرہ کی طرف سے بے پرواہ بن کر ان سے فائدہ نہ حاصل کریں۔ فائدہ
ضرور حاصل کرنا چاہئے۔ مگر ساتھ ہی۔ اپنی عقلی محسوسات اور دلی جذبات
سے بھی پوری پوری مدد لینی چاہئے۔ اگر ان میں سے کسی کی کوئی
بات اس وقت سمجھ میں نہیں آتی تو اس کو وچار کوٹی کے حوالہ کر
دینا چاہئے وقت آویگا۔ جب ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع
مل رہیگا۔ جہاں تک ان کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ وہاں تک قبول
کرو باقی اوروں کو آیندہ فائدہ کی غرض سے پس انداز کر رکھو۔ عقلی نمو اور
دلی لطافت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ وقت پر سب کچھ ہو رہیگا۔ اس قدر
اس پہ بھی زور نہیں دیا جا سکتا۔ جو کچھ زور دیا جاتا ہے۔ وہ انسان کی
اپنی نرکھ پرکھ اور اپنے ذاتی سوچ وچار پر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی کی مدد
سے انسانی زندگی بیشمار برسوں سے اس طبقہ پر کام کر رہی ہے اس کے
تجربات وسیع ہیں۔ اور قابل قدر ہیں۔

یہ تین طرح کے علم ہیں جو انسان سے مخصوص ہیں۔ ان کی چوٹی پر اس
کے اپنے عقل ودل کی نشست ہے۔ جن کی تکمیل زندگی کے بہترین مقاصد
میں سے ہے۔

ہر بات کی تفتیش و تحقیق کے سلسلے میں ان تینوں باتوں کا لحاظ ہوتا ہے اور لحاظ ہونا چاہیئے۔ اور مذہب کے معاملہ میں بالخصوص ان سے مدد لیتے ہوئے ایک نتیجہ پر آنے کی کوشش میں رہنا چاہیئے تاکہ اس سے پورا پورا مقولہ کو ورد زبان رکھنا چاہیئے۔

آپ آپ کو آپ بچھانو
کہا اور کا نیک نہ مانو

نا دفینک اوروں کا تجربہ اپنا نہ ہوئے۔ اس پر انحصار کرنا نادانی ہوگی مذہب کی تعلیم یہ کبھی نہیں ہے اور نہ ہوگی کہ تم ناحق اندھ وشواس میں پڑ کر اپنے آپ کو جانور کی حالت میں پہونچا لو۔ پھر مذہب سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ مذہب اگر دنیا میں سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ تو اس کے مفاد اور اس کے خدمات بھی سب سے زیادہ قیمتی ہونگے۔ وہ انسان کو باکمال بناتا ہے۔ وہ انسان کو حیوان نہیں بناتا۔ وہ ترقی کے زینے پیش کرتے ہوئے انسان کو ان پر چڑھنے کی اور بام حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اگر مذہب کا یہ اصول ہے کہ انسان اپنے لیئے کچھ نہ سوچے۔ یوں ہی آنکھ بند کر کے چند مہمل ضابطوں کی پابندی میں پڑا رہے جو اہنسا محض ہوگی اور جیسا ہم نے پہلے کہا ہے۔ ایسے مذہب کی سچ کمی انسان کے لیئے سب سے زیادہ ضروری اور کارآمد چیز ہوگی۔

مگر مذہب ایسی چیز نہیں ہے۔ دنیا میں بہت کم آدمی ایسے نکلینگے جو مذہب کے خیر رکھتے ہیں۔ ان کو سمجھانا چاہیئے کہ مذہب کوئی بہت اچھی چیز ہے۔ اسی میں خیر و برکت ہے اسی کے سلسلے میں دکھوں سے نجات ہے اسی کی طفیل سے انسان انسان بنتا ہے۔ اور انسان انسان اس وقت

بنتا ہے۔ جب وہ مذہب کے تمام پہلو کو سمجھ بوجھ کر اختیار کرتا ہوا اس کے وسیلہ سے اصلیت سے دوچار اور ہمکنار ہوتا ہے۔

باب دوسرا

تحقیقات کے مدارج

پرمان کی تین قسمیں بیان کردی گئیں۔ پرمان۔ انومان۔ شبد۔ ان تینوں کا تعلق براہ راست یا براہ دیگر اندریوں سے ہے۔ اندریاں من کی اوزار ہیں اور اس لئے من سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ دراصل من ہی کا علم ہے۔ من ہی کرم اندریوں سے کرم کرتا ہے۔ من ہی گیان اندریوں سے گیان حاصل کرتا ہے۔ کرم اندریاں اور گیان اندریاں اس کے دو اوزار ہیں۔ ایک میں حرکت کرنے کی طاقت ہے۔ اور ان دونوں کے ذریعہ من ہی متحرک اور ذی حس ہو کر خارجی دنیا میں اثر انداز رہتا ہے۔ اور مزہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ رہتا ہوا پھر بھی وہ ان سے الگ۔ پرنیت ہوتا ہے۔ اگر من ان کے ساتھ شامل نہ ہو تو یہ کبھی اپنے بیوہار کو نہیں کر سکتی ہیں۔ مثلاً تم بیٹھے ہوئے کسی شخص کو دیکھ رہے ہو اس کی باتوں کو سن رہے ہو۔ جب تک من کان اور آنکھ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ تب تک دیکھنے اور سننے کا عمل جاری ہے۔ من ذرہ کھسک گیا۔ کان اور آنکھ کے کھلے رہنے پر بھی اُن کا دیکھنا اور سننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کا تجربہ ہر شخص کو ہے کیا تم

نہیں جانتے۔ تم شہر کے گلی کوچوں سے گذر رہے ہو۔ ہزاروں قسم کے
نظارے موجود ہیں ہزاروں طرح کی باتیں ہو رہی ہیں۔ لیکن تم صرف ان چیزوں
کو دیکھ سکتے ہو اور ان باتوں کو سن سکتے ہو جن کی طرف من مائل ہے۔
باقی کا علم تمکو بھی نہیں ہوتا۔ ہزار تدبیریں کی جائیں۔ من اگر ادھر متوجہ نہیں
ہے تو کچھ نہ ہوگا۔ اس کے سوا ایک بات اور بھی ہے من کو اس قسم کے
گیان یا کرم کے طبقہ میں آکر ان کے ساتھ ہم آہنگی ہم شکلی اور ہم صورتی
اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اور جب شئے معلوم کے طبقہ کے ساتھ اس کو مشابہت
اور ہم آہنگی ہو جاتی ہے تب ہی خارجی طبقہ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جو ایسے
نہیں۔ آکاش کے منڈل میں لاکھوں کروڑوں اور بیشمار جیو جنتو بھرے ہیں
مگر آنکھ ان کے دیکھنے سے معذور ہیں۔ کیونکہ من نے ان کی شکل و صورت
کے ساتھ ہم آہنگی نہیں کی ہے۔ یا تو وہ ان کی طرح لطیف بن جائے یا اگر
وہ مشغول یعنی کثیف ہیں تو وہ کثیف ہو جائے تب علم ہوگا دوسری
طرح کبھی علم نہ ہوگا۔ اسی طرح یہاں ہر وقت لاکھوں قسم کے شبد ہوا
کرتے ہیں۔ چیخ نچی بولتی ہیں۔ خود آکاش کے پرمانو حرکت کرتے ہوئے
شبد کا اظہار کر رہے ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی سنائی نہیں دے
سکتا۔ کیونکہ من نے ان کے طبقہ کے ہم آہنگی نہیں کی ہے اور نہ اس
نے ان کی شکل کے ساتھ مطابقت کا درجہ حاصل کیا ہے۔ یا تو اب تک
اس نے اس راز کو نہیں سمجھا یا اس کو ادھر توجہ کرنے کی ضرورت لاحق
نہیں ہوئی۔ اس لئے اس کو ان کا علم بڑا مشکل ہے یہ بات ذرا باریک ہے
جلدی سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ اور سچائی ہے۔ جتنا علم
ہے وہ سب کسی نہ کسی طرح پر من ہی کا کھیل ہے۔ یہ راز اس پر اس
وقت منکشف ہوتے ہیں۔ جب اس پر سے مشغول خلاف اُتر

جاتے ہیں- اور ابھیاس ویراگ کی مدد سے لطیف ہو کر وہ ان سے مشابہہ اور مطابق ہونے کے علم کو سمجھ لینا ہے

اس من کے کام کرنے کے تین ڈھنگ ہیں- اور ان کی وجہ سے بادی النظر میں اس کی تین صورتیں تسلیم کرنی پڑتی ہیں- اول یقین کرنے والی طاقت دوسرے قوت ارادی تیسرے من شکتی-

یقین کے درجہ کو بدھی کہتے ہیں- جو حقیقت کی ہم شکل بن کر اس کو جان لیتی ہے- قوت ارادی کو اہنکار کہتے ہیں- جس میں انانیت ہے اور جو اپنی طاقت کے اثر کو کسی شے پر ڈالنے کی متمنی ہوتی ہے- وچار کرنیوالی طاقت کو من کہتے ہیں- یہ تینوں ایک ساتھ گتھی ہوئی کام کرتی ہیں- ایک کو دوسرے سے تمیز کرنا ذرہ مشکل ہے- ان میں پہلی حالت افضل ہے- اسی سے من شکتی اور قوت ارادی کا اظہار ہوتا ہے- من شکتی تو وچار کرتی ہوئی الگ کھڑی رہتی ہے- قوت ارادی اپنے اندر سے دو طرف کی دھا پیدا کرتی ہے جس کو کرم اور گیان کہتے ہیں- یہی دو دھار کرم اندری اور گیان ہیں- من ان سے کام کرتے وقت طلار رہتا ہے- ان کی صورتوں میں سے ایک منفی ہے ایک مثبت ہے- اور جب منفی اور مثبت دونوں ملتی ہیں تب گیان ہوتا ہے- مگر اس کا خیال رہے- ان دونوں دھاروں میں اثبات اور نفی دونوں ہی کمی بیشی کے ساتھ رہتی ہیں- جس میں زیادہ اثبات کا حصہ ہے وہ مثبت اور جس میں زیادہ نفی کا حصہ ہے وہ منفی کہلاتی ہے- کمی اور بیشی کے نسبت کی وجہ سے ان کے علیحدہ علیحدہ درجے قائم کیے گئے ہیں ورنہ اصل میں وہ دونوں ہی ہیں کسی نہ کسی حیثیت سے قائم رہتی ہیں-

چونکہ پرش اور پرکرتی ہیں سے خود ایک مثبت اور دوسری منفی ہے اس لیے سرشٹی بار چنا میں ہر جگہ اور ہر چیز میں وہی صورت نظر آدیگی ذرہ

سوچ اور وچار کی ضرورت ہے

ان تینوں طبقوں کی چوٹی پر بُدھی رہتی ہے اس کے نیچے اہنکار ہے اور اہنکار کے نیچے سنکلپ اور وکلپ کی شکتی ہے۔

من سوچتا ہے۔ اہنکار اس کو درڑھ کرتا ہے اور بدھی اس کو یقین کرتی ہے۔ ان کا کام اس طرح آناً فاناً میں ہوا کرتا ہے کہ ان کے مدارج کو جدا جدا کر دکھانا ذرا مشکل کام ہے۔ مثال کے طور پر سمجھو۔ تمہارے جسم کے کسی حصہ میں مچھر نے ڈنس مارا۔ حرکت اور حس کی دھاروں نے جو کرم اور گیان اندریوں کی شکل میں ہر جگہ موجود ہیں ان کو حس کیا۔ ڈنس کے لگتے ہی رگوں کی حرکت کے دھار کو جو جسم میں جاری ہے۔ دکھ پہونچا۔ لمس کے دھار نے جو گیان شکتی ہے اس کو محسوس کیا۔ من نے سنکلپ وکلپ اٹھا کر اس کو سوچا۔ اہنکار نے اس کو درڑھ کیا۔ اور یہ خیال اس پر مضبوطی کے ساتھ حاوی ہوا کہ ڈنس مارا گیا اور بدھی نے اس کو یقین کر لیا اس طرح تبدریج اس کا علم ہوتا ہے۔

یہاں تک جو کہا گیا ہے وہ صرف ان کے نتیجے کے بیوہار سے متعلق تھا۔ یہ کھیل جو کچھ ہوا تھا۔ ان تینوں طبقوں کے اندر اندر ہوا تھا۔ بدھی کے ساتھ اوپر آتما کا استھان ہے جو سب کا پرکاش کرنیوالا ہے۔ بدھی کی ایک دھار اوپر کی طرف ہے جو آتما سے قریب ہے اور جب بدھی کو آتما کے ساتھ اس قربت کے رشتہ کو درڑھ ہونے کا موقع ملتا ہے اسی کو انبھو شکتی کہتے ہیں اس کا درجہ ان سب سے اونچا ہے۔

سنتوں کے مارگ میں زیادہ تر اہمیت اسی انبھو شکتی کو دیجاتی ہے۔ اور اس کی شہادت مُستند اور قابلِ اعتبار سمجھی جاتی ہے کیونکہ نیچے کے طبقہ میں اکثر دھوکا ہوتا ہے۔ اس پر اتنا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور اسی وجہ سے سرت شبد کے سلسلہ میں ان سب کو لطیف اور سرکشم بنا کر استعمال

شکتی کے مضبوط کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ تاکہ تحقیقات کے مدارج کو پختگی کی حیثیت حاصل ہو۔

سنتوں کے یہاں انسان کو قطعی طور پر ہدایت کی جاتی ہے کہ جب تک اپنا انبھو کسی بات کو صحیح تسلیم نہ کرے۔ تب تک خواہ مخواہ کبھی کسی بات کو خواہ مخواہ وہ کسی معتبر کتاب یا کسی معتبر شخص کی کہی ہوئی کیوں نہ ہو۔ کبھو بھول کر بھی یقین نہ کرو۔ اور یہی سبب ہے کہ وہ اپنے پیروکاروں کو کسی شخصیت یا کسی کتاب کا معتقد ہونے کی ممانعت کرتا ہے۔

آتم سروپ یا ذات کا علم مذہب کا اصلی مقصد ہے۔ صرف اپنے انبھو سے حاصل ہوتا ہے اس کے حاصل کرنے کا سادھن اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔ اور سرت شبد کا ابھیاس صرف اسی انبھو کے بڑھانے اور اس کے پختہ کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ تاکہ ذات کا علم ہر ابھیاسی کو خود بخود حاصل ہو جائے اور رفتہ رفتہ وہ آپ سمجھ سکے کہ ہماری ذات کیا ہے۔ اس علم کو تمام دنیاؤں کے علوم کا ماحصل۔ خلاصہ اور جوہر کہا جاتا ہے۔ اگر مذہب اس علم کے حاصل کرنے میں مددگار ہے تو وہ درست ہے ورنہ ناقص ہے۔

جان مجملہ علمہا ایں ست ایں کہ بدانی من کیم در یوم دین
قیمت ہر کالہ می دانی کہ چیست قیمت خود را نہ دانی احمقی ست

یہ علم سنتوں کی تعلیم کے موافق اس وقت تک اچھی طرح حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک ابھیاس کی مدد سے دل اور دماغ کے پردوں کو لطیف بنا کر ان کی مدد سے انبھو شکتی نہ حاصل کر لی جائے۔ محض قیل و قال و بحث مباحثہ خواہ سوچ وچار سے اس کا ماحصل ہونا غیر ممکن ہے اور دشوار کام ہے اور اسی خیال سے سنت پرم پرش رادھا سوامی صاحب نے فرمایا ہے۔

یہ کرنی کا بھید ہے ۔ نا ہیں بدھ وچار
کتھنی چھانڈ کرنی کرو ۔ تب پاؤ کچھ سار

باب نمبر ا

مذہب کا مقصد سکھ ہے

مذہب کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو سکھ کی پراپتی ہو۔ اور وہ سکھ بھی اس قسم کا ہو جو خود اختیاری۔ سب سے بڑھکر اور ہمیشہ کا ہو۔ سکھ کی خواہش کرنا زندگی کا خاصہ ہے۔ کوئی مخلوق ایسا نظر نہ آئیگا جو سکھ نہ چاہتا ہو۔ ملنا جلنا۔ مل کر کام کرنا۔ موقع و محل کو دیکھ کر ضرورتاً۔ عمداً اور مصلحتاً ناخوشگوار حالت سے بچنے کی کوشش میں رہنا۔ یہ سب کیوں ہے۔ محض سکھ کے لیے ہے۔ کوئی دکھی نہیں ہونا چاہتا۔ سب سکھ کے خواہشمند ہیں اور مذہب ان کے اس مقصد کے حاصل کرنے کا یقینی اور بہترین ذریعہ ہے۔ مذہب سے بہتر اور کسی سے اس غرض کی پوری تکمیل نہیں ہو سکتی۔

سکھ کیا ہے؟ سکھ کا اصلی سروپ آزادی ہے۔ جب تک کوئی بالکل آزاد نہ ہو وہ سکھی نہیں ہو سکتا۔ سکھ کی مکمل صورت کا عام فہم نام ہمارے والنست میں آزادی ہے۔ تم کہو گے۔ ہم آزاد نہیں ہیں مگر کبھی چیزوں کے پانے سے سکھی ہو جاتے ہیں۔ اس کو کیا کہو گے کیا یہ سکھ نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نسبتی نقطۂ نگاہ سے بیشک

کسی شے کو پاکر تم خوش ہو جاتے ہو۔ کیونکہ کسی چیز کو پانا اور اس کو قبضہ
میں لانا نسبتی آزادی کی ایک شکل ہے۔ مگر یہ حالت صرف عارضی اور چند
لمحہ کی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق شے مرغوب کے ساتھ دیرپا نہیں ہو
سکتا۔ اور چونکہ روح میں فطرتاً آزادی کا خیال موجود ہے۔ وہ زیادہ
دنوں تک اس بات کو گوارا ہی نہیں کر سکتی۔ کہ وہ خواہ اس کی خوشی کی
حالت کسی دوسرے چیز کے ماتحت ہو۔ کیونکہ جب دو چیزیں ہونگی
تو جس طرح ان کا ملاپ ہوا ہے۔ اسی طرح ان کی جدائی کا بھی امکان
رہیگا۔ جو ملتا ہے وہ بچھڑتا بھی ہے۔ جو ہاتھ آتا ہے۔ وہ ہاتھ سے
چلا بھی جاتا ہے۔ جو پیدا ہوتا ہے مرتا ہے جو بنتا ہے بگڑتا بھی ہے
یہ امر مسلمہ ہے۔ اس لیئے جس نے اپنی خوشی یا سکھ کو کسی دوسرے
کا محتاج بنا رکھا ہے وہ غلطی میں پڑا ہے۔ اور مزاولت و مساوات
ہونے پر اس کو خود بخود اس حالت سے نفرت ہوگی اور وہ اب اس
سے جدا ہوکر دوسرے طرح پر اس سے زیادہ دیرپا اصلی اور اچھے سکھ
کی اچھیا کریگا۔ جو اگر بالکل نہیں تب بھی کسی قدر اس روپ سے مشابہ
ہوگا۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ اس وقت تک چین نہ لیگا۔ جب
تک پوری آزادی حاصل نہ کر لیگا۔ جس میں اس کے سوا کوئی نہیں
ہے اور وہ ہی سکھ ہے۔ سکھ اس کا اپنا سروپ ہے یہی سروپ
اس کے مکمل سکھ کا بھنڈار ہے۔ مگر کسی بھرم کی وجہ سے وہ اس کو
بھول کر اور اور چیزوں میں سکھ تلاش کرتا رہا۔ مگر جیسے جیسے تجربہ
ہوتے گئے۔ ویسے ہی وہ بتدریج ترقی کرتا ہوا اپنی ذات میں داخل
ہو گیا اور پورن ریتی سے سکھ کو پراپت ہوا۔
یہ بھرم ایک طرح کے پردے تھے جو اس پر آ گئے تھے اور

طاری ہو گئے تھے۔ ان کی وجہ سے وہ باؤلے کی طرح اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا
کبھی اس طرف رجوع ہوا کبھی اس طرف رجوع ہوا۔ مذہب ان پردوں کے
ہٹانے کا اہتمام کرتا ہے تاکہ پردے ہٹتے جائیں اور انسان کو اپنا
روپ حاصل ہوتا جائے۔ جب اس کو اپنا روپ مل گیا۔ وہ آزاد ہو گیا
یہی آزادی سکھ ہے اور مکمل سکھ ہے۔ مذہب اسی کے حاصل کرنے
کا ذریعہ اور سادھن ہے اور اس سادھن کا مقصد ہے ؞

باب چوتھا

سنسار کے دکھوں کی وضاحت

دنیا میں تین طرح کے دکھ ہیں۔ ادھی دیوک، ادھی بھوتک اور
ادھیا تمک۔ ادھی دیوک دکھ ان کو کہتے ہیں جو دیوتاؤں کی وجہ سے
ہوتے ہیں۔ قدرت میں جتنی طاقتیں ہیں وہ دیوتا کہلاتی ہیں۔ مثلاً چاند
سورج بجلی وغیرہ۔ تمام برہمانڈ ان سے بھرا ہوا ہے۔ شکتی تو اصل میں
ایک ہی ہے۔ مگر اس کی صورتیں بیشمار ہیں۔ یہ چاند۔ سورج۔ ستارے۔ بجلی
وغیرہ اس کے انیک روپ ہیں ان سب کی صراحت محال ہے۔ نہ تو کوئی
ان کی تفصیل سنا سکتا ہے اور نہ ان کی فہرست بتا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص
دعوے کے ساتھ کہنا چاہے کہ یہ تعداد مجھے معلوم ہے تو شاید اس کو
جرأت نہ ہو سکے گی۔ اور نہ کسی کے پاس اتنا وقت ہے کہ ان کی تفصیل و
وضاحت پر پورا غور کر سکیگا۔ صرف اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ یہ تمام
برہمانڈ قدرت کے بیشمار قوتوں سے بھرا ہوا ہے اور یہ ہر جگہ محیط

رہ کر نظام کائنات میں کام کرتی رہتی ہیں۔ ان کے کام دو طرح کے ہوتے
ہیں ایک بنانا دوسرا بگاڑنا۔ جس وقت بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے
بناؤ شکتی۔ سنگار شکتی رنگ آمیزی کی شکتی۔ بڑھانے کی شکتی وغیرہ
اس کے گرد منڈلاتی ہوئی اس کو خوبصورت بناتی ہیں۔ ابھرنے کا
موقع دیتی ہیں وہ انہیں کی مدد سے پھولتا پھلتا ہے۔ اور نیرنگئ قدرت
کا تماشہ دکھاتا ہے۔ یہ تمام قدرت کی طاقتیں لطیف ہیں۔ ان
سب کا آکار ہے۔ ان کا خاص خاص رنگ ہے۔ ان کی خاص خاص
صورت ہے مگر یہ سب اتنے لطیف ہیں کہ نظر نہیں آتے اور اسی
وجہ سے ان کو اروپ و نرا کار کہا جاتا ہے۔ اور بات بھی سچی ہے
جس کی صورت نظر نہ آوے اس کو کوئی کیا کہے۔ مگر ان کے کام کا نتیجہ
دیکھنے میں آتا ہے۔ اس لئے ان کی ہستی کا انجھو ہوتا ہے۔ بعض ان
میں سے محسوس کی جا سکتی ہیں۔ بعض محسوس نہیں کی جا سکتیں۔ مگر
جب وہ اپنی لطافت کو کثیف طبقہ میں منتقل کر دیتی ہیں ان کو دیکھا سُنا
اور چھوا بھی جاتا ہے۔ جیسے سورج کی لطیف صورت دیکھنا امر محال
ہے۔ مگر جب وہ اپنی طاقت کی دھاروں کو گھنا کر لیتا ہے۔ اس کی شکل
بن جاتی ہے۔ اور ہم سب لوگ اس کو دیکھ سکتے ہیں چھو سکتے ہیں
سونگھ سکتے ہیں اور جان سکتے ہیں اس استھول طبقہ میں جہاں
ہم نشست رکھتے ہیں اس وقت تک کسی طاقت کا علم نہیں حاصل
کر سکتے جب تک وہ ہماری صورت کا نہ بنجاوے علم ایک طرح
نہیں ہوتا۔ انسان کو پانچ طرح کی اندریاں ملی ہیں۔ آنکھ ناک کان
زبان۔ ذائقہ تو چار لمس) اور ان کے ذریعہ جو کچھ گیان پراپت کیا جاتا
ہے وہ اندریوں کا گیان ہے۔ من چھٹا اندری ہے جو ان سب سے

زیادہ لطیف ہے۔ اس کو انہی جو گیان دو چار گیان ہوتا ہے۔ غرضکہ قدرت کی طاقتوں کی سمجھ کسی قدر ان چھ اندریوں سے آتی ہے۔ اور یہ ان کے سمجھنے کے سادھن اور اوزار ہیں۔ اور ان سے ان کا سنبندھ ہے۔ کیونکہ جس سے جس کے ساتھ سنبندھ اور تعلق رہتا ہے۔ وہی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ دوسرا کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ اور اسی وجہ سے اوپر یہ ہم نے کہا ہے کہ جب تک قدرت کی لطیف طاقتیں ہماری طرح کثیف نہ بن جائیں ہم کو ان کا گیان پراپت نہیں ہو سکتا۔

اس کے واضح کر دینے کی ذرا زیادہ ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ تاکہ پڑھنے والے ہماری مراد سمجھ سکیں۔ آپ سوچ دیکھئے۔ سورج خواہ اگنی جو روپ کا بھنڈار ہے۔ جب تک ہماری آنکھوں کی صورت میں نہیں آلینا۔ ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ سورج اگنی اور ہماری آنکھوں میں مشابہت۔ مناسبت اور مطابقت ہے۔ جل جو ورن دیوتا ہے رس کا بھنڈار ہے۔ جب تک یہ ہماری قوت ذائقہ کی طرح سیال صورت نہیں اختیار کر لیتا ہم اس کے رس کا مزہ نہیں چکھ سکتے۔ ورن۔ جل اور ہماری زبان (قوت ذائقہ) میں مشابہت، مناسبت اور مطابقت ہے۔ وایو۔ دیوتا سپرش کا بھنڈار ہے جب تک وہ ہمارے توچا چرم کی صورت نہیں اختیار کر لیتا خواہ جب تک ہوا اور وہ زور سے نہیں چلتی تب تک ہم اس کو چھو نہیں سکتے۔ وایو میں اور ہماری توچا میں مشابہت مناسبت اور مطابقت ہے۔ وشا کا دیوتا شبد سے پرپورن ہے۔ ہم اس وقت تک اس کو نہیں سن سکتے جب تک وہ ہمارے کانوں کے طبقہ کے موافق نہ بجائے۔ وشا میں اور ہمارے کانوں میں مشابہت مناسبت اور مطابقت ہے۔ اسی طرح اشونی کمار جو گندھ کا دیوتا ہے۔ اس

وقت تک ہمارے سونگھنے میں نہیں آسکتا جب تک وہ ہماری ناک
کے انداز و حیثیت کے موافق صورت نہ اختیار کرلے۔ من کا دیوتا برہما
ہے جو سنکلپ وکلپ کا ادھشٹھاتا ہے۔ ہم اس کو مطلق نہیں سمجھ سکتے
جب تک وہ سنکلپ روپ بن کر ہمارے اپنے من کے درجہ میں
قائم نہ ہو جائے۔

قدرت کی طاقتیں اس طرح اندریوں کے دوارا ہمارے سمجھ میں
آتی ہیں۔ یہ قدرت کی طاقتیں دکھدائی ہیں اور ان سے پرانیوں کو دکھ
پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دھوپ کی سختی برداشت نہ کرسکا بیمار
ہوگیا۔ دوسرے پر بجلی گری اور اس نے بے بسی سے جان دیدی۔ تیسرے
کو موسم کی سردی نے پریشان کردیا۔ چوتھے کو چاندنی تاثیر نے باؤلا بنادیا
پانچویں کو اور طرح کے ... ہوئے۔

اس نظام شمسی میں جتنے تارا گن اور سیارے و ثوابت ہیں ان
کے خاص خاص اثر ہوتے ہیں۔ بدھ کا اثر اور ہے منگل کا اور سنیچر کا
اور علیٰ ہذا لقیاس اور جب یہ خاص خاص راشی میں آتے ہیں۔ تو
جیووں پر ان کا خاص طرح کا اثر ہوتا ہے۔ اکثر لوگ اعتراض کرتے ہیں ستارے
جیووں کو دکھ نہیں دے سکتے ان کا یہ کہنا غلط ہے انہوں نے اس مضمون
پر کبھی غور نہیں کیا ورنہ اس قدر جلد فیصلہ نہ دے دیتے یہ صحیح ہے کہ
سب جیووں پر ان کا اثر یکساں نہیں ہوتا۔ مگر اثر ضرور ہوتا ہے۔ جب
ہم چراغ کی روشنی کے سامنے بیٹھتے ہیں تو اکثر بعض آدمی شکایت
کرنے لگتے ہیں کہ روشنی سے آنکھیں دکھنے لگیں۔ ان کو روشنی پسند نہیں
آتی۔ اسی طرح جیووں پر ان ستاروں کا بھی اثر ہوتا ہے۔ اور وہ اثر ان
کے مزاج و طبیعت کی ساخت کے اوپر موقوف ہے۔ باہر زور کی ہوا بہہ

رہی ہے۔ ایک شخص اس ہوا میں گھومتا ہے دوسرا باہر نکلتے ہی بیمار ہو جاتا ہے۔ بخار وغیرہ کے مریض کو اسی وجہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ یہی حال ستاروں کا بھی ہے۔ خاص خاص صورتوں میں ان کا اثر بہت دکھدائی ثابت ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس وقت ہم انسان کی ہیئت مجموعی کے نگاہ سے گفتگو کرتے ہیں اس لئے ان کو دکھدائی کہہ رہے ہیں۔

ممکن ہے کسی پر ان کا اثر اور طرح کا پڑے مگر یہ کبھی یقین نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیشہ ہی اچھا رہیگا۔ نظام شمسی کا سلسلہ ہمیشہ گردش میں رہتا ہے اور اس لئے سارے پرانیوں پر وہ وقتاً فوقتاً اثر انداز ہوا کرتا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کے اثر سے محفوظ رہیگا۔ اور کبھی دکھ میں مبتلا نہ ہوگا۔ جو جیسا جسم رکھتا ہے ویسے ہی خواص کو ان سے لیکر جذب کر لیا کرتا ہے۔ اور تکلیف اٹھاتا ہے۔ کون شخص دنیا میں ایسا ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں موسموں کی سختی سے ہمیشہ بچوں گا۔ جو سورج چاند ستارے مجھ کو نہ ستائینگے۔ پانی آگ اور بجلی مجھ کو تکلیف نہ دینگی۔ کوئی کسی سے دکھی ہے کوئی کسی سے دکھی ہے۔ دکھ ضرور ہے۔ اس کی موجودگی سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔ دکھوں کی تین قسموں میں سے یہ دکھ ادھی دیوک کہلاتا ہے۔ جو دیوتا یعنی قدرت کی طاقتوں سے انسان کو پہونچا کرتا ہے۔

دوسرا دکھ ادھی بھوتک ہے۔ ادھی بھوتک اس کو کہتے ہیں جو جیو کو جیووں سے دکھ ملتا ہے۔ سارے جیو بھوتوں یعنی پانچ عنصر سے بنے ہوئے ہیں اس لئے ان کو بھی بھوت کہتے ہیں۔ یہ دکھ بھی ویسے ہی عام ہے۔ جیسے ادھی دیوک۔ . . . اس کو ایک دو نہیں لاکھوں کروڑوں بلکہ بیشمار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ آدمی آدمی کا دشمن ہو کر اس

کو ایذا پہونچاتا ہے۔ شیر۔ چیتے۔ گائے۔ بیل۔ بھینس وغیرہ مار دیتے ہیں۔ سانپ ڈس لیتا ہے۔ چیونٹی کاٹتی ہے۔ مچھر ڈنس مارتے ہیں۔ غرضیکہ کوئی کہاں تک سناوے۔ ان کی فہرست بہت لمبی چوڑی ہے۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہمیشہ ان سے بچتا ہی رہیگا۔ کال چکر اور کرم کی گتی نیاری ہے۔ کب کیا ہوگا۔ کوئی نہیں جان سکتا۔ گھر۔ باہر۔ شہر اور ویرانے۔ پہاڑ اور جنگل جیؤں سے بھرے ہوئے ہیں۔ گھروں کے گوشوں میں چھپے ہوئے بچھو اپنا زہریلا نشتر چبھا دیتے ہیں۔ اور اسی وقت آہ و بکا کا شور مچ جاتا ہے۔ مکھی و مچھر ہمارے جسم اور کھانے پر بیٹھ کر زہر ملا دیتے ہیں۔ بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ کیڑے مکوڑے رینگتے ہوئے ناک کان میں گھس جاتے ہیں اور پریشانی نتیجہ ہوتی ہے۔ کنکھجورے جسم سے لپیٹ جاتے ہیں اور اس کو مسموم کر دیتے ہیں۔ پانی میں غذا میں ہوا میں ان کی وجہ سے مصیبت آجاتی ہے۔ اس سے لاکھوں قسم کے دکھ پہونچتے ہیں پھر کیا اپنے ہم جنس کھاتی نہیں ہوئے؟ قدرت کے نظام میں ہر شے کی ضد موجود ہے۔ کوئی کسی کا دشمن ہے۔ کیا تم نے کبھی کسی ایسے شخص کو بھی دیکھا ہے جو حسد کا شکار نہ بنا ہو یا جس کے دشمن دنیا میں نہ ہوں؟ اس کا جواب ہمیشہ نفی میں ہوگا۔ کیونکہ برہما نے اس کو اسی طرح بنایا ہے آگ کی ضد پانی ہے۔ میٹھے کی ضد کڑوا ہے۔ روشنی کی ضد سایہ ہے صحت کی ضد بیماری ہے اور مزہ یہ ہے کہ یہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ یکدم بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اور موقع موقع پہ اپنا کام نکالتے ہیں۔ پانی میں جہاں کنول پیدا ہوتا ہے ساتھ ہی جونک بھی چھپی رہتی ہے گلاب کی خوشبودار پنکھڑیوں میں زہریلے کیڑے لپٹے رہتے ہیں۔ امرت کے ساتھ وِش ہے۔ نوش کے ساتھ نیش

ہے۔ گل کے ساتھ خار ہیں۔ خوشی کے ساتھ ناخوشی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو دوندگی رچنا کہتے ہیں۔ یہاں اجتماع ضدین ہے۔ اور جہاں کا خواص ایسا ہو۔ وہاں کوئی کب دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہے یا کہہ سکیگا کہ اس کا حریف یا ضد دنیا میں نہیں ہے۔ تم اس کو یقین کرو۔ میں یقین نہ کرونگا۔ کیونکہ اس مرکب رچنا میں جہاں پرکرتی اور پرش مل کر کام کرتے ہیں یہ حالت کبھی نہیں ہو سکتی۔ ترکیبی رچنا میں میل جول کا ہونا لازمی ہے۔ ضرور رچنا بیشک اور طرح کی ہوگی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمہارے ملنے جُلنے والوں میں سے بعضوں میں خواہ مخواہ بغض ملتی ہوا کرتا ہے۔ جس کی اصلیت کا بھی کسی کو پتہ نہیں۔ لوگ یوں ہی حسد کے مارے طرح طرح کی شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کا فائدہ چاہے اس سے کچھ ہو یا نہ ہو۔ مگر وہ حسد سے باز نہیں آتے۔ یہاں تک کہ دوسروں کی بڑائی کے لئے اپنے آپ کو برباد کر دیتے ہیں اوروں کی بدشگونی کے واسطے اپنی ناک کٹا لیتے ہیں۔ نظر کو وسیع کرو۔ اور دیکھو۔ اس میں کس حد تک سچائی ہے۔ یہ عداوت بلا سبب کہی جاتی ہے۔ اور آدمی حاسد بنکر دوسروں کا ناش کر دیتا ہے۔ تم جس کے اوصاف کی تعریف کرتے ہو۔ دشمن اس کو برائیوں کا مجسمہ بنائیگا۔ اور اس کو ہمیشہ لعنت و ملامت کا نشانہ بنائیگا۔

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است
گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار ست

جس جہاں آتما ئیں سنسار کا اُپکار کرنے آئیں۔ ان کو دنیا کی بھلائی کا خیال تھا۔ مگر حاسدوں نے ان کو مصلوب کیا۔ دار پر چڑھایا کھانے میں زہر دیدیا۔ آگ میں جلایا۔ اور کیوں؟ کیونکہ وہ اس کے

ضد تھے۔ دور کیوں جاؤ۔ گھروں ہی میں ایک ایک کا ضد ہوتا ہے۔ بھائی بھائی کا دشمن۔ بیٹا باپ کا دشمن۔ ستری پرش کی دشمن۔ یودھشٹر کا ضد اس کا بھائی دریودھن تھا۔ شاہجہاں کا ضد اس کا بیٹا اورنگزیب تھا۔ اتہاس اور پورانوں کو پڑھو اور ہزاروں نظریں و مثالیں خود تم کو مل جائینگی۔

یہ ادھی بھوتک دکھ کی صرف چند مثالیں ہیں۔ یہ دکھ ناقابل برداشت ہے اور کیا دنیا میں کوئی سکھی کا لال ایسا ہے جو اس سے محفوظ و مصئون ہوا!

رام تیری مایا - دوند مچاوے

تیسرا دکھ ادھیاتمک کہلاتا ہے۔ ادھیاتمک کے معنے ہیں جس کا تعلق اپنے آتما کے ساتھ ہو۔ تم کو سن کر تعجب ہوگا کہ کس طرح انسان آپ اپنے آتما میں دکھ پیدا کرتا ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے۔ تم بھلے چنگے ہٹے کٹے ہو ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔ طبیعت ہشاش بشاش ہے۔ اور دیکھو ایک ہی لمحہ میں حالت بدل گئی۔ چہرہ پر شکن ہے تیوری بدلی ہے۔ پیشانی پر جھریاں آگئیں۔ آنکھ کی چتون کو دیکھو کر خوف معلوم ہوتا ہے۔ رگ رگ میں گرمی آگئی۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ کیا ہو گیا؟ بات کی بات میں حالت بدل گئی۔ اس کا سبب کیا ہے۔ کہاں کیا تھا کیا ہو گیا۔ پاس بیٹھے ہوئے آدمی حیران ہیں۔ کوئی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی اور نہ کوئی اس تبدیلی کے پیچیدہ اور گہرے مسئلہ کے عقدہ کشائی کی جرأت کرتا ہے۔ مگر نتیجہ کو سب دیکھ رہے ہیں سبب نہیں معلوم۔ آؤ اور میں تم کو اس کا سبب بتاؤں۔ حضرت ابھی خوش تھے۔ اب ناخوش ہیں۔ اس ناخوشی کے دکھ کا سبب خود ان کا دل ہے

گھٹ سمندر لکھ نا پڑے۔ اٹھیں لہر اپار
دل دریا سمرتھ بنا۔ کون لگاوے پار

ایک بے پایاں کنار سمندر تموج میں ہے۔ آسماں سے باتیں کرنیوالی لہریں اس میں اٹھا کرتی ہیں۔ جوار بھاٹے آتے ہیں۔ لہریں ساحل سے ٹکرا کر کشمکش کا نظارہ دکھا رہی ہیں۔ مچھلیاں ورہم برہم ہیں۔ سطح پر گاچھ آ گئی ہے۔ دیکھنے والوں کو دہشت ہوتی ہے۔ اے انسان تیرا دل ایسا بے پایاں سمندر ہے۔ جس کے وار پار جانے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی۔

من میں ورتیوں کی ترنگیں اٹھتی رہتی ہیں۔ کبھی وہ خوشگوار ہیں کبھی ناخوشگوار ہیں۔ جب دل میں غصہ کا خیال آ گیا۔ ایڑی سے چوٹی تک آگ لگ گئی۔ جب رنج کے جذبات کی باری آئی تمام جسم جھول ناکارہ اور سست ہو گیا۔ نہ کسی سے بولنا نہ کسی سے چالنا۔ نہ کسی کی سنتے ہیں نہ کسی سے کہتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری ہے۔ لبوں پر ٹھنڈی آہیں ہیں۔ کوئی مصور آوے ان کے دکھ کی تصویر کھینچ لے۔ کسی شاعر کو اگر حوصلہ ہو تو اپنے لفظوں کے سلسلہ میں ان کے دکھ کا نقشہ دکھا دے۔ مگر یہ مشکل ہے۔

بات کچھ نہیں تھی صرف خیال ہی خیال نے حالت بدل دی اور وہ کچھ کے کچھ بن گئے۔ اس خیالی دکھ کو اس دلی کلفت کو اس سنکلپ کے مصیبت کو ادھیا تمک دکھ کہتے ہیں۔ اور کون ایسا بشر ہے جو اس کی ہستی سے انکار کا دعوےٰ کر سکیگا۔

اوپر کے دو دکھ تو خوفناک ضرور ہیں۔ مگر یہ ان سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ دو کا تعلق تو خارجی دنیا سے ہے اس کا تعلق اندرونی

دنیا سے ہے وہ نسبتاً بعید ہیں یہ قریب ہے اور اس لئے انسان اس سے
اور بھی پریشان ہوتا ہے۔

من کا دکھ زیادہ غور کرنے اور سوچنے سمجھنے کے قابل ہے۔ یہی ہم
کو کشمکش کی حالت میں رکھتا ہے۔ کبھی ہم اوپر جاتے ہیں کبھی نیچے آتے
ہیں کبھی یہ من ہم کو آسماں پر ہمالیہ کی چوٹی سے ٹکراتا رہتا ہے۔ کبھی
سمندر کی گہرائی میں لے جا کر غوطہ دیتا ہے۔ ایک ہنڈولا ہے۔ جو رات دن
جھولتا رہتا ہے۔ کبھی نیچے کبھی اوپر۔ جن کی ورتیاں پینگ مارتی رہتی
ہیں اور ایک دم کے لئے قرار اور شانتی کی صورت نصیب نہیں
ہوتی۔

یہ تو تم نے کچھ کسی قدر سمجھ لیا۔ کیا اس کی تفصیلی صراحت کی بھی ضرورت
ہے؟ ہم کو کم از کم اس کا حوصلہ نہیں ہوتا اور شاید ہم کو کبھی حوصلہ نہ ہو
سکے گا۔ جس میں اور جس سے یہ کال چکر زور شور سے گردش کر رہا ہے
اس کی تفصیل ہم بھلا تم کو کیا بتا سکتے ہیں۔ مگر اس قدر کہنے کی البتہ
جرات کریں گے کہ من کا دکھ سارے دکھوں سے بڑا ہے۔ بڑا ہی خوفناک
ہے۔ اور اس کا مقابلہ ادھی دیوک اور ادھی بھوتک دکھ سے نہیں
کیا جا سکتا۔ وہ اس کے پاسنگ کو بھی نہیں پہونچتے۔ یہ خود اپنے
آپ کو مسموم کر کے ہلاک کیا کرتا ہے۔ یہ اندر ہی اندر آگ سلگا کر
گوشت پوست و ہڈیوں کو جلاتا رہتا ہے۔ یہ دو دھاری چھری ہے
کلیجہ کو چیرا لگاتا ہے۔ اور دن دُگنا اثر جڑ دی ہوتا ہے۔ اس کا رگ رگ
میں سرایت کر جاتا ہے۔ ہائے کیسے اندھیر کی بات ہے کہ ہم آپ
اپنے دشمن ہیں آپ اپنے پاؤں میں کلہاڑی مارتے ہیں۔ آپ اپنے
بھسم کرنے کے لئے چتا تیار کرتے ہیں۔

ادھی دیوک اور ادھی بھوتک دکھ کی چال ایک طرح کی ہے یہ دور دور
یہ چلتا ہے اس کی سمجھ تم کو مشکل سے آویگی۔ مگر میں کسی نہ کسی طرح تمہارے
ذہن نشین کرانے کی کوشش کر رہی ہونگا۔

دو طرح کے اثرات تو باہر سے آتے ہیں اور ہم میں داخل ہو جاتے
ہیں ادھیاتمک دکھ خود زہر پیدا کرتا ہے اور باہر کی طرف سے بھی دکھ
پیدا کرنے کا سامان اکٹھا کرتا ہے۔ ایک شخص نے دل میں برے خیال
پیدا کئے۔ دل مسموم ہو گیا اب وہ دوسروں سے لڑنے لگا۔ گالیاں دے
بیٹھا۔ ہاتھ چلا دیا۔ اب باہر کی طرف سے ہزاروں قسم کے دکھوں کا اس
پر حملہ ہونے لگا۔ جو آتا ہے۔ وہی لڑتا ہے۔ جو پاس سے گذرتا ہے وہی
دو چار صلواتیں سناتا ہے۔ خون خرابے ہو جاتے ہیں۔ تلواریں میان سے
نکل پڑتی ہیں۔ عدالت اور جیلخانہ۔ پھانسی و کالے پانی کی سزائیں بھگتنی
ہوتی ہیں۔ آگ اندر ہے۔ آگ باہر ہے۔ چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے
کہیں بھی چین کی صورت نہیں یہ پاجی بدمعاش اور نامراد من خود ہی دکھ
کا روپ نہیں بنا۔ بلکہ اس نے اپنے ساتھ ادھی دیوک اور ادھی بھوتک
دکھوں کو دعوت دیکر بلا لیا اور اپنا شریک بنا لیا۔ جیلخانہ کے آدمی کوڑے
مارتے ہیں۔ پھانسی پر لٹکاتے ہیں گالیاں سناتے ہیں۔ لعن طعن کرتے
ہیں یہ ادھی بھوتک دکھ ہے۔ گرمی سردی کی تکلیف۔ جاڑے پالے کی
مصیبت ادھی دیوک دکھ ہیں۔ کیا اب بھی تم نے اس کو نہیں سمجھا؟ یہ تو
بڑی معقول بات ہے۔ موٹی بات کا سمجھنا و سمجھانا اتنا مشکل نہیں کاش
اگر یہ نہ ہوتا تو ہم اتنے دکھی کبھی نہ ہوتے۔

اب ذرا لطیف نگاہ بنا کر اس ادھیاتمک دکھ کا تماشہ دیکھنا چاہیے
تم نے سنا ہوگا کہ ہم جنس اپنے ہم جنس کو کھینچا کرتا ہے۔ یہ قدرتی

اصول معلوم ہوتا ہے۔ اور اس لئے جو شخص بُرے خیال سوچنے کا عادی ہے
وہ آکاش منڈل کے بکھرے ہوئے بُرے خیالوں کو اپنے دل میں نادانستہ
جگہ دیتا رہتا ہے۔ اور یہ سب موٹے رسے بن کر اس کو اس طرح جکڑ کر
باندھ دیتے ہیں۔ کہ چھٹکارا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص ایک
برائی کو اپنے دل میں جگہ دے لیتا ہے۔ اس کے من، بچن اور کرم سے سینکڑوں
اور ہزاروں برائیاں پیدا ہونے لگتی ہیں اور دنیا میں وہ بدی بن جاتا ہے۔ دور
نہ جاؤ اپنے ارد گرد کے حالات واقعات وسانحات کی طرف نگاہ کرو۔ اور
تم کو حقیقت کا پتہ مل جائیگا۔ جو کھیلیگا جھوٹ ضرور بولیگا۔ بے ایمان ضرور
بنیگا۔ جو بے ایمان ہوگا چوری ضرور کریگا جو چوری کریگا وہ ہنسا اور دلآزاری
کے جرم کا مرتکب ہوگا۔ اور جس میں ہنسا آگئی وہ گھور پاپی بنجاویگا کیونکہ ہنسا
مہا پاپ ہے اور مہا ادھرم ہے۔ اس سے بدتر اور کوئی پاپ نہیں ہے۔ یہ
سلسلہ ہمیشہ یوں ہی چلتا ہے۔ جس میں ایک پاپ ہے وہ دوسرے پاپوں
کو اپنے میں شامل کر لیتا ہے۔ اور ان کو جزو بدن جزو دل اور جزو دماغ بنا لیتا
ہے۔ من میں بُرا خیال آیا نہیں کہ وہ زبان سے بُرے کلمے نکالنے لگتا ہے
اور ہاتھوں سے بُرائی کرنے لگ جاتا ہے۔ پاپ کی جڑ من میں ہے۔ اور
اور زبان و ہاتھ اس کے اظہار کی دو مستقل صورتیں ہیں یہاں ہی تک
اس کا سلسلہ محدود نہیں ہوتا۔ بلکہ بُرے خیال کے توجہ کے زیر اثر وہ
بُروں کی صحبت اختیار کر لیتا ہے۔ اندر بدی۔ باہر بدی اوپر بدی نیچے بدی
۔ پورب پچھم اتر دکن بدی ہی بدی سے وہ گھر جاتا ہے اور بدی کے سمندر
میں غرق ہو کر بُرے عذاب کے ساتھ مارا جاتا ہے۔ یہ بدی کے تمام تار
پود اس کے اپنے ہی من سے نکلے تھے۔ جس طرح ریشم کا کیڑا اپنے اندر
سے تاگے نکال کر خود اس کے اندر بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح بد اندیش

آدمی اپنے بڑے خیالوں کے رسوں سے اپنے آپ کو جکڑ لیتا ہے اور بہت دکھ پاتا ہے۔ کام کرودھ۔ لوبھ۔ موہ سب اس کو پھنسا لیتے ہیں۔ ایک تو زنجیر ہو تو وہ چھوٹے جہاں ہزاروں رسّے ہوں وہاں چھوٹنے کا خیال کیسے پیدا ہو گلے میں پھانسی ہاتھوں میں ہتکڑی۔ پاؤں میں زنجیر سر پر آہنی ٹوپ۔ آنکھوں پہ پٹی۔ ہائے ہائے کس طرح کوئی اس ادھیاتمک دکھ کا بیان کرے۔ ادھی دیوک وادھی بھوتک۔ دکھ تو اس کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ خود اس سے آکر مل جاتے ہیں اور وہ جیتے جی گھور نرک۔ رورو نرک۔ بیتت لوہ نرک اور انیک نرکوں میں جنکو شاستروں نے بیان کیا ہے پڑا ہوا چلّاتا ہے۔ شور محشر مچاتا ہے مگر داد نہ فریاد۔ کوئی اس کی نہیں سنتا۔ اور سنے بھی کون۔ کردہ خویش آمدہ پیش۔ خود کردہ را علاجے نیست۔

آدمی بیمار کیوں ہوتا ہے۔ محض اپنے خیال سے۔ آدمی دکھی کیوں ہوتا ہے محض اپنے خیال سے۔ خیال ہی غصہ دلاتا ہے۔ خیال ہی شہوت پیدا کرتا ہے خیال ہی سے لالچ ہوتی ہے۔ خیال ہی سے موہ و بھرم ہوتا ہے۔ خیال ہی سے اہنکار کی اتپتی ہے۔ یہ سب ادھیاتمک دکھ کے سرچشمے ہیں۔

غصے کے خیال سے جسم کانپتا ہے۔ آنکھ انگارے کی طرح سرخ ہو جاتی ہے۔ سارا شریر کانپ اٹھتا ہے اور کیا کبھی تم اس پر غور بھی کرتے ہو جس وقت پرتھوی میں بھونچال آتا ہے مکان ڈھ جاتے ہیں پہاڑ گر جاتے ہیں۔ ہمالیہ کی گردن مروڑ دی جاتی ہے اور اس کا سر اس طرح دب جاتا ہے کہ وہاں سمندر لہرانے لگتا ہے۔ ابھی کانگڑہ کا واقعہ تم کو بھولا نہ ہوگا۔ یاد کرو۔ کیا کیا بلائیں نازل ہو گئیں۔ کتنے آدمی زندہ درگور ہو گئے۔ کتنے خاندان آوارہ ہو گئے۔ دیوی کا مندر تہس نہس ہو گیا۔ اور آج تک نہ بن سکا۔ یہ بھونچال تمہارے جسم میں ہزاروں بھونچال پیدا کرتا ہے۔ غصے کے وقت ذرہ شیشہ میں اپنا منہ دیکھ لیا کرو۔ آنکھ سے زور کے ساتھ آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ گویا شیشہ آگ بھنکار رہا ہے۔ زبان آتش فشاں

پہاڑ بن جاتی ہے۔ آنکھوں سے تیز آنچ نکلتی ہے۔ جسم کے ذرّے ذرّے ہل جاتے ہیں۔ اپنی جگہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ جسمانی دیوار کی اینٹ اینٹ کھسک جاتی ہے۔ بنیاد ہل جاتی ہے۔ کیا ایسی حالت میں تم صحت کی امید رکھ سکتے ہو؟ ایسی خیال ست و محال ست و جنوں!! جس کے جسم کے ذرّے ذرّے تتر بتر ہو گئے۔ وہ کیا خاک صحیح الجسم ہوگا! تمہاری دھات بگڑ جائیگی۔ تمہارا خون خراب ہوگا تمہارا اوپر یہ نقشہ ہوگا۔ تمہارا معدہ اس قدر بگڑ جائیگا کہ وہ غذا کے ہضم کرنے کے ناقابل رہیگا۔ اور تم کو برباد کر کے تب چھوڑے گا آنکھوں کا نور جاتا رہیگا۔ چہرہ کی کرانتی رخصت ہو جائیگی۔ دل کا سرور دور ہو جائیگا۔ دماغ کے رگ در یشے اکھڑ جائینگے۔ اور تم سخت بیمار پڑ دگے۔ جس کا علاج دھنونتری بھی نہ کر سکینگے۔ تم مانو خواہ نہ مانو۔ میں تم کو سچی بات سناتا ہوں۔ غصہ در کی بیماری کا علاج اسونی کمار بھی نہیں کر سکتا دنیا کے حکیم جس کی جڑ تمہارے اپنے ہی من کے اندر ہے باہر نہیں ہے۔

غصہ ایک حالت ہے۔ اس طرح کی اور حالتیں کیا بیان کی جائیں ان کے لئے دفتر کی ضرورت لاحق ہوگی۔ کام۔ موہ۔ اریشا۔ دویش۔ لوبھ۔ اہنکار وغیرہ ہزاروں حالتیں من سے پیدا ہوتی ہیں اور ادھیاتمک دکھ کی اتپتی کرتی رہتی ہیں جہاں ایک دشمن ہو وہاں زندگی محال ہو جاتی ہے۔ چہ جائیکہ ہزاروں دشمن ہوں۔

کبیر بیری سبل ہے ایک جیو رپو پانچ
اپنے اپنے سواد کو سبھی نچادیں ناچ

ایک مرض کا علاج چاہے ممکن بھی ہو مگر ہزاروں کا علاج کیسے ہو۔ ایسی حالت میں سوار نادان کے اور کسی کو بھی صحیح الجسمی و صحیح الدماغ کی امید نہیں ہو سکتی۔

یہ تین طرح کے دکھ ہیں جن سے سنسار بھرا ہوا ہے۔ تین کے سوا چوتھا نہیں ہے۔ اور ساری دنیا ان کی وجہ سے پریشان ہے۔ یہ ایک ایک کر کے

سب کو کھا رہے ہیں سب موت کے منہ میں ہیں۔ دکھ اٹھاتے ہیں مصیبتیں سہتے ہیں۔ مصیبت کے آماجگاہ بنتے ہیں۔ مگر کسی کو بھی اپنے اُدھار کی فکر نہیں بھگوان بدھ سچ کہتے ہیں۔ "دنیا ایک بینا بازار ہے۔ جہاں دکھ کے سودہ کا لین دین ہوتا ہے دنیا ایک آتشکدہ ہے۔ جس میں تمام پرانی ایندھن بن کر جل رہے ہیں۔ دنیا دکھ کا ساگر ہے۔ جس میں موہ گرسیت جیو رات دن مصیبت و دکھ کے غوطے کھایا کرتے ہیں۔"

باب پانچواں

سنسار کے دکھوں کی وضاحت

ہم سب کو سکھ کی خواہش ہے۔ ساری زندگی سکھ کے لیے جتن کرتے رہتے ہیں۔ کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو سکھ کے نمت نہ ہو۔ ہم چاہتے رہتے ہیں کہ ہم کو صرف سکھ ملے۔ دکھ نہ ملے۔ سامان خوشگوار ہوں۔ ناخوشگوار سامان سے تعلق نہ ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا کیونکہ سنسار کے سکھ دکھوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ ان میں سکھ دکھ دونوں ہیں۔ ہماری نگاہ صرف سکھ کی طرف جاتی ہے۔ دکھ کا خیال نہیں کرتی اور نادانستہ سکھ سے تعلق پیدا کرتے ہی دکھ سے بھی ہمکنار ہوتی ہے۔ مثلاً ایک ناتجربہ کار نوجوان شخص کو شادی کرنے کی ہوس ہے وہ یہ نوذہن نشین کئے ہوئے ہے کہ شادی کر لینے سے آنند پراپت ہوگا۔ مگر اس طرح سے آنکھ بند کر رکھی ہے کہ شادی کے ساتھ طرح طرح کی ذمہ داریاں ہیں۔ استری کے پالن پوشن کے لیے ساز و سامان کی ضرورت ہوگی۔ اس کے سلسلہ میں آل اور اولاد بڑھیگی اس کی پرورش۔ تعلیم۔ شادی وغیرہ وغیرہ کے کتنے جھگڑے سر پہ لینے ہونگے وعلی ہذا القیاس۔ سنسار کے سارے سکھوں کا یہی

حال ہے مان کی ظاہری صورت دلفریب ہے مگر ان کے سلسلہ میں دُکھ ضرور ہوتا ہے
اور نہ بھی چاہیئے۔ کیونکہ سرشٹی کے اس طبقہ میں چونکہ مرکب رچنا ہے۔ اس لئے
دکھ سکھ ساتھ چلتے ہیں اس لیئے ہم ہزار کوشش کریں ہزار بہتری کی امید رکھیں
مگر سنساری سکھ کی خواہش کے سلسلہ میں دُکھ ضرور ہوگا۔

دنیا میں ہماری خواہش یا ہماری حالت کبھی ایک طرح کی نہیں رہتی ہمیشہ
تبدیل ہوا کرتی ہے۔ جس چیز کی ہم آج قدر کرتے ہیں کل اس کو پھینک دیتے ہیں
آج جس سے پیار ہے کل اس سے نفرت ہوگی۔ آج جہاں راگ ہے کل وہاں
دویش ہوگا۔ آج کی خوشی کل غم میں تبدیل ہو جائیگی لوگ کہتے ہیں۔ یہ حالت
ہمیشہ نہ رہیگی۔ من کی دوچنتائیں دور ہو جائینگی۔ مگر نہیں یہ غلطی ہے۔ آنیوالے
زمانہ موجودہ زمانہ کا صرف نشوونما یافتہ صورت ہوتی ہے۔ جو تم آج سوچتے
سمجھتے کرتے دھرتے ہو۔ اس کا سنسکار بیج روپ بن کر تمہارے من کے
پردوں میں قائم ہوتا جائیگا۔ اور کل کو اس میں کونپل نکلیں گے اور وہ پھل دینے
لگیگا۔ اس کی حالت بالکل اس بیج سے مشابہ ہے جو زمین کے نیچے دفن ہے جیسے
کوئی نقص نہیں ہے کہ موافق حالت پاکر بیج میں انکھوا نہ آویگا۔ اس میں پتے
شاخ۔ پھول پھل سب ہی آوینگے۔ اس طرح جو کرم اور خواہش آج کی جا رہی ہیں
ان کا سنسکار من میں قائم ہو کر آئندہ کے لیئے کثیر مقدار میں ان ہی کی صورت
کے سامان پیدا کریگی۔ اگر سکھ کی خواہش ہے تو سکھ ملیگا۔ اس میں شک نہیں
ہے مگر اس سکھ کے ساتھ دکھ ہوگا۔ اس بچاؤ نہیں ہے

جیسے دکھ تین طرح کے ہیں ہیں ویسے سنساری سکھ بھی تین طرح
کے ہیں۔ ادھی بھوتک۔ ادھی دیوک۔ ادھیاتمک۔

جورو۔ بیٹیوں اور تمام اشیاء کے سکھ۔ بیوپار اور بیوہار کا سکھ ادھی
بھوتک ہے۔ ہمارے مویشی ہیں۔ نوکر چاکر ہیں بہت کچھ مال و اسباب ہے
ان سے جو سکھ ملتا ہے وہ ادھی بھوتک کہلاتا ہے۔

گرمی میں سردی اور سردی میں گرمی اچھی لگتی ہے۔ جاڑے کے دنوں میں سورج دیوتا بہت پیارے معلوم ہوتے ہیں رات کے وقت چاند کیسا سہاونا لگتا ہے۔ بارش سے پرانی سکھی ہوتے ہیں۔ یہ سب دیوتا ہیں۔ ان سے جو سکھ پراپت ہوتا ہے وہ ادھی دیوک ہے۔

بھوگ بلاس۔ من کے خیالی ترنگیں۔ جسمانی ونفسانی لذت وغیرہ ادھیاتمک سکھ کہلاتے ہیں

جس طرح کے سنساری دکھوں کی طرح۔ سنساری سکھوں کی بھی (لغت) ہے۔ تم خود غور کر کے دیکھو۔ ان میں سے کسی ایک کے ایک ایک پہلو ہیں یا دو دو پہلو ہیں۔ اور تم خود سمجھ جاؤ گے کہ جہاں ان میں سکھ ہے وہاں ان میں دکھ بھی ہے۔ کون زیادہ دیر تک سورج کی گرمی سینکتا رہتا ہے۔ اور شکایت نہیں کرتا۔ وعلی ہذا القیاس۔

مانا۔ دلی اور عقلی سکھوں کا درجہ بڑھا ہے۔ ادھیاتمک سکھوں کا وہ حصہ جو دل و دماغ سے سمبندھ رکھتا ہے۔ بہت خوش آئیند ہے۔ اس میں شک نہیں۔ مگر جتنا ہی یہ اچھا ہے اتنا ہی ادھیاتمک دکھ بڑے بھی ہیں آدمی کو جو تکلیف کہ ادھیاتمک یعنی دلی دکھوں سے ہوتی وہ کسی سے بھی نہیں ہوتی۔ جو چیز جتنی لطیف ہوگی اتنی ہی طاقتور اور اتنی سکھدائی ہوگی۔ مگر جس طرح اس کی لطیف طاقت سکھوں کے بڑھانے میں کام دیتی ہے وہی طاقت دکھوں کو بھی زیادہ درجہ کا بنا دیتی ہے۔ انسان جب کبھی اپنے پیارے دوستوں و عزیز رشتہ داروں کو یاد کرتا ہے۔ جن سے اس کو محبت تھی۔ کس طرح دکھ کو محسوس کرتا ہے۔ انسان جب موجودہ حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے آیندہ حالت کا نقشہ خیالی نگاہ کے سامنے قایم کرتا ہے اس کو یوں ہی کس طرح مصیبت کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ یہ ادھیاتمک طاقت کی خوبیاں ہیں ان کے طرف ہمہ تن متوجہ ہو جانا ایک طرح کی

غلطی ہے۔

جو سکھ دکھ۔ بندھ موکش میا اپنا اپنا سنسار میں نظر آتا ہے۔ وہ بھی ادھیاتمک کھیل ہے۔ اس سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں ہے جس سے دل لگا وہاں ہی تعلق پیدا ہوا۔ قید کی حالت خود بخود آگئی دیکھو وہ آپ بندھے ہیں یا اور کسی نے ان کو باندھا تھا۔ باندھنے والا من ہی تو ہے اس لیئے اس کے سکھوں کے جال میں پھنسنا نادانی ہے۔ میا اپنا اپنا کی جڑ کا کاٹنا ہی مذہب کی اصلی غرض ہے تاکہ نفسانیت کی ناحق کی تمیز نہ رہنے پائے۔

ادھی بھوتک اور ادھی دیوک سکھ اتنے دکھ نہیں پیدا کرتے کیونکہ ان میں جو مقدار سکھ کی ہے اتنا ہی دکھ بھی ہوگا مگر ادھیاتمک تسکین چونکہ بہت سکھ پیدا کر سکتی ہے وہ سکھ بھی بہت اپنے ساتھ لاتی ہے۔

سنسار کے سارے سکھ ان تینوں کے سلسلہ میں آجاتے ہیں۔ مگر ان کی معقول حالت کے اس شکل کی جس میں برانی زیادہ گرفتار رہتے ہیں تھوڑی سی وضاحت کر دینی ضروری ہے۔

ادھی بھوتک یعنی سنسار کے بھوگ ولاس کے سامان میں جو لوگ زیادہ مبتلا ہیں۔ ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ان کے اس خاص سکھ کے آدرش جدا جدا ہیں۔ کوئی کسی میں سکھ تلاش کرتا ہے کوئی کسی میں تلاش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سمجھ لو ایک شخص نے دولت و مال ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے اس کی خوشی اس بات میں ہے کہ اس کے پاس روپیہ پیسہ زر جواہر کا کثیر سرمایہ جمع ہو جائے۔ پہلے اگر آرزو تھوڑی تھی تو روپیہ کی بڑھائی کے ساتھ اس کی ہوس بڑھتی گئی۔ ہوس کی ترقی میں اس کے کئی طرح کے نقصان بھی ہوتے گئے۔ اول یہ کہ چونکہ ذہن دولت اکٹھا کرنے کی طرف دل کی تمام طاقت مصروف ہے اس لئے

اب دل میں اس کے بھوگنے کی خواہش اگر باجاو نہیں ہے تو اس میں حد درجہ کی
کمی آتی جارہی ہے۔ دوسرے اس کو اس کے نقصان کے خیال سے دکھی
ہو کر اچھے مکان بنانے اچھے قفل لگانے۔ مضبوط و ہوشیار چپراسی
رکھنے کا خیال ہوگا۔ تیسرے وہ اس کی وجہ سے ہر شخص سے کھٹکتا رہیگا
کہ کہیں کوئی دھوکہ دیکر اس کو اس کے جمع کردہ مال ودھن سے محروم نہ کردے
اس کی ہمدردی نہ صرف غیر و بیگانوں سے بلکہ عزیز و یگانوں سے بھی جاتی
رہیگی۔ اور باہمی ہمدردی و محبت کی کمی بطور خود دکھ کا سروپ ہے۔ الغرض
اسی طرح جو کوئی ضرورت سے زیادہ سنسار کے سکھوں کی تمنا میں پڑتا
ہے اس کو کس قدر دکھوں کا آماجگاہ بنا پڑتا ہے۔ اور آخر وہ اس نتیجہ پر
پہونچتا ہے کہ سنسار میں دکھ زیادہ ہے اور سکھ کم ہے جو غلط نہیں ہے
الغرض سنساری سکھ کی اسی ایک مثال سے سمجھ لو کہ ساری عمر
اسی کے ہو کر رہنے میں خیریت ہے یا نہیں ؁

باب چھٹواں

سکھ دکھ کی مزید صراحت

سکھ اور دکھ کا احساس کب ہوتا ہے۔ کس کو ہوتا ہے اور کیوں ہوتا
ہے اس کی صراحت کر دینی ضروری ہے۔

سکھ دکھ کا احساس صرف جاگرت اوستھا یعنی حالت بیداری میں ہوتا
ہے۔ جب تک ہم جاگتے رہتے ہیں تب ہی تک سکھ یا دکھ کو محسوس کرتے
ہیں۔ جہاں نیند آگئی۔ پھر اس حالت کا خیال تک نہیں رہتا۔ اسی وجہ سے
اکثر زخم یا بیماری کی حالت میں ایسی دوا دیجاتی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان

کو نیند یا بے ہوشی کی حالت آجائے اور پھر اس کا غم غلط ہو جاتا ہے سوا
جاگرت اوستھا کے اور کسی حالت میں اس کا انبھو نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے
کہ نیند میں تو اب کہ وقت خواب یا سوپن میں بھی دکھ ہوتا ہے تو وہ صحیح ضرور
ہے مگر اس میں جاگرت کی حالت میں فرق ہوتا ہے اور پھر گہری نیند میں
اس کا بالکل ابھاو ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب آدمی کو سخت چوٹ لگ
جاتی ہے تب بھی جب تک وہ جاگتا رہتا ہے۔ تب ہی تک دکھ ہے ایسے
ہو قعوں پہ قدرتی طور پر روح کی دھار سمٹ کہ دماغ کی طرف رجوع ہو جاتی
ہے اور زخم رسیدہ انسان بیہوش ہو جاتا ہے پھر وہ زخم کو بالکل بھول جاتا ہے
اس سے ثابت ہے کہ سنسار کے دکھ و سکھ دونوں کا تعلق صرف جاگرت اوستھا
میں ہے۔ یہ سوال کے ایک حصہ کا جزوی جواب ہے۔

دکھ کس کو ہوتا ہے اور کیوں ہوتا ہے یہ اس کے دوسرے حصے ہیں۔
انسان کے جسم میں جو کچھ قوت یا طاقت کام کرنے کی ہے وہ ہمارے جسم
کے کسی خاص مقام سے بذریعہ دھاروں کے آتی ہے۔ جہاں یہ دھار
ٹھہر جاتی ہے اور اس سے متوجہ ہوتی ہے وہاں ہی اس کو سکھ ہوتا
ہے اور جب اس چیز کے ساتھ علیحدہ کی جاتی ہے تب اس کو دکھ ہوتا ہے
ان دھاروں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو صرف حرکت کرتی ہے۔ دوسری محسوس
کرتی ہے۔ جتنے ذی حس جاندار ہیں اُن کے تمام حرکات اور فعل سے ظاہر
ہوتا ہے کہ وہ دکھ سے بچنا اور سکھ ملنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک عام بات
ہے جو معمولی ذہانت کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔

جب کوئی شخص کسی سے ملتا ہے تو وہاں اس میں دو حالتیں پیدا
ہوتی ہیں ایک تو اس کے ساتھ ہم آہنگی اور موافقت کرنے کی خواہش
ہوتی ہے دوسرے اس کے اپنے میں ملاتے یا جذب کرنے کی خواہش
ہوتی ہے اگر دونوں حالتوں میں سے کوئی پیدا نہیں آتی تب اس کے

خارج کر دینے کی کوشش مد نظر رہتی ہے۔ پہلی حالتوں میں سکھ اور آخری حالت میں دکھ ہوتا ہے۔ مثلاً تمہارے آنکھ میں کوئی فاسد مادہ داخل ہو گیا اب آنکھ کی محسوس کرنیوالی طاقت یہ چاہتی ہے کہ وہ موافق و ہم آہنگ ہو جائے یا اسمیں جذب ہو کر اس سے مل کر ایک ہو یا ہے خواہ بالکل علیحدہ ہو جائے اگر مادہ جذب ہو گیا تو تکلیف نہیں ہوتی۔ اگر جذب نہ ہو سکا۔ یا موافق نہ بن سکا تو پھر اس کے خارج کرنے کی کوشش ہوتی ہے اور توجہ کے جبر کے ساتھ اس کام کے کرنے میں دکھ ہوتا ہے۔ کیونکہ توجہ کو اس ناخوشگوار حالت کی طرف رجوع ہونے اور پھر اس سے نفرت اور کشیدگی میں کشمکش ہوتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔

یہی توجہ جو احساس مجسم ہے سُرت کہلاتی ہے اور دکھ سکھ بھی اسی کو ہوتا ہے۔

سنسار کے کسی کام میں خواہ وہ نوعیت کے لحاظ سے کچھ ہی کیوں نہ ہو دکھ سے بچاؤ نہیں ہے۔ آج جس شے کو ہم غلطی سے اچھا سمجھ رہے ہیں کل وہ تجربہ کے ہو جانے سے بری اور دکھدائی پر تبدیل ہونے لگتی ہے۔ سنتوں کا مذہب ایسی حالت میں مدد پر آتا ہے اور اس مشکل مسئلہ کے حل کی صورت میں ایک ایسا طریقہ پیش کرتا ہے۔ جو سکھ اور آنند کا دینے والا ہے۔ اور جس کے سادھن کرنے سے انسان جیتے جی بھی دکھوں سے آزاد رہتا ہے اور شریر چھوڑنے پر دائمی سکھ کا وارث بنتا ہے۔ یہ سادھن خود اختیاری ہے اور ہر شخص اس کو چاہے مرد۔ لڑکا۔ جوان۔ عورت اور مرد کوئی ہو۔ بلا کسی تکلیف کے کر سکتا ہے اور جتنی اس کو ترقی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی وہ اس کی عظمت اور بزرگی کو ذہن نشین کرتا جاتا ہے۔ اور اپنے اندر سکھ کا انبھو بھی کرتا جاتا ہے۔

سادھن کیا ہے۔

یہ ہر شخص کے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جس کرنیوالی دھار کا جبر کے ساتھ کسی خاص جسمانی یا دلی طبقہ سے ہٹایا جانا خواہ وہ زخم کی وجہ سے ہو یا دلی پریشانی کی وجہ سے خواہ کسی ناخوشگوار حالت کی وجہ سے ہو دکھ کہلاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اس حس کرنیوالی دھار کو جسمانی یا دلی طبقہ میں کہیں مرکز بنا کر ٹھہرنے کا موقع دیا جائے تو وہ سکھ پرتیت کریگا۔ یہ جسمانی اور دلی طبقات چونکہ دوند یعنی مرکب حالتوں سے بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان میں تمام وکمال سکھ نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سکھ اور دکھ دونوں کی ملونی یعنی آمیزش ہے۔ اس لئے ہمارے جسم میں سفلی طبقات میں توجہ کے مرکز بنا کر قایم ہونے میں کچھ سکھ نہ ملیگا۔ مگر جیوں جیوں وہ علوی طبقات کی طرف رجوع ہو کر یکسو ہونے کا شغل کرے گی مرکب حالتوں سے اوپر چڑھتے ہوئے جتنی حد تک مفرد حالت سے ہمکنار ہوتی جائیگی اتنا ہی زبردست سکھ اس کو پراپت ہوتا جائیگا۔ یہاں تک کہ جب وہ بالکل مفرد رچنا سے ہمکنار ہو جائیگی تو سنسار کے دکھوں سے اس کو ہمیشہ نجات ہو جائیگی۔

چت کی بھرانتی۔ دل کی پریشانی۔ خیال کی پراگندگی۔ توجہ کی عدم یکسوئی کا نام دکھ ہے۔ چت کی شانتی۔ دل کی جمعیت۔ خیال کی متحد حالت اور توجہ کی یکسوئی کا نام سکھ ہے۔

چت۔ دل۔ خیال کی متحد حالت وغیرہ کا تعلق سُرت سے ہے

آدمی جب اپنے توجہ کو بہت سے کاموں میں بکھیرتا ہے دکھی ہوتا ہے آدمی جب اپنے توجہ کو سمیٹ لیتا ہے سکھی ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس توجہ کے سمیٹنے کے مختلف طریقے ہیں پڑھنا۔ لکھنا۔ کھیل کود۔ تفریح سب میں کسی نہ کسی قدر یکسوئی ہوتی

ہے۔اور یکسوئی کے درجہ کے موافق سکھ ملتا ہے۔مگر یہ سکھ چونکہ سب باہر مکھی ہوتے ہیں۔اور توجہ کو اپنی طاقت کی دھار ان پر ڈال کر سکھ لینے کا موقع ملتا ہے اس لئے سرب انگ سے ان میں سکھ نہیں ہے۔اصلی سکھ وہاں ہے جہاں سرت اپنے آپ ہے۔یہ سرت اصل میں ست۔چت۔آنند ہے۔جو کچھ سکھ ہے وہ اسی میں ہے اور جب وہ انتر مکھی ورتی کے ساتھ ایکاگر یعنی یکسو ہوتی ہے تب اس کو زیادہ سکھ ملتا ہے جو پائیدار اور خود اختیاری ہے۔

لوگ سوال کریں گے کہ سرت دنیاوی عیش وتفریح کے سامان پر کس طرح اپنا عکس ڈال کر سکھ حاصل کرتی ہے تشریح طلب مسئلہ ہے اس کی وضاحت ایک مثال سے ہو سکے گی۔

فرض کرو۔کسی شخص کا لڑکا پردیس گیا ہوا ہے۔باپ کے دل میں لڑکے سے ملنے کی خواہش ہے اور وہ بار بار سوچتا ہے کہ لڑکا مل جائے تو میں سکھی ہو جاؤں۔عرصہ کے بعد لڑکا آتا ہے۔باپ اس سے مل کر سکھی ہوتا ہے۔کیونکہ اسی کے سرت کی دھار نے بار بار سوچتے رہنے سے لڑکے کو مرکز بنایا تھا وہ اس میں یکسو ہو گئی۔اور تھوڑی دیر کا سکھ مل گیا۔پھر تجربہ کے بعد جب سرت وہاں سے ہٹی۔وہ سکھ بھی جاتا رہا۔کیونکہ اب سرت کی دھار لڑکے میں متحد اور ایکاگر نہیں ہے۔اگر لڑکے میں سکھ ہوتا تو ہمیشہ کا ہوتا کسی حالت میں برعکس کیفیت نہیں ہونی چاہئے تھی مگر اب حالت اور ہے۔اس لئے ثابت ہے۔کہ جو کچھ لڑکے میں بھی سکھ تھا وہ سکھ اپنے خاص سرت کا تھا۔اور سرت نے اس توجہ کا مرکز بنا کر اس میں سکھ پرانیت کرنا چاہا تھا۔

اسی طرح سنسار کے اور تمام سکھوں کا حال ہے۔چاہے وہ سکھ استری کا یا بال بچوں کا۔خواہ دھن۔دولت۔یا راج حکومت کا سرت ان سب پر اپنا عکس ڈال کر ان کو کچھ عرصہ کے لئے سکھ کا سامان بنا لیتی

ہے۔ مگر چونکہ یہ سرت سے مختلف ہیں۔ ہمیشہ اس کی اور ان کی ہم آہنگی نہیں
ہو سکتی نہ یہ اس میں جذب ہوتے ہیں اس لئے توجہ کو خواہ مخواہ کبھی نہ
کبھی ہٹنا پڑتا ہے اس لئے دکھ ہوتا ہے۔ اور دکھ ہونا بھی چاہیئے۔

ساتواں باب

سکھ کس میں ہے؟

ہر شخص کو خواہ کوئی حیثیت کیوں نہ رکھتا ہو سکھ کی تلاش ہے۔ ممکن ہے وہ ظاہرا طور پر اپنے دلی محسوسات سے ناواقف ہو۔ ممکن ہے۔ اس کو کچھ کچھ اصلیت کا پتہ بھی مل گیا ہو۔ لیکن اگر ان دونوں کے دلوں کو کھول کر دیکھا جائے تو جو خیال حرکت بن کر اندر ہی اندر کرم یدکر رہا ہے۔ وہ صرف سکھ کا خیال ہے۔ سب سکھ کے خواہشمند ہیں۔ جہاں تک زندگی کا تعلق ہے خواہ اس کا اظہار نباتات کی صورت میں ہو یا حیوانات میں۔ چرند ہو یا پرند اور انسان ہو یا فرشتہ سب اسی گورکھ دھندے کے فکر میں رات دن غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔

اندر دیوتا نے آسماں کے دروازے کھول دیئے۔ باران رحمت نے دنیا کو شاداب و سیراب بنا دیا۔ دیکھو۔ جنگل و باغ کے درخت کیسے ہرے بھرے نظر آ رہے ہیں۔ کیونکہ ان کو نادانستہ جس چیز کی خواہش تھی نصیب ہو گئی۔ یہ ثبوت ہے کہ ان میں تمیز و احساس کی کسی قدر قابلیت موجود ہے۔ لاجونتی کا درخت انسان کے سایہ سے گھبرا جاتا ہے۔ اس سے کیا ثابت ہوا؟ اس کو قدرت نے اتنی تمیز عطا کر رکھی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان کے جسم سے جو بخارات اور جو اثرات خارج ہوتے رہتے ہیں وہ ناخوشگوار ہیں۔ چرند و پرند سب میں اپنے اپنے قدرتی درجہ کے بموجب سکھ اور دکھ کے احساس کی قابلیت کا پتہ ملتا ہے اور اگر ہم غور کیسا تھ توجہ کریں تو خلقت کے ذرہ ذرہ میں یہ حالت موجود نظر آوے گی۔ یہ دنیا کا طلسم بھی محض اس سکھ کی تلاش اور جستجو کا اُدھیڑ بن ہے۔

عدم سے جانب ہستی تلاشِ یار میں آئے
ہوائے گل میں ہم اس دادے پُر خار میں آئے

سکھ ہی ہمارا محبوب و مقصود ہے۔ سکھ ہی ہماری اصلی غرض اور اصلی تمنا ہے اور ہم سب کو رات دن اسی کی فکر لگی رہتی ہے۔

سکھ کس طرح نصیب ہو؟ پڑھو۔ لکھو۔ نوکری کرو۔ شادی بواہ کے تعلقات کو بارگردن بناؤ۔ راتدن بیل کی طرح محنت شاقہ کرتے رہو۔ کیوں؟ سکھ کے واسطے کمسن بچے کو سکھ کی چاہ ہے۔ نوجوان جو ہنستا کھیلتا ہوا دنیا کے تماشہ گاہ میں ابھی داخل ہوا ہے سکھ کا سودائی ہے۔ پیر دیر بینہ سال جس کے نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ وہ بھی سکھ کے لئے صبح و شام مالا پھیرا کرتا ہے۔ مگر کیا ان کو سکھ حاصل ہوتا ہے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ہاں! اور نہیں! برہما نے اس سرشٹی کو دکھ اور سکھ سے ملا کر بنائی ہے۔ یہاں سکھ اور دکھ دونوں توام ہے۔ یہ وہ حقیقی بھائی ہیں جو ایک دم کے لئے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے۔ یاد رکھو جہاں سکھ وہاں دکھ بھی ضرور رہتا ہے۔

شادی کوئی خالی نہیں غم سے نظر آئی
دیکھا ہے کہ جب خوب ہنسے آنکھ بھر آئی

اسی طرح جہاں دکھ ہے۔ وہاں اس کے پس پشت سکھ بھی ہے۔

در پس ہر گریہ آخر خندہ است
مرد آخر بیں مبارک بندہ است

اور اس لئے زندگی کے دوڑ دھوپ میں سکھ کے چاہنے والوں کو سکھ ضرور ملتا ہے اس سے کوئی انکار کر سکتا ہے۔ دن بھر دفتر کی سختیوں کا جھیلنے والا بابو اپنی خوبصورت اور فرشتہ سیرت بیوی کی گلابی مسکراہٹ میں غم غلط کرنیکا سامان پاتا ہے۔ آفت زدہ گرم و سرد آزمودہ بدیسی بیوپاری جب گھر کی طرف واپس آتا ہے۔ اس کے دامن سے لٹکنے والے

بچے اپنی توتلی باتوں اور بھولے بھالے اشاروں میں اسی کی مصیبتوں کا معاوضہ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں ہر محنت کی مزدوری دی جاتی ہے۔ یہ نیچر اس قدر دور اندیش اور تمیزدار منتظم ہے کہ ملحوظ نعم البدل اور معاوضہ کے اصول کو مد نظر رکھ کر ہر شخص اس کی خدمت اس کے حوصلہ اور تمنا کے موافق انعام عطا کرنے کے لئے مستعد رہتی ہے۔

رام جھروکے بیٹھ کر سب کا مجرا لیں
جا کی جیسی چاکری تا کو تیسا دیں

ہر شخص کو کسی نہ کسی قدر سکھ نصیب ہے۔ مگر وہ دکھ سے خالی نہیں ہے سوال کیا جائیگا ایسا کیوں ہے۔ جواب یہ ہے کہ زندگی کے اس طبقہ میں جہاں اگیان اور خود فراموشی نے پاؤں پھیلا رکھا ہے۔ ایسا ہونا ضروری ہے جس کی جیسی ہمت اس کو ویسی اس کی فکر۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے دنیا کے سکھوں کی نسبت کہا گیا ہے۔ آؤ تھوڑی دیر کے لئے ان کے متعلق ذرا غور کرو۔

یہ سچ ہے کہ دنیا میں راحت و سرور نصیب ضرور ہوتے ہیں۔ مگر وہ عارضی ہیں۔ کیونکہ دنیا خود عارضی اور ناپائدار ہے۔ ان کے حاصل کرنے میں دکھ ہے مگر سب سے تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کے مزہ سے بہرہ ور ہونے میں بھی دکھ ہے۔ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ وہ دنیا کے کسی سکھ کو اپنی خواہش کے موافق بھوگ سکتا ہے۔

دنیا کے سکھ کے سامان کی عجیب و غریب حالت ہے۔ اس کی جس چیز کو دیکھو۔ ان سے صاحب تمیز انسان کے لئے نئے نئے سبق ہر وقت ملتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص ہے جس نے اپنی زندگی کا مقصد روپیہ کمانا سمجھ رکھا ہے۔ روپیہ ہی میں اس کو سکھ ہے اور روپیہ ہی اس کی نگاہ میں سب کچھ ہے۔ وہ روپیہ کے خیال سے بنج بیوپار کرتا ہے۔ روپیہ اس کو ضرور ملیگا۔ کیونکہ نیچر ہر شخص

کے جذبات کی تعلیم کرتی ہے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے چونکہ کوشش اگیان کے ساتھ ہے۔ اس لئے جس طرح اس کو روپیہ ملتا جائے گا۔ اسی طرح اس میں اور ہوس بڑھتی جائیگی۔ اور وہ ننانوے کے پھیر میں پڑ کر جو تھوڑا سا سکھ روپیہ کمانے کا ملا تھا۔ اس کو بھی ہوس اور لالچ کے سلسلہ میں کھو دے گا۔ جہاں لالچ اور ہوس رہتی ہے وہاں سے سکھ کو مجبوراً خیرباد کہنا پڑتا ہے۔ کسی نے لالچی یا حریص آدمی کو سکھی نہ دیکھا ہو گا۔

طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی
ازاں نیست مرطامعاں را بہی

اس کے پاس روپیہ تو آ گیا مگر ہوس نے پاؤں پھیلا یا۔ اور روپیہ کا خیال غالب ہو گیا۔ اگیان اور جہالت نے دوسری شکل اختیار کی۔

جب روپیہ آ گیا۔ تو اب وہ اس سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔ غلطی سے روپیہ کے سکھ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اب یہ فکر پیدا ہوئی۔ کہ کوئی شخص اس سے اس کی دولت نہ چھین لے جائے۔ مضبوط مکان بنایا گیا۔ آہنی بکس مول لیا گیا۔ خزانہ کی پاسبانی کے لئے نوکر چاکر رکھے گئے۔ حاکم وقت کی جا بیجا خوشامد کرنا فرض بن گیا۔ کیونکہ یہ سب باتیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ افسوس۔ کیا کہا جائے کیا نہ کہا جائے ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

یہ دنیا کے سکھوں کا حال ہے۔ کیا یہ غلط ہے؟ نہیں۔ بلکہ لفظ بہ لفظ صحیح ہے۔ جہاں اگیان کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ وہاں سکھ کی غلط سمجھ ہوا کرتی ہے ناحق پرست انسان! تو کس طرح کی غلطی میں پڑا ہے۔ تو جانتا ہے۔ دنیا ہمیشہ تیرے ساتھ رہے گی۔ آخر کیوں اصلیت کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ کاش اگر تجھ میں ذرا بھی اصلیت کی سمجھ آ جاتی تو تو دیکھ لیتا کہ کس غلطی اور بھرم کے جنجال میں تو پھنسا ہوا ہے۔ اس وقت ممکن تھا کہ تو دنیا کی ہر چیز

کا مناسب استعمال کرتا ہوا ان کے لذات سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے اور ساتھ ہی پانی کے کنول کی طرح زندگی بسر کرتا ہوا انسان حیات کی اصلی مراد سے بھی محروم نہ رہتا۔ دنیا کے تمام سکھ کے سامان فانی ہیں پھر کیا یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے دل کے پردوں میں گھس کر تھوڑی دیر کے لئے غور کرے کہ اصلی سکھ کہاں کس میں اور کس جگہ ہے اور جس طرح تو رات دن فانی سکھوں کی خواہش میں عمر عزیز کو رائیگاں کھو رہا ہے۔ وقت کے کچھ حصہ کو اس کے لئے صرف کرے!

اصلی سکھ تو آپ ہے۔ تمام دنیا تیرے عکس سے منعکس ہو رہی ہے۔ جو کچھ کرشمہ باہر نظر آ رہا ہے یہ سب آتما کا ہے۔ آتما ہی نے اس کو بنایا ہے۔ آتما ہی نے اس کو ہستی کا جامہ پہنایا ہے۔ مگر تو بھول گیا۔ آتما کی اصلیت کا خیال جاتا رہا اور نادانی کے جال میں پھنسا ہوا عجیب غلطی سے سایہ میں روشنی۔ ظلمات میں آپ حیوان اور موت میں زندگی کی تلاش کر رہا ہے۔ اس نادانی کا بھی کہیں ٹھکانا ہے۔ جو پرکرتی جو بیجان ہے جس میں سکھ نام کو بھی نہیں۔ انسان نے آپ نے آپ کو اس کا محتاج اور اس کا غلام بنا لیا ہے۔ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ مادہ بے حرکت ہے بیجان ہے پھر اس میں زندگی اور سکھ کہاں سے آیا؟ یہ زندگی اور سکھ ہم نے آپ اس کو دے رکھا ہے۔

تم شاید یہ کہو گے کہ یہ غلط ہے۔ اگر ہم میں سکھ ہوتا تو ہم دوسرے میں کس طرح تلاش کرتے۔ اگیان کے بس میں آ کر آدمی کیا نہیں کر گزرتا۔

ہر انسان دل کے چوبیس گھنٹوں کے اندر تین حالتوں سے گزرتا ہے۔ یہ جاگرت۔ سوپن۔ اور سوشپتی ہیں۔ جب آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور دنیا کا بیوہار کیا جاتا ہے۔ اس کو جاگرت یا حالت بیداری کہتے ہیں۔ آنکھ بند ہو جانے پر جب وہ سو جاتا ہے اور طرح طرح کے خواب دیکھتا ہے۔ اس کو سوپن یا نیند کی حالت کہتے ہیں۔ جب گہری نیند میں سرشار ہو جاتا ہے اور کسی طرح کا خواب نہیں

دکھائی دینا اس کو سوشپتی بولتے ہیں۔

ان تینوں حالتوں میں جو ہر شخص میں عام ہیں غور کرنے سے اچھی طرح پتہ لگتا ہے کہ سکھ کس میں اور کہاں ہے۔ حالت بیداری میں ہم دنیاوی سکھ اندریوں کے ذریعہ بھوگتے ہیں۔ روح کی دھار اندریوں کو متحرک رکھتی ہے۔ اور وہ اس کے اوزار بن کر کام کرتی ہے۔ ان کی حیثیت بالکل ویسی ہی ہے۔ جیسی کاریگر کے اوزاروں کی ہوتی ہے۔ یہ دھار کہیں سے آکر ہمارے جسم کے کل رگ و ریشہ کو زندہ رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم کام کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو اعتبار نہ ہو تو ہاتھ یا اپنی انگلی کے کسی حصہ کو سوت سے باندھ کر دیکھ لے۔ جہاں دھار کے آنے میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ بندھا ہوا حصہ شونیہ پڑ جائیگا۔ اور طاقت سے محروم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم کہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ہمارے ہاتھ پاؤں میں روح کی طاقت کا بند ہو جاتا ہے تو وہ اعضا سو جاتے ہیں۔ یہ حال اندریوں کا ہے۔ اگر ان سب سے روح کی دھار کھنچ جائے تو سب غیر حس اور غیر متحرک بن جائیں اور ان سے کوئی کام نہ ہو سکے۔ زبان۔ ناک۔ کان وغیرہ سب کا یہی حال ہے۔ سب اس دھار کے محتاج ہیں۔ آدمی جب سوتا ہے اس کے روح کی دھار اوپر کی طرف کھنچ جاتی ہے۔ پھر ان میں سے کوئی اپنا اپنا کام نہیں کر سکتا۔ آنکھ ناک۔ کان۔ منہ سب کھلے ہوں مگر طاقت و احساس سے محروم ہو جاتے ہیں سوئے ہوئے آدمی کے منہ میں مٹھائی ڈالدو۔ اس کو لذت محسوس نہ ہوگی کیونکہ جس دھار نے اس کو لذت لینے کی قابلیت بخشی تھی وہ اندر کی طرف کھنچ گئی ہے۔ اسی طرح کبھی غشی یا بیماری کی حالت میں یہ دھار کھنچ جاتی ہے۔ تب بھی یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ اس جسم میں سکھ بھوگنے والی چیز یہ اندریاں نہیں ہیں بلکہ کوئی اور طاقت ہے جو تمہارے اور ہمارے اندر ہے اور وہی تمہارا اپنا آتما ہے۔ یہ موثر سبق ہم کو حالت بیداری پر غور کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اس حالت خواب پر وچار کرنے سے اور ابھی زیادہ تم کو اصلیت سے قریب کرنے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ جب تم سونے لگتے ہو۔ روح کی دھار خود بخود جسم کے اندر چلی جاتی ہے۔ باہری حواس بیکار پڑے رہتے ہیں۔ نہ ہاتھ پاؤں ہلتے ہیں۔ نہ ناک۔ کان۔ آنکھ اپنا فرض انجام دیتے ہیں۔ تمام جسم نکما اور ناکارہ پڑا رہتا ہے۔ مگر اس جسم کے اندر کیا ہوتا ہے؟ جو باتیں کہ باہری دنیا میں ہوتی ہیں وہی وہاں بھی موجود ہیں۔ حالت خواب بمقابلہ حالت بیداری کے زیادہ لطیف ہے۔ اس لئے وہاں لطیف اندریاں ہیں۔ دل کو نسبتاً زیادہ آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس محض خیال کرنے سے ہی ہر قسم کے سامان معاً اسی وقت موجود ہو جاتے ہیں۔ جہاں یہ فکر ہوئی کہ سواری کے لئے ہاتھی آ جائے اور ہاتھی اسی وقت تیار ہو جاتا ہے۔ خواہش ہوئی کہ ہم پہنچنے کے لئے اوپر کی طرف اڑنے لگیں۔ اسی وقت ہوا کی سطح پر ہم ہیں اس طرح پرواز ہو جاتی ہے۔ جیسے مچھلیاں پانی کی تہوں میں اوپر نیچے تیرتی رہتی ہیں۔ کھانے کا خیال آیا نہیں کہ تمام سامان آپ ہی آپ موجود ہو جاتا ہے۔

پل مارنے کی ہوئی جو دیری
سبحان اللہ شان تیری

کیا یہ غلط ہے؟ یہ حالت ہم سمجھتے ہیں۔ ہر شخص پر گزرتی ہے۔ اور مشکل ہے کوئی سمجھدار انسان ایسا ہو جو خواب کے ممکنات کا قائل نہ ہو گا۔ اس سے ہم نے کیا نتیجہ اخذ کیا؟ صریحی اور بدیہی نتیجہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ سکھوں کے سامان کی پیدا کرنے والی خود روح ہے اس میں طاقت ہے کہ جب خواہش ہو سکھوں کو پیدا کر سکے۔

آؤ اب تھیٹر کا تیسرا پردہ اٹھتا ہے۔ اور اس کے تماشے کو دیکھو۔ تیسری حالت سوشپتی ہے جس کو ہم نے گہری نیند کا خطاب دیا ہے۔ جب ہم تم اس حالت میں جاتے ہیں اندریوں کے تعلقات بالکل مفقود ہو جاتے

ہیں۔ نہ وہاں کثیف حواس رہتے ہیں نہ لطیف۔ صرف آتما ہی آتما رہتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی دوسری چیز ہوتی تو اس کا گیان ہوتا "ایے میترئیی! جہاں دو ہوتے ہیں۔ وہاں ایک دوسری کی سنتا ایک دوسرے کو چھوتا۔ ایک دوسرے کو جانتا ایک دوسرے کو دیکھتا ہے۔ جہاں ایک ہی شے ہو۔ وہاں کس طرح کوئی کسی دوسرے کی سنے دوسرے کو چھوئے۔ دوسرے کو جانے اور دیکھے" سوشپتی میں تمہارا اپنا آتما ہی رہ جاتا ہے۔ اور وہ اپنے میں آپ سکھ محسوس کرتا ہے۔ کون نادان انسان ہے جس کو سوشپتی کے سکھ کا علم نہیں ہے۔ عورت۔ لڑکے بالے۔ خزانہ۔ محفل۔ ناچ۔ رنگ۔ کھانا پینا سب موجود ہے مگر انسان کہتا ہے بھائی! جی نہیں لگتا کہو تو ذرا نیند لے لیں۔ کیونکہ اس میں نسبتاً سب سے زیادہ سکھ ہے۔ اگر زیادہ سکھ نہ ہوتا۔ تو کبھی سب کو چھوڑ کر اس حالت میں جانے کی خواہش نہیں ہوتی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہتے ہو۔ مگر ممکن ہے لوگ کہیں "کیا سونے والا اس سکھ کے متعلق خود گواہی دیتا ہے؟" ہم کہتے ہیں "ہاں" آدمی جب سو کر اٹھتا ہے کہتا ہے "آہا۔ آہا کیسی اچھی نیند آئی" یہ ثبوت ہے کہ اس کو سکھ نصیب ہوا تھا۔ مگر وہاں کیا چیز تھی جس سے اس کو خوشی نصیب ہوئی۔ نہ دنیا تھی نہ دنیا کے ساز و سامان۔ عیش و آرام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ مگر سکھ حاصل ہوا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جس سے سکھ ملا وہ کوئی چیز تم سے مختلف نہیں تھی۔ تمہارا آتما ہی سکھ سروپ اور سب سکھ اسی میں ہے اور اسی سے ہے۔ اگر اس کے برخلاف سمجھتے ہو تو یہ بتا دو۔ سوشپتی میں تم کو سوا اپنے وجود کے اور کس چیز کا گیان تھا اور گیان کس کا ہوتا۔ وہاں تو صرف ایک آتما ہی آتما تھا۔ اور آتما ہی کے سکھ بھوگنے کا دل کو یقین ہوا +

یہ تین حالتیں ہیں جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی اور تینوں سے تین نتیجے اخذ کئے گئے۔ ہم پھر اختصار کے ساتھ ان کا اعادہ کرتے ہیں۔ (۱) جاگرت

اوستھا میں آتما ہی سکھ لینے والا اندریوں سے جدا رہنے والا ہے (۲) سوپن اوستھا میں آتما ہی محض اپنے خیال سے سکھوں کے سامان کا پیدا کرنے والا سب سے نیارا ہے (۳) اور آخری حالت سوشپتی میں آتما ہی سکھ سروپ ہے اور سکھ ہے ✤

سوال تھا سکھ کس میں ہے۔ جواب دیا گیا کہ سکھ خود تم میں اور تمہارے آتما میں ہے اور تم خود سکھ سروپ ہو ✤

اگر تم نے ان تینوں حالتوں پر جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اچھی طرح سے غور کر لیا تو تم کو بآسانی معلوم ہو جانا چاہیئے کہ انسان کا تعلق اس جسم میں روح کی دھار کے وسیلہ سے صرف حالت بیداری میں ہے۔ کیونکہ اگر بیماری زخم یا فکر کی وجہ سے کسی کو رنج ہے تو جہاں وہ نیند کی حالت میں گیا وہاں رنج کا فور۔ درد دور اور فکر معدوم ہو جاتی ہے۔ اور جہاں کچھ نیند اُچٹ گئی وہی آدکی صدائیں پھر سنائی دیتی ہیں۔ اس سے ایک نتیجہ اور بھی اخذ کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جاگنے کی حالت میں ہمارے روح کا قیام جسم میں اور جگہ تھا۔ اور یہ نکتہ بہت اہم اور ضروری بات ہے جو سب سے پہلے اہل طریقت کو ذہن نشین کرنی چاہیئے ✤

ہم نے اوپر صرف تین حالتوں کا بیان کیا ہے۔ مگر ان کے سوا فقرا و کاملین نے اور حالتیں بھی بیان کی ہیں۔ جن میں سے ایک ترئیہ اوستھا یا کہلاتی ہے جو صوفیوں کا عالم لاہوت ہے۔ ان حالتوں میں گذرنے سے روح پاکیزہ اور آلائشات دنیا سے پاک وصاف ہو جاتی ہے۔ اسی ترئیہ اوستھا سے گیانیوں کا تجربہ شروع ہو جاتا ہے۔

اگر کسی میں جیتے جی ایسی طاقت آ جائے کہ وہ باختیار خود جب چاہے روحانی حالت میں اپنے جسم کے اندر چلا جائے تو اس کو جو سکھ نصیب ہوگا اس کا اندازہ دنیا کے کسی سکھ سے نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جس

سوشپتی کا او پر ذکر کیا گیا وہ روح کی بہت پاک حالت نہیں ہے۔
انسان رات دن سکھ کے لیئے محنتیں کرتے رہتے ہیں۔ پورا سکھ تو دنیا کا کسی کو ملتا ہی نہیں۔ کیونکہ جس طبقہ میں ہم کو اس وقت جگہ دی گئی ہے وہ طبقہ مکمل سکھوں کا نہیں ہے۔ مکمل سکھ صرف روح میں ہے۔ اور جس جس طرح اس روح کو اپنے مخزن کی طرف لوٹنے کا موقع ملے گا ویسے ہی اس کو زیادہ لطیف دیرپا اور خود اختیاری سکھ ملتا جاویگا۔
کون کہتا ہے تم خواہ مخواہ دنیا کو ترک کرو۔ یہ کبھی غرض نہیں ہے کہ لنگوٹی لگا کر جنگلوں کی خاک چھانتے نظر آؤ۔ یہ سخت غلطی اور گمراہ کرنے والی تعلیم ہوگی۔ مگر اس کے ساتھ کیا یہ نادانی نہ ہوگی کہ تم ساری عمر اسی کھیل کود میں صرف کر دیتے ہو۔ اور اپنی اصلیت کی تلاش جستجو کے لیئے ذرا بھی وقت نہیں نکال سکتے؟ جہاں دن کے سولہ گھنٹے دنیا کے کام کے لیئے مخصوص ہیں۔ ایک دو گھنٹے اس کام کے لیئے بھی صرف کرو۔ تاکہ دنیا میں اس طرح رہ سکو جیسے پانی کے درمیان کنول رہتا ہے۔ مگر پانی اس کے پھولوں کو نم نہیں کر سکتا۔ اس قسم کی زندگی سے تم دنیا کو بھی اچھی طرح بھوگ سکوگے۔ اور ساتھ ہی روح کے اصلی سکھوں سے ناواقف نہ رہوگے۔ اور جب یہاں سے کوچ کرنے کا وقت آوے گا ہنستے کھیلتے ہوئے یہاں سے چل دوگے ایک شخص ہے جس نے تمام زندگی دنیا کے کام میں صرف کر دی۔ موت سر پر سوار ہو گئی۔ نہ دنیا ہی کا سکھ ملا نہ اپنی ذات کا علم نصیب ہوا۔ ایک دوسرا شخص ہے جو اس طرح دنیا کا کام کرتا تھا جیسے معمولی دنیادار کرتے ہیں مگر "دل با یار و دست بکار" کے مسئلہ کا پابند تھا۔ دنیا دنیا کی اصلیت جانتا تھا۔ اور ساتھ ہی اپنی ذات کا بھی علم رکھتا تھا اور بج بھنڈار میں پہنچ کر سمجھو اشتمند تھا۔ کہو ان میں سے کون اچھا ہے۔
انسان کی ذات۔ انسان کی روح۔ انسان کا آتما۔ تمام طاقتوں کا

مخزن اور خزانہ ہے۔ مگر غلطی سے کوئی اس طرف رجوع نہیں ہوتا۔ اندریوں
کے بھوگ بلاس میں ناحق عمریں تلف ہو جاتی ہیں۔ پرکرتی کے غلافوں
میں مقید رہکر آزادی کی ہوس کرنا بیہودہ حرکت ہے۔ آزادی پرکرتی
میں نہیں ہے۔ آتما میں ہے۔ پرکرتی موت اور آتما زندگی ہے۔ نور اور
پرکاش کو چھوڑکر لوگ سایہ کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ سایہ بھوت بنکر انکو مار دیتا ہے وہ دھوکا
ہیں۔ مگر سننے کو۔ وہ خواہش نہیں۔ اس لئے اے اچھے سکھوں کے متلاشیو! اگر سچ مچ
سکھ کی خواہش ہے تو اپنے اندر دھنسنے کی فکر کرو۔ اپنے آتما میں سکھ
تلاش کرو روح کے مقامات کا علم حاصل کرو۔ سالک بنو اور تم سکھی بنجاؤگے۔

آٹھواں باب
سکھ کی قسمیں

یہ تم کو اب معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہر شخص کو سکھ کی خواہش ہے اور وہ
دانستہ یا نادانستہ سکھ کی تمنا میں غلطاں پیچاں رہتا ہے۔ سکھ کی اصلیت
کا بھی پتا لگ گیا ہوگا کہ سکھ کس میں اور کہاں ہے۔ مگر ہم تھوڑی دیر کے
لئے دنیاوی خلقت خواہ قدرت کے مختلف طبقات کے بموجب سکھ کی قسموں
کے نقشہ کو تمہاری نگاہ کے سامنے لانا ضروری سمجھتے ہیں۔

ان سکھوں کو ہم تین درجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ جسمی۔ دلی۔ اور عقلی
نیچے درجے کی رچنا میں جتنے جاندار ہیں ان کا سکھ جسم میں رہتا ہے۔ جو اسی
مادہ یا پرکرتی کی کثیف حالت ہے معدنیات۔ نباتات اور حیوانات سب
اسی میں سکھ محسوس کرتے ہیں۔ معدنی چیزیں تمہاری سمجھ میں بیجان ہیں مگر
یہ سخت غلطی ہے۔ بیجان کا لفظ بالکل مہمل اور بے معنی ہے۔ ایک ایک

ذرہ بھی اپنی شخصیت اور فردیت رکھتا ہے۔ سب میں جان ہے۔ جان کے بغیر نہ تو کوئی خاص طرح کی شکل و صورت اختیار کر سکتا ہے نہ زندہ رہ سکتا ہے۔ کہا گیا ہے دنیا پرکرتی اور پرش کے ملاپ سے ہوتی ہے پس تم کس ذرہ سے پرش کو علیحدہ کروگے؟ بغیر آتما کے میل کے رچنا کبھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے یہ ضروری اور صحیح بات ہے کہ ہر جگہ آتما ہو تم دھات کی چیزوں کو بغور دیکھو وہ گرمی و سردی کے زمانہ میں بڑھتی اور سکڑتی ہیں۔ گھٹنا بڑھنا زندگی کی دلیل ہے۔ اس کے سوا بار ہا انجینئروں نے اس بات کو آزما دیکھا ہے کہ کام کرتے کرتے کل کے پرزے تھک جاتے ہیں۔ پھر وہ کوشش کرنے پر بھی نہیں چلتے۔ جب ان کو کافی آرام مل جاتا ہے پھر چلنے لگتے ہیں۔ جتنی معدنی چیزیں ہیں سب ذرات سے بنی ہوئی ہیں اور ان میں رغبت نفرت کی جو حالت نظر آتی ہے وہ آتما کی وجہ سے ہے اسی نفرت و رغبت یعنی راگ و دویش کو کشش کی طاقت کہتے ہیں۔ اگر ان میں آتما نہ ہو تو یہ اکٹھا نہیں ہو سکتے یہ معدنی چیزیں انسان کی طرح بجلی کیمیائی کے ماتحت ہیں۔ جس طرح تم کو نشہ کے پینے سے خمار کی آتی ہے ان پر بھی کیسی قدر اثر ہوتا ہے۔ جس طرح گھٹا لی کھانے سے تمہاری حالت ہوتی ہے ویسی ہی ان کی بھی سمجھو۔ فرق صرف جنفات کا ہے۔ زمانہ آئیگا اور شاید آرہا ہے۔ جب لوگ اس بات کو سمجھ جائیں گے کہ معدنی چیزیں۔ خواہ جماداتی چیزیں آتما سے خالی نہیں ہیں۔ ان رغبت و نفرت کی موجودگی صرف بھی دلیل ہے کہ وہ جاندار ہیں اور سکھ کی خواہش رکھتے ہیں۔

نباتات بھی صرف نسبتی نگاہ سے جڑ یعنی بیجان سمجھے جاتے ہیں ورنہ ان میں بھی سکھ کی چاہ موجود ہے۔ ان میں بمقابلہ جمادات کے حس کرنے کی طاقت زیادہ ہے یہ اپنی حالت و طبع کے موافق زیادہ تمیز

رکھتے ہیں لاجونتی کا درخت انسان کے جسم سے نکلنے والے انجرات سے نفرت کرتا ہے۔ یہ تم کسی باغ میں بھی جا کر دیکھ سکتے ہو۔ جب سورج نکلتا ہے کنول کا پھول کھل جاتا ہے۔ خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ جب وہ غروب ہو جاتا ہے وہ بھی سکڑ جاتا ہے۔ یہی کیفیت کمدنی پھول کی چاند کے ساتھ ہے۔ بعض درخت گوشت خور ہیں۔ اگر کوئی آدمی یا جانور ان کے قریب چلا جائے تو درخت کی تمام شاخوں میں سنسنی پیدا ہو گی۔ ڈالیاں آگے کو بڑھیں گی۔ اور آدمی یا جانور کو اپنی گود سے چمٹا کر ان کے خون کو چوس لیں گی۔ پھر ہڈیوں کو پھینک دیں گی۔ برندا اس درخت سے بہت ڈرتے ہیں۔ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہ صریحی دلیل ہے کہ ان میں اپنے طبقہ کے موافق سکھ کی خواہش موجود ہے۔ ان میں سے سارے درخت وقت پر جوش میں آتے۔ پھر پھل پھول دیتے ہیں۔ بعضوں کی مختلف ٹہنیاں خاص خاص موسم میں نر و مادہ کی طرح اکٹھا ہوتی ہوئی دیکھی گئی ہیں۔ بعض درختوں کو اگر گاڑی لیجاؤ تو وہ کھڑکھڑا ہٹ اور حرکت سے ناراضگی کا اظہار کریں گے۔ بعض درخت خاص خاص حالت میں خوش اور خاص خاص حالت میں ناخوش پائے گئے ہیں۔ ان میں سے بہتوں میں تولید و تناسل کا قاعدہ بالکل انسان سے مشابہ ہے۔ ایبر لیکا میں ایک درخت ہے۔ اس کی جڑ میں قدرتی طور پر دو چار رسیاں نی رہتی ہیں۔ ان رسیوں کے سروں پر چھوٹے چھوٹے کچھے لگے رہتے ہیں۔ چونکہ یہ پانی کے کنارہ ہوتے ہیں۔ جب بھوک لگتی ہے۔ جڑ میں سنسناہٹ پیدا ہوتی ہے۔ رسیاں حرکت میں آتی ہیں۔ اور وہ پانی ڈول ڈال کر بھر لیتی ہیں۔ پھر اسی سے جڑ کو سینچتی ہیں۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک آسودگی نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں کیا تم ان کو بیجان اور جڑ کہو گے؟ بیجان اور جڑ دراصل نسبتی اصطلاحات

ہیں۔ ورنہ اصل میں ان کے کچھ بھی معنی نہیں ہیں۔ ہندو عورتیں کمسن بچوں کو شام کے وقت درختوں کے پتے چھونے سے منع کرتی ہیں وہ اکثر کہتی ہیں "بیٹو! رات کے وقت درخت بھی سوتے ہیں۔ ان کو چھیڑنا اچھا نہیں ہے" ان لفظوں میں سچائی ہے جس پر غور کرنا چاہیئے۔

حیوانات میں ظاہرا احساس و تمیز کی طاقت نباتات سے زیادہ ہے کیونکہ ان کا طبقہ ان سے اونچا ہو جاتا ہے۔ یہ اس قسم کے کام کرتے ہیں کہ بسا اوقات آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ مگر پھر بھی اپنے غرور و تکبر کی بیجا وجہ سے ان کو تمیزدار نہیں سمجھتا۔ ان کے کاروبار کو محدود عقل حیوانی کے تنگ دائرہ کے حوالہ کر دیتا ہے۔ حالانکہ ان کی ذہانت میں بہت کچھ ترقی کی گنجائش ہے۔ شری رام چندرجی نے بندر اور ریچھ سے کام لئے تھے۔ ممکن ہے یہ صرف شاعرانہ استعارہ ہو۔ ممکن ہے۔ آدمیوں کے خاندانوں کے نام ریچھ اور بندر رہے ہوں۔ لیکن اس میں سچائی ہے۔ بندر اور ریچھ تعلیم پانے پر حیرت انگیز کام کر سکتے ہیں۔

متذکرہ الصدر طبقات کے مخلوق کا سکھ ان کے جسم سے متعلق ہے سب جسمانی اور نفسانی سکھوں کے متلاشی رہتے ہیں۔ جب کوئی کتا کھاتا ہو تم بغور دیکھو۔ وہ کس قدر آنند اور سکھ محسوس کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کھانے وقت کتے کو کبھی نہ چھیڑو۔ اس وقت اس کے سارے جذبات کھانے پر رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کبھی کبھی اپنے مالک تک کو بھول جاتا ہے اور چھیڑنے والے کو کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ بلی۔ شیر۔ بھیڑیا۔ اور قریب قریب تمام گوشت خور جانوروں کا یہی حال ہے۔ کھانے کے سکھ کا مزہ جیسا ان کو آتا ہے۔ کبھی انسان کے لئے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے طبقات میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ بعض جاندار لذت نفس کے زیادہ شایق ہوتے ہیں مثال کے طور پر کبوتر مرغ اور چڑ کی لو دیکھو۔ انسان میں یہ حالت بمشکل

پیدا ہوتی ہے ۔اسی طرح اور بھی کتنے جاندار ملیں گے جو ایک ایک اندری کے غلام بنے ہیں۔ بھونرا خوشبو کا عاشق ہے۔ وہ شامہ یعنی ناک کی اندری کے بس میں ہے۔ ہاتھی پرش یعنی لامسہ کے ہاتھوں بک چکا ہے۔ مچھلی کو پیٹ کے چارہ کی دھن رہتی ہے۔ ہرن آواز سننے کا شائق ہے۔ یہ کان کے دام میں پھنس جاتا ہے۔ پروانہ کو روپ یعنی روشنی صورت دیکھنے کی خواہش رہتی ہے۔ وہ آنکھ اندری کا پرستار ہے۔ یہ شاعرانہ طرز بیان ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے سب اپنا اپنا سکھ صرف جسم میں خواہ جسم کے کسی خاص اندری میں سمجھتے ہیں۔ یہ جسمانی سکھوں کی تشریح ہے۔

اس کے بعد دلی اور عقلی سکھوں کے درجے آتے ہیں۔ دلی اور عقلی طبقات میں بہت ہی کم فرق ہے۔ مگر فرق ضرور ہے۔ یہ طبقات زیادہ تر انسان سے متعلق ہیں ؏

مگر یہ کبھی بھول کر بھی نہ سوچنا چاہئے کہ معدنیات نباتات۔ وحیوانات اِن سے محروم یا اِن سے خالی ہیں۔ یہ ہمیشہ ہر شخص کو ذہن نشین کر رکھنا چاہئیے کہ خلقت یا آفرینش کا پہلا اصول عقل یا گیان ہے ۔ اس لئے یہ بھی ذرہ ذرہ میں موجود ہے۔ اور ہر جگہ محیط ہو کر قدرتی نظام کی ترتیب و ترکیب میں کام کر رہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے ان میں اس کا اظہار کمی کے ساتھ ہے۔ انسان میں ذرا زیادتی کے ساتھ ہے۔ جسم۔ دل۔ دماغ۔ تینوں آتما کے ظہور کے طبقات ہیں۔ اور ان میں جس قدر صفائی اور پاکیزگی آتی جائے گی ویسے ہی اس کی جھلک کی کرنیں نظر آئیں گی۔ مشرقی علمانے اس دل کی تین حالتیں بیان کی ہیں۔ ادنےٰ۔ اوسط۔ اعلےٰ۔ ادنےٰ درجہ کا دل وہ ہے۔ جو سفلی طبقہ میں رہتا ہے۔ اور بلا قوت تمیز اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اس کے کام کرنے کا رقبہ بہت ہی زیادہ وسیع ہے۔ حیوانات اسی کی مدد سے کام کرتے ہیں تمہارے جسم کی ساخت پرداخت ہاضمہ۔ اندر ہی اندر غذا کی تحلیل وخون

کی تقسیم اسی من کے متعلق ہے۔ جبتک تم کھاتے ہو جانتے ہو کہ کھانا کھا رہے
ہیں جہاں وہ حلق سے نیچے اترا پھر خبر نہیں رہتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہمارا اکثر
کام تم اسی کرتے ہو۔ یہ من کا سفلی طبقہ ہے۔ اس کا نام صوفیوں میں شاید "دل
مدوری" کہا گیا ہے۔ جو دائرہ میں کام کرتا ہے۔ اوسط درجہ کا من وہ ہے جو
جانتا۔ بوجھتا۔ سوچتا اور سمجھتا ہے۔ سارے سنکلپ وکلپ کا تعلق
اسی سے ہے۔ یہ انسان میں اگر پیدا ہوتا ہے اور یہیں وہ بیٹھ کا عادی
ہے۔ جن میں سنکلپ وکلپ زیادہ اٹھتا ہے سمجھ لو۔ وہ دکھی ہوں گے
مگر یہ ترقی کا زینہ ہے۔ جب تک راجسی طبقہ سے گذر نہ ہوگا۔ ممکن
نہیں ساتوک طبقہ میں رسائی حاصل ہو۔ ہر قسم کے خواہش۔ جذبے
او تمناؤں کا دارو مدار اسی سے ہے۔ صوفی تمام اسی کو دل صنوبری کہتے
ہیں۔ اعلیٰ درجہ کا دل وہ ہے جو انسان کو روحانیت کے طبقہ میں پہنچاتا ہے
دنیا کے جتنے اخلاق اصول۔ علم و گیان کے مضامین ہیں۔ سب انسان کو
اسی طبقہ سے نصیب ہوئے ہیں۔ اسی میں الہام ہوتا ہے۔ اسی میں وحی
نازل ہوتی ہے استغراق۔ محویت اور سمادھی اسی دل کو نصیب ہوتی ہے
اس کا نام علم تصوف میں دل نیلو فری ہے۔

دل کے یہ تینوں طبقے کچھ اس طرح باہم ملے جلے ہیں کہ معمولی انسان
کے لئے ان کے درمیان خط تمیز کھینچنا بھی۔ نہایت ہی مشکل ہے۔ مگر ان
میں فرق ضرور ہے۔ سانکھ کار رشی کپل نے ان کو تین صورتوں میں
قائم کیا ہے من۔ اہنکار۔ بدھی۔ یہ نام پہلے سے بھی زیادہ واضح اور
موثر ہیں۔ کسی کسی شاستر کار نے ان کو انت کرن چتشٹے کہا۔ اور ان تینوں
میں ایک چت کا اضافہ کر دیا ہے۔ اصل مطلب ایک ہے۔ چاہے جتنی
تفریق و تقسیم کیوں نہ کی جائے۔

اگر انسان کی زندگی کے تمام مدارج ابتدا سے لے کر آخری عمر

تک بغور مطالعہ کئے جائیں تو اس میں جمادات. نباتات وحیوانات کے تمام جذبے جو دل سے متعلق ہیں نظر آویں گے۔ وہ جمادات کی صورت میں حال کے رحم میں قائم ہوتا ہے۔ اور پھر باہر نکل کر نباتات کی حیثیت میں پلتے ڈولتے ہوئے بھی حیوانات کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مغربی علما کا خیال ہے وہ کیڑے کی صورت میں رحم میں قرار پاتا ہے

اس میں ہم کو اعتراض نہیں۔ ہم اس سے بھی پہلی حالت پہ نگاہ ڈال کر اس کو جمادات کا رتبہ دیتے ہیں۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے۔ نباتات کی طرح ہاتھ پاؤں کو حرکت دیتا ہے۔ پھر بتدریج کیڑوں کی طرح رینگتا ہوا جو پاؤں کی طرح چلتا ہے۔ پھر آدمی بنتا ہے۔ آدمی دراصل الٹا درخت ہے۔ جس کی جڑ اوپر کی طرف ہوتی ہے۔ درخت کی جڑ نیچے رہتی ہے۔ اس پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں اور نباتات میں کیا فرق ہے۔

ابتدا میں انسان کا سکھ جسم میں ہوتا ہے۔ جو کچھ بچے کو ملتا ہے۔ سب منہ میں ڈالتا رہتا ہے۔ پھر حیوانی جذبات کا نمو ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ خواہش زیادہ ہوتی ہیں۔ دلی جذبات آتے ہیں۔ پھر اس میں عقلی قوائے پختہ ہو کر شہرت اور ناموری کی ہوس پیدا کراتے ہیں۔ انسانی بڑھ ہوں میں یہ ہوس بہت بڑھ جاتی ہے۔ آخر میں تجربہ اس کو بتا دیتا ہے کہ یہ صرف ہو اور دکھ کے سامان تھے۔ اور وہ آخر عمر میں پچھتاتا اور شرمندہ ہوتا ہے۔

ذِہنا لِعُ۔ راہ دور و دراز دیر

جسمی سکھ دلی سکھ سے مختلف ہے۔ پھر عقلی سکھ ان سے بھی جدا نہ ہے کتابوں کا مطالعہ۔ ایجادات میں مصروفیت کی خوشی۔ بال کی کھال نکالنے کی دھن۔ یہ سب عقلی سکھ کے جذبات ہیں اور ان میں صرف طبقہ کے لحاظ سے اختلاف رہتا ہے۔ جیسے ایک بچہ کو کھانے کی ہوس رہتی ہے

ویسے ہی بعض عقلی آدمی عقلی کاروبار میں اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ ان سب میں دل کی یکسوئی ہوتی ہے۔ موجد۔ مصور۔ مصنف۔ مدبر۔ عالم سب کسی نہ کسی حیثیت میں دل کو یکسو کرتے ہیں۔ مگر یہ یکسوئی دراصل یکسوئی نہیں۔ بلکہ بھرانتی ہے۔ اس کو یوگ کی یکسوئی یا روحانی استغراق سے کوئی تعلق نہیں ہے ہاں یہ ضروری ہے۔ یہ عام آدمیوں کے طبقہ سے اونچے ہو جانے کی وجہ سے بہتر و برتر ہیں۔ مگر پھر بھی شانتی سے بہت دور ہیں۔ یہ کبھی بھول کر بھی خیال نہ کرو کہ ان کی چتن کی درتی کا پرد وہ آسان ہوگا۔ یہ روح کے راہ میں ابھی نہیں آئے۔ ان کا معشوق صرف دلی اور عقلی سکھ ہے۔ روحی سکھ سے ان کو کوئی واسطہ نہیں۔

بہت سے لوگ جو اپنے آپ کو برہم گیانی کہتے ہیں۔ وہ بھی روحانی لوگ نہیں ہیں۔ یہ ہزار باتیں بنائیں۔ موشگافیاں کرتے رہیں۔ اپنے آپ کو برہم کہتے پھریں مگر یہ صرف عقلی طبقہ میں ہیں۔ ان کو سنت واچک گیانی کہتے ہیں اور ان کی ظاہری حالت سے صاف صاف مترشح ہے کہ یہ روح کے منزل سے معصوم محض ہیں۔

ہزار نکتۂ باریکتر ز مو اینجا ست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ان تینوں طبقوں کے سکھ فانی ہیں۔ ان سے شانتی نہیں آتی نہ ان سیری ہوتی ہے۔ دل عقل اور جسم کے تعلقات مسلسل زنجیر ہیں۔ جو قدم کے آگے بڑھنے ہی بڑھتے جاتے ہیں اور کبھی ان پر عبور نہیں ملتا۔ نہ یہ پورے طرح سے پراپت ہوتے ہیں نہ خود اختیاری ہیں اور نہ دائمی ہیں۔ ان طبقوں پر آئے ہوئے آدمی ہمیشہ گرنے بھی رہتے ہیں۔ عقلی طبقہ کے بام پر پہنچے ہوئے لوگ اکثر ناستک اور دہریہ ہو کر پھر دکھوں کے جھکولوں سے سخت پریشان ہوتے ہیں اور بری طرح مرتے ہیں۔ اگر تم زیادہ سوچ سکتے ہو

تو ان کی حالت کو ملاحظہ کرو۔ خاص طور پر۔ جب یہ کسی مرض میں یا تکلیف میں مبتلا ہوں جو ان سکھوں کے سلسلہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ تب ان کی حالت کو دیکھو۔ خود پتہ لگ جائیگا۔

ایسی حالت میں کیا یہ ہر شخص کے لیئے لازمی نہیں ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر ایسے سکھ کی تلاش کرے جو دائمی ہے اور جو خود اختیاری ہے۔ جو اس میں ہے۔ جو اس کا نج روپ ہے۔

تمام سکھ آتما میں ہے۔ یہاں ہم ایک بات اور بھی تم کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ باہر سکھوں میں بھی تمہارے ہی آتما کا عکس رہتا ہے۔ آتما کی دھار ایک طرف سے تمہاری اندریوں کے ستھان پر آتی ہے۔ دوسری طرف باہر کی چیز میں ہوتی ہے۔ تب سکھ ملتا ہے۔ اگر کسی شخص کو مٹھائی دے کر یہ کہا جائے کہ اس میں بھنگ موجود ہے۔ تو گو اس میں بھنگ نہ ہو اس کو ایسا معلوم ہوگا۔ اگر میٹھی چیز کی نسبت کڑوی کا گمان کر کے کھایا جائے تو وہ کڑوی معلوم ہوگی۔ اسی طرح کڑوی چیز کا مزہ میٹھے کے خیال کے دھاروں سے میٹھا ہوتا ہے۔

غرضکہ تمہارا آتما ہی اصلی سکھ ہے۔ اگر کسی طرح علاوہ من روحی طبقات پر پہنچنے کا سادھن کرے تو وہ بطور خود اپنے اندر سکھ کا بھنڈار دیکھے گا۔ تھوڑے دنوں تک کے شغل سے وہ با ختیار خود جب چاہے گا اس کا سکھ بھوگ سکے گا۔ اور مرنے کے بعد سکھ کے اس مخزن میں پہونچیگا۔ جو سب کی ابتدا سب کا اصلی وطن اور سب کا مرجع ہے +

نواں باب

سکھ کے مختلف طبقات

پہم جن طبقہ ہیں اس وقت موجود ہیں۔ اس ہیں مکمل سکھ کی تمنا کرنا فضول ہے کیونکہ یہ پورن سکھ کا ستھان نہیں ہے۔ یہاں جو چیز ملے گی سب غیر مکمل نظر آئیگی۔ اور کسی حالت ہیں مکمل نہ ہو سکے گی۔ یہاں قدم قدم پر حد بست ہے تنگی ہے۔ محدودیت کی حالت ہے۔ دنیا کے ہمدرد ہمیشہ کوشش ہیں لگے رہے کہ کسی طرح انسان کو پورے سکھ حاصل ہونے کا موقع ملے سوسا ئٹیوں کی اعلےٰ اصول پر بنیاد ڈالی گئی۔ صدیوں تک کوششیں کی گئیں۔ اب بھی کوشش کا وہ سلسلہ جاری ہے۔ اور ہمیشہ جاری رہے گا مگر کسی حالت ہیں کوئی شخص اس دنیا ہیں مکمل سکھ نہیں حاصل کر سکا کتنے فلسفے ایجاد ہوئے کتنے کاروبار ظہور ہیں آئے۔ محلم و محفل کیے کارخانے قائم کیے گئے حکومتیں ایسی بنائی گئیں کہ سوسائٹی کے افراد پورا سکھ حاصل کر سکیں۔ مگر ہر شخص کا ذاتی تجربہ گواہ ہوگا کہ من کو پورا سکھ نہ ملا ہے نہ کیوں یہ سرشٹی ہی ایسی ہے کتنے ہی دم کبھی سیکھی جو تی یہ اہرتی نہیں بند شین لگائی جائیں مگر غیر ممکن ہے کہ کوئی اس کو مکمل بنا سکے۔ ؟ وہ کو اگر ایک طرف سے روکو گے دوسری طرف رجوع ہوگا۔ یہ کال بھگوان کی سلطنت ہے۔ یہ یہ ہر لمحہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جہاں تبدیلی ہے وہاں سکھ کیسا؟ آج کچھ حالت ہے کل کچھ ہو جائیگی۔ آج کل کے درمیان تو بہت کچھ تفاوت ہے پل پل ہیں یہاں تبدیلی کا قانون اپنا کام زور شور کے ساتھ کرتا رہتا ہے۔ کال کا چکر اس زور سے چل رہا ہے کہ اس ہیں نام کے لیئے بھی قیام و سکون نہیں ہے۔ پھر کیسے کسی کو امید ہو سکتی ہے کہ اس طبقہ ہیں نشست رکھتا ہوا پورن سکھ بھوگ سکے گا ہر طبقہ اپنی خاص خاص حیثیت اور خاص

خاص حالت رکھتا ہے کوئی شخص اس کی حثیت اور حالت کو چھین نہیں سکتا کال کی عملداری میں اس کا قانون ہمیشہ جاری رہے گا۔ اور جو شخص وہاں آئیگا اس کو اس کے زیر اثر آنا ہی پڑے گا۔ یہ مسلّما اور مصدقہ امر ہے۔

اس خیال سے کہ لوگ اس طبقہ کی اصلیت کو سمجھ جائیں۔ سنتوں نے سمجھانے بجھانے کے لئے اس رچنا کے تین حصّہ مقرر کئے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے یہاں جو بات کہی جاتی ہے وہ صرف نسبتی نقطہ خیال سے کہی جاتی ہے۔ اس لئے لفظوں کے گورکھ دہندے کے الجھن سے بچتے ہوئے صرف روح کی اصلیت کے جذب کرنے کی کوشش کرنا چاہئے ورنہ مقصد ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

یہ تین طبقات جن کا اشارتاً اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان کی صراحت حسب ذیل ہے

(۱) دیال دیس۔ مقام رحمانی۔ یا طبقۂ روحانی۔

(۲) کال دیس۔ کال کی سلطنت یا لطیف مایا کا ستھان

(۳) مایا دیس۔ مایا کی عملداری۔ استھول مایا مقام۔

دیال دیس بالکل مقام روحانی ہے۔ یہاں روح مایا کے زنجیر سے قطعی آزاد ہے۔ اور اپنی حیثیت میں ست چت اور آنند ہے۔ اسی سے آنند گیان اور ہی زندگی کی اصلی جو ہر ہے اسی میں جا بجا ہے اگر وہ نہ ہو تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی میں ساری طاقتیں ہیں اور وہی کل رچنا کا مرکز ہے اور سب سے اونچا ہے۔ دوسرا دیس یا مقام جو کال کا ستھان بتایا گیا ہے وہ اصل میں برہمانڈی من کہلاتا ہے یہ درمیانی ہے۔ روح سے نیچے ہے۔ یا یوں سمجھ لو کہ وہ دوسرا درجہ ہے تیسرا مادہ کا استھان ہے جو مایا کہلاتا ہے۔ یہ سب سے سفلی۔ سب سے باہری مقام ہے۔ اور تمام اندریوں کا تعلق اسی سے ہے۔

ان تین مقامات کی اصطلاح کے لئے غالباً ذیل کے الفاظ زیادہ موزوں ہوں گے۔

طبقہ روحانی

طبقہ روحانی و مادّی

طبقہ مادّی وروحانی

پہلا طبقہ آنند اور سرور کا مقام ہے۔ یہاں روح پاک و صاف حالت میں ہے۔ آمیزش یا کسی قسم کی کثافت سے آزاد ہے۔ یہاں نہ کسی طرح کی باسنا ہے نہ خواہش ہے اور خواہش اور تمناؤں کی معدومیت ہی اصلی سکھ کی علامت ہے۔ یہ خالص پریم اور محبت ہے۔ اس کو سنتوں نے روحوں کا مخزن، چیتن نرمل کا بھنڈار اور پرکاش کا خزانہ بنایا ہے۔

دوسرا طبقہ جس کے لئے روحانی اور مادی اور مادی کی اصطلاح مستعمل ہوئی ہے۔ نرمل چیتن اور لطیف مایا کے آمیزش کا مقام ہے۔ یہاں روح کا کال یعنی برہمانڈی من کے ساتھ تعلق پیدا ہوا ہے۔ اور گو روح کو غلبہ حاصل ہے۔ مگر پھر بھی وہ لطیف مادہ سے ملی ہوئی ہے اور اسی لئے یہاں بھی پورا سکھ نہیں ملتا۔ یہ سوکشم باسنا کا ستھان ہے۔

تیسرا طبقہ مادی وروحانی ہے۔ جس میں روح بالکل مادہ کے غلافوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور اپنے واپنے طاقت کے اظہار کے لئے مادی اوزاروں کی محتاج ہے۔ اس مقام میں وہ اس قدر دب گئی ہے کہ بغیر اندریوں کی مدد کے کچھ بھی کام نہیں کر سکتی۔ غلافوں کی زیادتی کی وجہ سے اس کی طاقت بالکل جاتی رہی ہے۔ اس کو اپنی ذات کا علم بھی نہیں رہا۔ اور اپنے اصلی اور وطن کو بھول کر وہ سنساری بن گئی۔ یہاں مادہ غالب ہے ضرورتوں کی بھرمار نے روح کو بالکل محتاج اور دست نگر بنا دیا ہے۔ اس طبقہ

میں روح کا جسمانی دل اور اندریوں کے ساتھ لگاؤ ہے۔ جو وہ کی کثیف حالت
کے اظہار کی حالتیں ہیں. سنتوں نے طبقات کے نسبتی حالات کے لحاظ سے
ان کو چھ چھ حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے

یہ طبقات جس طرح باہر جگت میں ہیں ویسے ہی انسان کے قالب میں
بھی ہیں انسانی قالب کو دنیا کے تمام روحانی معلمیں نے چھوٹا برہمانڈ کہا
ہے پنڈے سو برہمانڈے ہندوؤں میں یہ عام مسئلہ ہے. صوفی اسی کو
عالم صغیر کہتے ہیں۔ اور کائنات کو عالم کبیر کہتے ہیں۔ یونانی حکما اسی کو مکرو
کازم اور بابا بکرو کازم کا نام دیتے ہیں۔ اُپنشدوں میں بھی وہ بجا اس کی بہت
پر زور دیا گیا ہے۔ اس ایک بات کی تعلیم میں بہت بڑی اصلیت چھپی ہوئی
ہے جس پر ہر ایک انسان کو غور کرنا چاہیے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ برہمانڈ میں
جس قدر لطیف اور کثیف مقامات ہیں۔ ان سب کا نقشہ مجملی طور پر اس انسان
کی صورت میں موجود ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو جیتے جی اسی شریر میں رہکر ہر
علوی سفلی اور درمیانی طبقات کے سکھ بھوگ سکتا ہے۔ انسان پر اس
کے اردگرد کے حالات و واقعات کی وجہ سے بہت بڑا اثر پڑتا ہے ایک شخص
جو رات دن آتشکدہ کے قریب بیٹھا ہوا آگ کی گرمی کا عذاب سہتا ہے اگر
اتفاق سے ٹھنڈے پانی کی جھیل کے پاس چلا جائے تو اس کی حالت
پر کچھ نہ کچھ خاص قسم کا اثر پڑے گا۔ اس طرح قید کی حالت میں رہنے والا
آدمی کھلی ہوئی ہوا میں جانے سے اپنے دل میں تبدیلی محسوس کرے گا. جب
یہ حال باہر کی دنیا کا ہے تو اسی کے مطابقت سے اگر انسان اپنے اندر کے
کثیف مقامات سے گزر کر لطیف طبقات کی طرف رجوع کرے تو اس میں
کس کو شک ہو سکتا ہے کہ ان کی سیر کی وجہ سے اس کی حالت میں فرق
نہ آوے گا۔ اس جسم میں ایسے طبقات موجود ہیں جو اس کو قریب قریب بہت

سے آدمی سمجھ سکیں گے۔ ساتھ ہی دنیا کے حادثات وواقعات کی وجہ سے کبھی کبھی ان میں گزر ہوا کرتا ہے۔ اس کا بھی یقین بہت لوگوں کو ہونا چاہئے۔ خواب، بیداری کی حالتیں بطور خود بدیہی ثبوت ہیں کہ ہمارے جسم میں یہ سب طبقات موجود ہیں۔ اور ان پر غور کرنے سے بھی صاف صاف نظر آتا ہے کہ خاص خاص حالت میں رہنے اور گزر کرنے سے خاص خاص قسم کی کیفیتیں محسوس ہوتی ہیں۔ ان کو بھی جانے دیجیے۔ اکثر حالت بیداری ہی میں جب انسان کسی مشکل معاملہ کے متعلق سوچنے کے لئے مجبور ہوتا ہے اس کی توجہ کی دھاروں کا سمٹاؤ خود بخود اندر کی طرف ہونے لگتا ہے اور تھوڑی دیر تامل کرنے کے بعد اس کو اصلیت معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ علم روح کو ایک خاص مقام پر جانے سے ہوا تھا۔ کیونکہ اس کی توجہ باہر کی طرف نہیں تھی۔ ممکن ہے آنکھ۔ کان۔ ناک۔ سب کھلے رہے ہوں۔ دوست وآشنا بھی پاس بیٹھے رہے ہوں۔ مگر اس حالت میں چلے جانے کی وجہ سے نہ تو وہ اپنے ارد گرد کے حالات کو دیکھتا تھا۔ نہ سنتا تھا۔ وہ کہیں اور جگہ تھا۔ یہ جگہ باہر نہیں۔ بلکہ اس کے اندر تھی اور ناوانستہ اپنی توجہ کو اس طرف مائل کر دینے سے وہ اس طرف سے بے پروا ہو کر اپنے اندر کی طرف رجوع ہوا۔ اور وہاں جا کر اس کی سمجھ بوجھ کو خاص قسم کی حالت نصیب ہوئی۔ جس سے وہ مشکل معاملہ کی گتھی کو سلجھا سکا۔ اکثر لوگ اس بات کو بمشکل سمجھ سکیں گے مگر وہ اسی طرح کی ہے۔ اس میں سر مو فرق نہیں ہے۔ اس جسم میں خاص مقامات ہیں اور جب جب روح ان کو اپنی بیٹھک بنا لیتی ہے۔ خاص طرح کی خوشیاں اس کے تصرّف میں آجاتی ہیں اور وہ وہاں کے مخصوص لذات اور طاقتوں سے بہرہ در ہو سکتی ہے۔

بس جسم خاکی میں برہمانڈ کے تمام لطیف وکثیف حصے موجود ہیں اور

وہ جیوں جیوں اپنے اندر لطافت کے مقامات طے کرتا جاویگا اسی قدر زیادہ وہ ذی رسوخ اور با اثر بنے گا۔ ایک پہلوان نے اپنی روح کا مرکز صرف جسم کو بنا لیا ہے۔ وہ اوروں سے طاقتور ہے۔ سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں اس کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ کہیں طاقتور ہے۔ بادشاہ کا وزیر جس کی روح کی بیٹھک عقل و دماغ میں ہے یہ پہلوان سے زیادہ لطیف ہے۔ سلطنت کے فرمانروا اس کا لوہا مانتے ہیں۔ دنیا اس کے نام کو سن کر تھرا جاتی ہے۔ قوموں کا بنانا بگاڑنا وہ اپنے دماغ کا کرتب سمجھتا ہے۔ اس کے اختیار میں ہے کہ قوموں کے درمیان امن و امان رہے۔ یا جنگ چھڑ جائے۔ مگر اس وزیر سے کہیں زیادہ با اثر روحانیت پسند طبیعتیں ہیں۔ جن کے روح کو روحانی منزل پر نشست کی طاقت حاصل ہو گئی ہے۔ جب کبھی ایسے بزرگ دنیا کی اصلاح و فلاح کا خیال کرتے ہیں۔ دنیا کے تختہ کو الٹ دیتے ہیں۔ ان کا رسوخ دیرپا اور محیط ہوتا ہے کروڑوں اور اربوں پہلوان گزر گئے۔ کوئی ان کے نام سے بھی واقف نہیں لاکھوں با تدبیر وزیر سطح عالم پر آئے اور غائب ہو گئے۔ ان کے اثر کا نام و نشان تک کہیں نہیں ہے۔ مگر دنیا کو اب تک ایسے بزرگوں کی زندگی کے مقدس واقعات یاد ہیں جنہوں نے اس کے فلاح و بہبودی کی صورت پیدا کی تھی۔ ان کے جھنڈے اب تک برابر گڑے ہیں اور کروڑوں آدمی اس کے تلے روحانی تشفی تلاش کرتے ہیں۔

یہ لطیف و کثیف طبقات سے اُنس پیدا کرنے والوں کی مثالیں ہیں۔

اکثر طبیعتیں جو مادہ پرستی کی طرف زیادہ رجوع رہتی ہیں کہا کرتی ہیں کھاؤ۔ پیو۔ چین اڑاؤ۔ یہی زندگی سب کچھ ہے۔ مگر کیا کبھی اس تعلیم

چونکہ ان کی حالتیں جداگانہ ہیں۔ اگر کسی طرح انسان سمجھ بوجھ لے کر اپنے اندر ان کے سیر کا موقع حاصل کرلے تو اس میں کس کو شک ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے سکھوں سے بہرہ ور نہ ہوگا۔

ایک طبقہ کا سکھ۔ جیسا کہ پہلے ذکر کردیا گیا ہے۔ دوسرے طبقہ کے سکھ سے مختلف ہے۔ سفلی طبقات میں جہاں جسمانی من اور اندریوں کا میل ہے سفلی سکھ نصیب ہوتے ہیں۔ درمیانی طبقات میں جہاں برہمانڈی من اور لطیف مایا کی آمیزش ہے لطیف سکھ حاصل ہوتے ہیں۔ علوی طبقات میں جو ان دونوں کے پرے ہے روحانی سکھوں کا بھنڈارا ہے۔

انسان جس طرح سفلی طبقات کو چھوڑتا ہوا اپنے اندر اونچے طبقات کی طرف رجوع ہوگا۔ ویسے ہی تبدریج اس لطافت اور طاقت آتی جائے گی۔ اور وہ بلا کسی کے کہے اپنی روحانی ترقی بھی محسوس و معلوم کرتا جائے گا۔ تمام انسانی اختراعات و ایجادات کا سرچشمہ انسان کی عقل میں ہے اور اس عقل کی جڑ روح میں ہے۔ اس کے سمجھانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص خود جانتا ہے کہ اندریوں کا طبقہ کثیف ہے دل دماغ اس سے لطیف ہیں اور روح ان سب سے لطیف ہے۔ لطیف چیز بمقابلہ کثیف کے زیادہ طاقتور۔ زیادہ اثرانداز ہوتی ہے۔ برف کا ٹکڑا اس میں کلام نہیں بہت ٹھوس۔ سخت و طاقتور چیز ہے۔ مگر اس کو پانی کی صورت میں تبدیل ہونے دو۔ وہ برف سے کہیں زوردار ہوجاویگا اور زیادہ پھیلنے و ہاتھ پاؤں پسارنے کے قابل بنے گا۔ یہانتک کہ وہ اپنی تیزی سے پہاڑوں کو ڈھا دے گا۔ درخت و جنگل جو اس کے سیلاب کے راہ میں آویں گے برباد ہوجاویں گے۔ یہی پانی جب اور بھی زیادہ لطیف شکل اختیار کرلیتا ہے اور بھی زیادہ طاقتور بن جاتا ہے۔ یہی حال انسان کا بھی سمجھو۔

کو دیرپائی نصیب ہو سکتی ہے ؟ مادہ خود دیرپا نہیں ہے ۔ لمحہ لمحہ اس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے ۔ پھر مادہ پرست کے خیالات کو کس طرح دیرپائی نصیب ہو ا انسان بالطبع بالکل نفس پرست نہیں ہے ۔ وہ جس کو دائرہ نفس پرستی میں دیکھتا ہے اس سے نفرت کرجاتا ہے برعکس اسکے جو لوگ نفس کُشی کے اُلفتا سو پاکی صفات پیں قابل تعظیم مجھے جانتے ہیں ۔ اور نفس پرست بھی مجبور ہے کہ ان کی عزت کرے ۔ انسان چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو فطرتاً کسی بہتر سکھ کا خواہشمند ہے ۔ نیچر نے اس کے تجربات کے وسیع کرنے کے لئے اس کو سفلی مقامات پر بیٹھادیاہے ۔ وہ ان کے لذت کو حاصل کر لیتا ہے ۔ مگر اس میں اصلی سکھ کا مزہ نہ پا کر چھوڑ دیتاہے ۔ نیچر فوراً اس کی جگہ تبدیل کر دیتی ہے ۔ پھر یہ دلی ددماغی سکھوں کی طرف رجوع ہوتا ہے ۔ یہاں بھی اس کو کمی اور بھرانتی نظر آتی ہے ایسی حالت میں وہ پھر روحانی سکھ کا مستحق وادھیکاری بن جاتا ہے ۔ دنیا میں ہم سب لوگ اسی طرح کے سبق پڑھنے آئے ہیں ۔ آواگون کا چکر دراصل درجہ بدرجہ ترقی و تبدیلی کا زینہ ہے ۔ جو لوگ عقل سلیم سے کام لے کر سچائی کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں وہ معلم کے کوڑوں کی سزا سے بچ جاتے ہیں ۔ ورنہ اس مدرسہ میں ہر شخص کو سزایاب ہونا ہی پڑتا ہے مرنا ۔ پیدا ہونا ہی زبردست سزائیں ہیں ۔

اوپر جو تین طبقات کی مختصر صراحت کی گئی ۔ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ یہ سب انسان کے اپنے اندر موجود ہیں ۔ ان کے سکھوں میں اپنے درجہ کے لحاظ سے اختلاف ہے ۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ ہم جیتے جی ان کو بھوگ سکیں تو اپنے اندر رجوع ہونے سے وہ ان سے شاد کام اور لذت یاب ہو سکتا ہے ۔ اور تھوڑی ہی بہت محنت کرنے سے چند روز بعد اس کو اصلیت کا پتہ مل سکے گا ۔ بشرطیکہ اس میں اندر کے

مقامات میں داخل ہونے اور ان میں سیر کرنے کی زبردست خواہش ہو۔
اُوپر ہم نے اس دنیا کو ایک مدرسہ سے مشابہ کیا ہے جس میں
بتدریج انسان کی روح مختلف قسم کے سبق سیکھ کر اصلی ترقی اور عروج
کی حقدار ہو سکتی ہے ممکن ہے اس کا مطالعہ کر کے بہت سے آدمی
یہ نتیجہ اخذ کرنے لگیں کہ ترقی تو بتدریج ہوتی ہے۔ ممکن ہے۔ یاد رہے دنیا
میں ایسی بھی طبیعتیں ہیں جو جلد ترقی کی منزل تک پہنچنے کی شائق رہتی
ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا اس قسم کی ترقی ممکنات سے ہے یا نہیں؟ اور
اس کا جواب یہ ہوگا کہ وہاں ایسا ممکن ہے کوئی شخص منزل مقصود کی طرف
آہستہ آہستہ جاتا ہے۔ کوئی جلدی چلتا ہے۔ نیچر میں ہر قسم کے جذبات والوں
کی تعظیم کا سامان موجود ہے۔ جو لوگ لاہور سے کلکتہ جا رہے ہیں۔ ان
میں بہت سے آدمی پیدل جاتے ہیں۔ بہت سے پاسنجر گاڑی پر چڑھتے
ہیں۔ جو بہت سے جلد پہنچنا چاہتے ہیں وہ ڈاک گاڑی پسند کرتے ہیں۔
سب کے لئے علیحدہ علیحدہ سامان موجود ہے۔ تم ذرہ بھی شک نہ کرو۔ دنیا
میں جو کچھ ترقی و تنزلی کے شعبدے تم کو نظر آ رہے ہیں وہ سب تمہارے
ہی خیال کی پختگی و یکسوئی کے نتیجے ہیں۔ جیسا تم یا تمہارے ہم خیال چاہتے
ہیں۔ اور جس حد تک اس خیال میں طاقت ہے اس کے بموجب دنیا میں
انتظام ہو جاتا ہے۔ جلدی یا دیر کے ممکنات کا مضمون اور طرح پر
بھی سمجھ آ سکتا ہے۔ کدو کا چھوٹا پھل مہینہ دو مہینہ میں جا کر پختگی کی حالت
کو پہنچتا ہے۔ لیکن اگر اس کو خاص خاص مصالحوں کے اندر رکھ کر بند
کر دیا جائے۔ تو وہ صرف گھنٹوں میں بڑھ کر پھول جائیگا۔ اور عمل کیمیائی
اس کو پختہ بنا دے گی۔ اسی طرح انسان کی روحانی و دماغی ترقی کا
اصلی راز صرف اس کے دل کی یکسوئی ہے۔ جو دل یکسو کر سکتے ہیں وہ

جلد کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور ان سکھوں کے طبقات کے حاصل کرنے میں بھی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ تمہارے اپنے دل کی یکسوئی کی عادت درکار ہے بشرطیکہ وہ باقاعدہ ہو۔

دسواں باب

سکھ کا سادھن

سکھ کی ہر ایک کو تلاش ہے۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں دنیا میں مختلف قسم کے سکھ ہیں جن کا اختصار کیساتھ ذکر آگیا ہے۔ مگر ان سکھوں سے سیری نہیں ہوتی۔ اور یہ دکھ روپ بھی بن جایا کرتے ہیں۔ انسان کا دل اندر ہی اندر کسی ایسے سکھ کا متلاشی رہتا ہے جس کی وہ صراحت نہیں کر سکتا۔ دنیا کے تمام سکھ موجود ہیں۔ مگر ان کی موجودگی میں بھی کسی خاص طرح کے سکھ کی فکر رہتی ہے۔ اس کمی کو صرف دل ہی محسوس کر سکتا ہے۔ وہ بیان میں نہیں آسکتی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کو ابتدا میں اس قسم کا سکھ حاصل تھا۔ جو لاثانی تھا۔ اس کی یاد دل کو کریدتی رہتی ہے۔ اس کی فکر میں یہ دانستہ یا نادانستہ غلطاں و پیچاں رہتا ہے۔ اور حیران و پریشان بنا رہتا ہے۔ ہر طرف اس کے لئے دوڑ دھوپ کرتا رہتا ہے۔ مگر جب تجربہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سکھ نہیں ہے جس کی تلاش تھی۔ تب اس سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہے تمام ویراگ۔ مذہبی اشغال اور روحانی مشاغل کے پردوں میں اسی خیال کی روح متحرک نظر آوے گی۔ چاہے کوئی اس کو مانے یا نہ مانے۔ مگر یہ ایک اصلیت ہے۔

اس دنیا میں انسان بار بار پیدا ہوتا اور مرتا رہتا ہے چھوٹے سے لیکر بڑے جانداروں کی حالتوں کے مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو جائیگی۔ ایک زمین پر رینگنے والے کیڑے کو جس کے عقلی قولے تکمیل کے درجے کو نہیں پہنچے ہیں۔ چھیڑ دو وہ سکڑنے لگ جائے گا۔ کیونکہ اس کے دل میں دکھ سے بچنے کی زبردست خواہش موجود ہے۔ وہ بغیر سمجھے بوجھے ہوئے جانتا ہے کہ وہ کچل کر مر جائے گا۔ اس لئے جب کبھی کوئی اس کو چھوتا ہے۔ خواہ چھیڑتا ہے۔ وہ خوف سے سکڑنے لگتا ہے۔ اس کو موت کا ڈر ہر وقت لگا رہتا ہے۔ کیونکہ وہ بار بار مرا ہے بار بار پیدا ہوا ہے۔ سنسکار اس کو موت کے دکھ کی یاد دہانی کرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ دنیا میں پہلی مرتبہ پیدا ہوا ہوتا۔ خواہ اس کو پہلے ہی دفعہ مرنے کا خطرہ ہوتا تو اس قدر اعتیاد کی سمجھ نہیں ہوتی۔ مگر وہ بار زندگی و موت کے مرحلوں سے گزر چکا ہے۔ اس لئے وہ جانتا ہے کہ کیوں اس کو چھیڑ چھاڑ سے بچتے رہنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح انسان کے دل میں کسی لافانی سکھ کی جستجو ہے۔ جس کی وہ تشریح نہیں کر سکتا۔ مگر جنم جنمانتر کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر وہ کسی نہ کسی صورت میں اس کی پیروی کا دم بھر رہا ہے۔

انسان کی روح کس طرح جنم مرن کے بندھن میں آ گئی۔ آسان سوال نہیں ہے مگر اس قدر تو سمجھ میں آتا ہے۔ کہ وہ بار بار جنمتا اور بار بار مرتا ہے۔ اس بار بار پیدا ہونے اور مرنے میں سخت دکھ ہے مگر ساتھ ہی اس کو مختلف قسم کے تجربے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا ایک قسم کی مکتب ہے۔ جس میں روح بچہ کی صورت میں پڑھنے آتی ہے۔ فرض کرو تم آج اس عمر میں ایک دھرم کا سبق پڑھنے

آئے ہو۔ ساری زندگی کے دن بھر اس سبق کو یاد کرتے رہے۔ دن ختم ہو گیا تم موت کی رات میں جا کر سو گئے۔ دوسری صبح ہوئی۔ یہ تمہارا دوسرا جنم ہے۔ پھر تم مکتب میں دوسرا سبق پڑھنے کے لئے آئے۔ اور اسی طرح بار بار پیدا ہو کر اور مر کر طرح طرح کے تجربے حاصل کر لئے ہماری زندگی اور موت دنیاوی نظام کے رات دن سے بالکل مشابہ ہیں۔ اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان کے تجربات ومشاہدات وسیع ہوں تاکہ وہ روز بروز اصلیت کے سمجھنے کے قابل ہو۔ جس کی خواہش اس کے دل کے پردوں میں چھپی ہوئی ہے۔

جنہوں نے مادی طبقات کی حالت پر ذرہ بھی غور کیا ہو گا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ انسان دنیا میں نادانی۔ جہالت اگیان اور اودیا کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ اس کو اپنی ذات کا علم نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتا۔ میں کون ہوں۔ اس کو خبر نہیں ہے کہ میری ہستی کیسی ہے اور اصل ونسل میں میری حیثیت کیا ہے۔ کیونکہ اس کی ذات پر اس طبقہ میں بیشمار غلاف اور غول چڑھے ہوئے ہیں۔ ان غلافوں کی تشریح کوئی کہاں کر سکتا ہے۔ لطیف اور اسنھول غلاف بیشمار ہیں۔ لوگ موٹے موٹے پردوں کا بیان کر سکتے ہیں۔ تم اپنے جسم کو نہ دیکھو۔ چمڑا۔ گوشت۔ ہڈی۔ نس ناڑی۔ خون۔ چربی وغیرہ میں ان سب پردوں کے اندر روح پوشیدہ ہے۔ اس کی مثال ایک نارنگی سے دی جا سکتی ہے جس کے اوپر موٹا چھلکا ہے۔ جھلی ہے اور پھر طرح طرح کے اندر کہیں اصلیت چھپی ہوئی ہے۔ جس نے نارنگی کو نارنگی بنا رکھا ہے۔ باہری حصہ میں اس اصلیت کا صرف عکس ہے۔ وہ سب جگہ محیط ضرور ہے۔ مگر صرف سایہ کی حیثیت میں ہی اسی طرح انسانی

روح کا حال سمجھو۔ وہ بھی تمہارے جسم کے اندر ہزاروں بلکہ بیشمار
پردوں کے اندر ہے۔ اگر کسی طرح ان پردوں کے اندر ہے۔ اگر کسی
طرح ان پردوں کو چاک کر دیا جائے تو ممکن ہے۔ اصلیت کے
درشن کا موقع نصیب ہو۔ اور انہیں پردوں کا چاک کرنا اس کے
حصول کا ذریعہ اور یقینی سادھن ہوگا۔

یوں تو روح پر اس طبقہ میں بیشمار خلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ یہ
خلاف جو یہاں ہمارے جسم پر پردے بنے ہیں۔ اصل میں باہری رچنا
کی منڈلوں کے نمونے ہیں۔ ان سے ان کو نسبت ہے۔ اور وہ نسبت
بھی اسی طرح کی ہے۔ جو برہمانڈ کو پنڈ سے ہے۔ مگر علما۔ اور حکمانے
ان کو نسبتی نقطۂ نگاہ سے پانچ پردوں کے سلسلہ میں بیان کرنے کی کوشش
کی ہے۔ تاکہ سمجھنے والوں کو اصلیت سے ہمکنار ہونے کا موقع ملے۔ ان
میں سب سے پہلا ان مے کوش کہلاتا ہے جو یہ ستھول شریر ہے۔ یہ ماں
باپ کے جسمی ترکیب کا جوہر یا خلاصہ ہے۔ جو پیدا ہوکر آتا ہے۔ اور اناج
وغیرہ سے پرورش پاکر بڑھتا ہے۔ اور پھر مرجاتا ہے گوشت پوست
نس۔ ناڑی سب کچھ اسی ان مے کوش میں ہیں۔ یہ سب سے کثیف پردہ
ہے جس نے روح کو ڈھک رکھا ہے۔ اور یہ اس قدر حاوی ہو گیا ہے کہ
اندر کی رہنے والی روح اس کو اپنے سے علیحدہ نہیں سمجھتی۔ لاکھوں میں
کوئی برلا آدمی نظر آئیگا جو اپنی روح کو جسم سے علیحدہ سمجھتا ہوگا ورنہ سب
اسی شریر کو اپنی ذات سمجھ رہے ہیں۔ دن رات اسی فکر میں مبتلا رہتے
ہیں۔ اسی کی صفائی۔ آراستگی و پرداخت کا ہر وقت فکر رہتا ہے۔ اس جسم
کی حیثیت دراصل گھوڑے کی ہے۔ گھوڑا سواری کے لئے ہے نہ پوجنے
کے لئے۔ مگر نادان لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں اور اس کی حیثیت سے

زیادہ اس کو اہمیت دیتے ہیں۔ ستھول جسم کو اکثر لوگوں نے کپڑے اور لباس
پوشیدنی سے مشابہہ کیا ہے۔ مگر انسان اسی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ اور
غلطی کر بیٹھتا ہے۔ یہ جسم پہلا پردہ ہے۔ دوسرا پردہ پران مے کوش ہے
جو پرانوں سے بنا ہے۔ پران قدرت کی وہ طاقت ہے جو باہری دنیا میں
بھی مقابلہ مادہ کے وہ بہت لطیف ہے۔ بجلی وغیرہ ساری طاقتیں اسی
سے ہیں اور اس کی ہیں جیسے کل دنیا اس کے آسرے ہے۔ ویسے ہی یہ
جسم بھی پران کے آشرے ہے۔ یہ پران ہزاروں طرح کا ہے۔ نیچر میں
دراصل کہیں بھی تفریق و درجہ بندی کی تمیز نہیں ہے۔ مگر کاروبار کے
لحاظ سے اس کی تقسیم کی جاتی ہے۔ اس جسم میں پانچ طرح کے پران مانے
گئے ہیں۔ پران۔ اپان۔ ویان وغیرہ۔ یہ جسم کے مختلف حصوں میں رہتے
ہیں۔ اور خاص خاص فرائض انجام دیتے ہیں۔ اندریاں تو کام کرتے کرتے
تھک جاتی ہیں۔ مگر پران نہیں تھکتے۔ سوتے جاگتے۔ اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت
ان کے کام کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان کی پانچ ذیلی حالتیں بھی اسی
جسم میں رہتی ہیں۔ جن کو اُپ پران کہتے ہیں۔ وہ دھننجے۔ کورم۔ ناگ۔ دیودت
کریکال ہیں۔ پران اگر نہ رہے تو جسم ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اور عناصر مجبوراً
اپنے اپنے اصل میں جا کر ملنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ جو سانس
آتی جاتی ہے۔ یہ پران کی کارروائی اور اس کی طاقت کے اظہار کی ایک
ظاہری صورت ہے۔ یہ پران مے کوش روح پر دوسرا غلاف ہے۔
تیسرا غلاف منومے کوش کہلاتا ہے۔ من سنکلپ وکلپ اُٹھانے والی
اندری کو کہتے ہیں۔ یہ اس شریر میں نہایت ہی زبردست چیز ہے۔ اسی
نے دراصل زیادہ تر روح کو اپنے پردہ میں لپیٹ رکھا ہے جیسے ریشم
کا کیڑا اپنے منہ سے تاگے نکال کر اپنے اردگرد تن لیتا ہے اور اس میں

گرفتار ہو جاتا ہے۔ ویسے ہی انسان اپنے من کے کلپناؤں کی وجہ سے بندھن بنا تار بنتا ہے۔ یہ من ایک مرکز ہے۔ جس نیچے گرد دس اندریاں یعنی حواس خمسہ چکر لگایا کرتی ہے۔ یہ دس اندریاں دو قسم کی ہیں۔ پانچ گیان اندریاں و پانچ کرم اندریاں۔ آنکھ۔ ناک کان۔ زبان (ذائقہ) اور چرم (لامسہ) گیان اندریاں ہیں۔ زبان (قوت کلامیہ) ہاتھ پاؤں اور بول و براز کی دو لو اندریاں کرم کرنے والی کہی گئی ہیں۔ یہ سب من کے تابع ہیں۔ من جیسا حکم دیتا ہے۔ یہ ویسا ہی کرتی ہیں۔ یہ من کی اوزار ہیں۔ اگر من قابو میں آجائے تو پھر ان کا زور ا تنا نہیں رہتا۔ مگر چونکہ باہر کی طرف ان کا رخ عرصہ سے ہے۔ اس لیئے عادت کی وجہ سے یہ باہر مکھی ہی بنی رہتی ہیں اور من ان کے جلال میں پھنسا رہتا ہے۔ اس لیئے وہ اور بھی روح کے بندھن کے رشتے بنا تار بنتا ہے۔ من پانچ کوشوں میں درمیانی ہے۔ یہ نیچے بھی اثر انداز رہتا ہے۔ اور اوپر کی طرف بھی۔ جس نے کبھی اس من کے قابو میں لانے کی تدبیر سوچنا شروع کیا۔ سمجھ لو وہ کوشوں کی درمیانی حالت میں پہنچ گیا۔ یہ من خاص قسم کی ہستی رکھتا ہے۔ اس جسم میں وہ برہمانڈی من کا نائب و نقل ہے۔ جیسے پنڈی من پنڈ میں ہے۔ اور اس کے خاص فرائض ہیں۔ ویسے ہی باہر کی رچنا میں بھی ایک محیط برہمانڈی من بھی ہے۔ جو لوگ اصلیت کی تلاش میں لگتے ہیں۔ وہ اس من کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

۱۔ من ہی کو پر بودھیئے۔ من ہی کو اپدیش
جو یہ من بس آوہی۔ تو شِشیہ ہوئے سب دیش

۲۔ جیتی لہر سمدر کی تے تی من کی دور

سبھے بیرا پیچے - جو من آوے ٹھور
۳ - من موٹا من پاتلا - من پانی من لائے
جیسی من سے اُبجے۔ ویسے ہی ہو جائے
۴ - کبھوں من گگنا چڑھے۔ کبھوں گرے پتال
کب ہوں من اُن میں لگے۔ کبھوں جلو چال
۵ - پانچوں سے من بندھیا۔ پھر پھر دہرے دھیر
جو یہ پانچوں بس کرے۔ سوئی لاگے تیر

اس پردہ کو دو طرح سے چاک کیا جاتا ہے۔ شم سے اور دم سے۔ اندریوں اور من کو یکے بعد دیگرے روکنا اور ان کو ضبط میں لانا شم دم کہلاتا ہے یہ اس شریر میں بہت بڑا پردہ ہے۔ نیچے اور اوپر کے پردے دونوں پر اس کا اثر رہتا ہے۔ جو کوئی یہاں تک آجائے تو پھر اس لئے آگے کے دو پردے ہٹانا کچھ سہل ہو جاتا ہے۔

دوڑت دوڑت دوڑیا جب لگ من کی دوڑ
دوڑ تھکے من تھر بھیا۔ دستو ٹھور کی ٹھور

چوتھا پردہ وگیان سے کوش ہے۔ وگیان بدھی کو کہتے ہیں۔ جو نشچے آتمک ہے۔ من سنکلپ اٹھاتا ہے۔ اس سنکلپ کا جو نشچے کراتی ہے، اس کا نام بدھی ہے۔ بدھی سے کچھ کسی قدر اصلیت کے عکس دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن یہ پردہ من کی طرح لطیف ہونے سے اکثر دھوکا بھی دے بیٹھتا ہے۔ اس کے نزدیک پہونچنے والوں میں سدھی شکتی اور طرح طرح کی طاقتیں آنے لگتی ہیں، اور راہ طے کرنیوالا سالک ایسا مارا جاتا ہے کہ پھر اس کو جلدی اُٹھنے وسنبھلنے کا موقع ہاتھ نہیں آتا۔ اس لئے اس پردہ کا بڑے احتیاط کے ساتھ چاک کرنا کام رکھتا ہے۔

بدھی کا بلاس زبردست گورکھ دھندا ہے۔ اسی بدھی کے سایہ
کا نام اہنکار ہے۔ اہنکار کے بس میں آیا ہوا آدمی گر جاتا ہے۔ جس
نے بدھی کے پردہ کا ٹھیک ٹھیک ساکشاتکار نہیں کیا صرف اس
کے قریب پہنچا ہے۔ وہ اہنکار روپی بھوت کے سایہ کے پڑتے ہی
بھائی کے معاملات میں بھی ناحق ترک اور دلیل۔ و حجت کرتا ہوا اپنے
پکش کی پشٹی کا خیال رکھے گا۔ اور اصلیت کی مطلق پرواہ نہ کرے گا۔ گر
جائے گا اور لکھ چوراسی کے جال میں پھنسے گا۔ اس لئے اس سے ڈرنا
اور اس سے زیادہ محتاط رہنا ضروری اور لازمی ہے۔ پانچواں پردہ
آنندمے کوش کہلاتا ہے۔ یہاں آتما اکیلا رہ جاتا ہے۔ مگر اس سے یہ
نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بالکل آزاد ہے۔ آنندمے کوش ایک غلاف
ہے۔ جو سوکشم اور باریک ہے۔ اس کو جڑ اچیتن کی گانٹھ کہا گیا ہے۔
یہاں ہی پردہ میں چیتن اور جڑ کا سوکشم کا سمبندھ ہوتا ہے۔۔ وہ تعلق
اس قدر لطیف اور باریک ہے۔ کہ اس کے اظہار کے لئے کسی قسم کا
لفظ نہیں ملتا۔ یہاں آ کر آتما کے اوپر صرف ایک لطیف کوش رہ جاتا
ہے۔ جو اصل میں نام ماتر ہے۔ مگر یہی نام ماتر اودیا کا کارن ہے۔ لوگ
بدھی اور ودیا کے دوارا اس کو سب کچھ جان کر اپنے فرضی خوشی میں مگن ہو
جاتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے بدھی اور یہ سنساری ودیا ہی ایسی
تعلقات ہیں۔ جو دکھ کے کارن بنے ہیں۔ یہ بدھی کب آتی ہے۔ جب
روح اپنی اصلیت سے گر جاتی ہے۔ بدھی وغیرہ کے تعلقات در
اصل آتما اپنے کی حالت سے بہت دور ہیں۔ یہ بھجار کی حالت
ہے۔ یہ پردہ ہے۔ یہ اصلیت نہیں ہے اس لئے سنتوں نے اس
ودیا کی بہت قدر نہیں کی۔ ان کی نگاہ ہمیشہ اصلیت کی طرف رہتی

ہے۔

بے ودیا تو بڑی اودیا۔ نین سنتن کی قدر نہ جانی
اسنت پریم کے سندھ بھرے ہیں تنہیں اُلٹی بدھ کیچڑ سانی
سنتن پریم لگا پیارے۔ اُنکی صورت شبد سمانی
تو دھن وان بڑے نشٹھا جاہے۔ اور جنتر تا میں لپٹانی
۲ کل میں جیو بہت نہیں لیکھے برسے گورکھ نہ کچھے ندانی
۳ ان کی پریم انبھولی بانی۔ تو بدھی سنگ رہتے کھیانی
ودیا پڑھ پڑھ بہت نچتے ہیں پریم بنا کچھ ہاتھ نہ آنی
۴ سب پرکارہ پریم کی مہما۔ ودیا اودیا دونوں ہانی
جنم مرن سے چھوٹ نہ پاویں جو راسی میں پھر بھرمانی
مان اپمان سمان نہ کینا۔ واچک ودیا پھل لی
۵ کتھنی بدنی کام نہ آوے۔ بھگتی بنا سب جنم کی ہانی

وغیرہ وغیرہ وغیرہ

یہ پانچ پردے ہیں جن کے چاک کرنے سے آتما کے درشن کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ یہاں ہم ان پانچ پردوں کی نسبت اس قدر اور کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ پانچوں تمہارے شریر کے اندر ہیں۔ ہر انسان کے تین شریر ہوتے ہیں۔ ایک تو ستھول شریر جس میں یہ ہاتھ ناک کان سب نظر آتے ہیں۔ دوسرا سوکشم شریر جو لطیف عناصر یعنی تتوں سے بنا ہے۔ اور اسی میں پانچ پران۔ من۔ بدھی وغیرہ رہتے ہیں۔ تیسرا کارن شریر جو نہایت لطیف جڑ اور چیتن کے گانٹھ کی ملونی کا نام ہے۔ یہ اس لئے آنندمے کوش کہا جاتا ہے کہ وہاں آتما کو اپنے میں سکھ محسوس ہوتا ہے۔ صرف اگیان کا پردہ پڑا رہتا ہے جو جڑ چیتن کی گانٹھ کے پڑ جانے

کا سبب ہے۔ ان تینوں شریروں میں سے ہر ایک انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ جیسا پہلے کہا گیا جاگرت یعنی حالت بیداری میں آتما ستھول شریر سوکشم اور کارن شریر کی ستا کو ساتھ لیئے ہوئے بھوگتا ہے یعنی حالت خواب میں ستھول شریر سے نیارا ہو کر آتما صرف سوکشم شریر کے ساتھ ولاس کرتا ہے۔ جس کی کارن شریر کی ستتا رہتی ہے۔ سوشپتی یعنی گہری نیند کی حالت میں ستھول اور سوکشم دونوں شریر سے پرتھک ہو کر آتما صرف کارن شریر میں جو اگیان کی حالت ہے۔ اپنے میں اسکو بھوگتا ہے۔ لیکن لوگ سوال کریں گے کہ اس میں اگیان کے ہونے کا ثبوت کیا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ جب آدمی گہری نیند سے سو کر اٹھتا ہے تو کہتا ہے۔ ایسے سوئے کہ تن بدن کسی کا کچھ ہوش نہ رہا۔ یہ نہیں معلوم ہوا کہ کتنی دیر سوئے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ کہنے والوں کو اگیان کی حالت میں گذر رہنے کا وقفہ ملا تھا۔ جس کی نسبت وہ خود جاگنے پر ذکر کرتا ہے۔

یہ پانچ کوش اور تین شریر جن کا اوپر ذکر آیا ہے انہیں کے جاگ کرنے سے خواہ ان کے اتار دینے سے آتما کا سدا آنند نکار ہو سکتا ہے۔ اور وہی سکھ کی حالت ہے۔ ان پردوں کا ہٹانا سکھ کا سادھن ہے۔

گیارھواں باب

سکھ کے سادھن کا ابھیاس

تم نے یہ سن لیا کہ سکھ کیا ہے۔ تم کو معلوم ہو گیا کہ سکھ تم ہی ہو اور
تم سے ہے۔ تم یہ بھی جان گئے کہ آتما پر طرح طرح کے غلاف حائل ہونے
کی وجہ سے اس کی طاقتیں دب گئی ہیں اور چونکہ وہ اگیان کے بس میں آ کر
اور جڑ دل میں سکھ کا متلاشی رہتا ہے۔ اس لئے اس کو دکھ اٹھانا پڑتا
ہے اور آخر میں غالباً یہ بھی ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ ان غلافوں کے کمزور کر دینے
سے وہ لاثانی سکھ کو پراپت کر سکے گا۔ ان مادی خولوں کا اتارنا سکھ کا اصلی
سادھن ہے۔ اور اس سادھن میں عرصہ تک مصروف رہنا اس
سادھن کا ابھیاس ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس سادھن کا ابھیاس کس طرح کیا جائے۔
دنیا میں جتنے مذہب ہیں۔ خواہ وہ نوعیت کے لحاظ سے کچھ بھی کیوں نہ
ہوں۔ اسی ضروری مسئلے کی صورتیں اور کوششیں ہیں۔ وحشی ہوں یا مہذب
سب ہی اپنی اپنی سمجھ کے موافق اس کے حل کرنے میں لگے ہیں۔ مگر کال
اور کرم کا چکر اس قدر مضبوطی کے ساتھ اثر انداز رہتا ہے۔ کہ بسا اوقات
ان کو تکلیفوں و مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی وہ اپنے
بندھن کے لئے خود زنجیریں گوندھ لیا کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا
ہے کہ کوئی زنجیر سونے کی ہوتی ہے۔ کسی کی لوہے کی ہوتی ہے۔ مگر
نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے۔ دونوں ہی زنجیریں ہیں۔ ایک ست کرم
کر کے کچھ دن کے لئے آرام کی حالت میں جا کر پھر واپس آتا ہے اور
سنسار کا دکھ بھوگتا ہے۔ دوسرا نادانستگی سے اشبھ کرم کرتے ہوئے
اس کی سزا کا متحمل ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی ان دونوں کے دلوں میں
ایک طرح کے جذبات کا کام کرتے رہتے ہیں۔ اور بالعموم ان کے
کہ وہ پردہ دل کو چاک کرتے رہتے ہیں۔ ریشم کے کیڑے کی طرح

اور کبھی گہرے خولوں کا تانا بانا تن دیتے ہیں۔ اور روحانیت کی خبر نہیں ہونے پائی۔

....

آتما کے پردے اتارنے۔ آتما کے سکھ حاصل کرنے اور آتما کو اپنے مخزن یا دُہر ستھان تک پہنچانے کے لئے جس طریق کا اُپدیش سنتوں نے دیا ہے وہ تین لفظوں میں شامل ہے۔ گورو، سنگ، نام۔ مگر سچا گورو۔ سچا سنگ اور سچا نام ہونا چاہیئے۔ تب کام بنیگا۔ ان تینوں کی پراپتی کے لئے سچے انوراگ کی بھی ضرورت ہے۔ تا وقتیکہ سچا شوق نہ ہو۔ تب تک اصلیت کے حصول کی طرف توجہ کے رخ کا میلان نہیں ہوتا

ان تین لفظوں کو قریب قریب سب لوگوں نے سن رکھا ہے۔ مگر پھر بھی ان کی سمجھ کم آدمیوں کو ہوگی۔ اس لئے ان کی وضاحت صاف صاف لفظوں میں کر دینا ضروری ہے۔ تاکہ غلط فہمی پھیلنے کا خدشہ نہ رہے۔

گورو اس قابل تعظیم روحانی وجود کو کہتے ہیں جو سنتوں کے ستھان تک پہنچا ہوا ہو۔ پنتھ کے حالات سے واقف ہو۔ اور گھر کے راہ دکھانے کو جانتا ہو۔ اس میں روحانیت کے اوصاف نمایاں طور پر موجود ہوں اخلاقی لغزشوں سے پاک وصاف ہو۔ ایسے پاک وجود کا نام گورو ہے۔ جب تک ایسے مقدس شخصیت سے تعلق نہیں ہوتا۔ انسان کے روحانی جذبات کو اُبھرنے کا موقع نہیں ملتا۔ گورو وہی دراصل زندہ اور روشن چراغ ہیں۔ باقی اور سب آدمیوں کی روحانی روشنی دلی رہتی ہے۔ ایک روشن چراغ سے بہت سے چراغ روشن کیئے جا سکتے ہیں بجھے ہوئے شمع سے وہ کام نہیں نکل سکتا۔ اگر

آدمی یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف مذہبی کتابوں کے پڑھنے سے روحانیت کا استحقاق کر سکتے ہیں۔ گورو کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ کتاب ہی گورد کا کام دے سکتی ہے۔ یہ سخت غلطی پر ہیں انہوں نے اب تک جڑ اور چیتن کی اصلیت نہیں سمجھی۔ کتابیں خواہ وہ کوئی ہوں جڑ ہی ہیں۔ وہ روحانی جذبے نہ تو پیدا کر سکتی ہیں نہ پیدا کرانے میں اصلی گورو کا کام دے سکتی ہیں۔ عمریں کتابوں کے مطالعہ میں گزر جاتی ہیں۔ مگر انسان روحانی نقطہ نگاہ سے مکمل نہیں بنتا۔ جہاں جی چاہے کتاب پڑھنے والوں کے حالات کو دیکھو۔ خود بخود نتیجہ پر پہنچ جاؤ گے۔ مگر جہاں کہیں ایک سچا گورو ظاہر ہو جاتا ہے وہاں ہزاروں انسان روحانی طریقت کے شائق بن کر اپنی زندگی کو آناً فاناً میں سدھار لیتے ہیں۔ جس طرح سورج کے نکلتے ہی پرکاش ہو جاتا ہے ویسے ہی اس قسم کے گورو کے دو بدو آنے سے دل کو روحانی تشفی ملنے لگتی ہے اور ادھکاری جیو کو اندر ہی اندر بلا کسی کے کہے سنے خبر پڑ جاتی ہے کہ یہاں ہمارا کام بن جائیگا۔ جو سچے گورد ہیں وہ دراصل روحانی سورج ہیں جو اگیان کے اندھکار کو مٹا دیتے ہیں ان کے گیان کا پرکاش ہوتا ہے۔ ان میں تہذیب نفس اور اخلاق ترکیہ کے اوصاف موجود ہوتے ہیں۔ اور دل پر ان کا اثر پڑتا ہے علمی گورو کے متعلق ضروری نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ روحانی طور پر بااخلاق ہو۔ مگر روحانی گورو میں جب تک تمام خوبیاں نہ ہوں اس سے اُدھار کی امید نہیں کی جا سکتی۔ یہ ہمیشہ یاد رہے جب تک انسان دل کا پوتر اور پاک وصاف نہ بنے گا۔ وہ ہزاروں باتیں بنائے۔ منطق چھانٹے۔ دلیل بازی سے دوسروں کا منہ بند کر دیا کرے۔ مگر اس کو روحانیت کا اصلی جلوہ کبھی نظر نہیں آئیگا۔ کیونکہ روح کو ایسے شخص کا اعتبار

نہیں ہوتا اس لئے سچے گورو کا ہونا امر ضروری ہے۔ یہ گورو دوارا اصل میں چیلے کی نگاہ میں سچی روحانی معراج کے کشش کا کام دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمام روحانیت کے طریقوں میں خواہ وہ کسی ملک یا کسی قوم کے ہوں گورو کرنیکی ہدایت کی گئی ہے۔ گورو کی تعریف میں کبیر صاحب اس طرح فرماتے ہیں :-

گورو کو کیجے ڈنڈوت کوٹ کوٹ پرنام
بھرنگ۔ نہ جانے آپکو گورو کرلیں آپ سمان
ستگور سا نچا سورماں نکھ سکھ مارا پور
باہر گھاؤ نہ دیسئی انتر چکنا چور
کوٹن چندا اوگویں سورج کوٹی ہزار
ستگور ملیاں باہرا۔ ویسے گھور اندھکار
ستگور مارا تاں کر شبد سرنگی بان
میرا مارا جو جئے۔ تو کر نہیں گھوں کمان
گونگا ہوا باورا بہرا ہوا کان
پاؤں تے پنگلا ہوا ستگور مارا بان
جو لاگے گورو کے کشش کو تجت نیچے باندھ
دوارنہ پا دسے شبد کا جھٹکے بار مبار
سٹے گورو کے کشش میں من کو دیجے ڈارے
چنچل تے نشچل بھیا نہیں آوے نہیں جائے

اس قدر عبارت گورو کی نسبت کافی ہے۔

دوسری چیز سنگ ہے۔ سنگ نام جماعت کا ہے۔ جہاں سچے روحانی جذبات والے آدمیوں کا مجمع ہو۔ وہی سنگ ہے۔ ایسی جگہ

آتما کے دبے ہوئے سنسکار ابھرتے ہیں۔ مثل مشہور ہے خربزہ کو دیکھ کر
خربزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگر کوئی شخص نیکوں کے مجمع میں کچھ دن نشست
کرے تو یقین کر لو کچھ نہ کچھ اس میں تبدیلی آجاوے گی۔ اور وہ نیک بن جائے
گا۔ کیونکہ ایسی جگہوں میں نیک قسم کے سنسکار اور نیک قسم کے خیالات
پیدا ہو کر اپنا منڈل بناتے ہیں۔ اور جو کوئی اس منڈل میں زیادہ تر
رہتا ہے ان خیالات اور اثرات کا حصہ دار ہوتا ہے۔ ایسی جگہوں میں
جانے سے مہا انسان کا دل کچھ نہ کچھ پگھلتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ
اس میں روحانیت پیدا ہونے اور ابھرنے لگتی ہے۔ سنگ میں مالک کے پریمی
بکثرت رہتے ہیں۔ اس لئے اس کو خود بخود پریم کی دولت ملتی ہے۔ اور
وہ بغیر جانے ہوئے پریم کے رنگ میں رنگ دیا جاتا ہے۔ صحبت کے
اثر کا قائل ہر ایک شخص ہے یہاں تک کہ جڑ چیزوں میں بھی ایک دوسرے
کے سپرش سے تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ لوہا اور پارس کی مثال عام
ہے۔ جب جڑ چیزوں کا یہ حال ہے تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص ایسے
مجمع میں جہاں مالک کے پیارے رہتے ہوں جا کر ان کی صحبت کے فیض
سے محروم رہ سکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں جس کسی کو عظمت
بڑائی شہرت نیکنامی ملتی ہے۔ وہ صحبت کے اثر سے ہے۔
اسی وجہ سے مہاتماؤں نے سنت سنگ کی مہاتمت کچھ بیان کی ہے
سنگت کی اہمیت بہت ہے۔ اگر ہمیں اچھا سنگ میسر آجائے تو کیا
کہنا ہے۔ وہ شخص بہت ہی خوش قسمت ہے۔ جس طرح پانی کے
پاس جانے سے ٹھنڈک اور آگ کے پاس پہنچنے سے گرمی محسوس
ہوتی ہے۔ ویسے ہی سچے سنگ میں پہنچنے سے روحانیت ابھرتی
ہے سچے سنگ کی مختصر تعریف یہ ہے۔ کہ اس میں نفس کشی ہو یا صفت

کنس۔ اور تپسوی خیال کے آدمی شامل ہوں جن میں مالک کا پریم ہو جو ویراگ والے ہوں۔ اور سادھن کا ابھیاس کرتے ہیں۔

تیسرا نام ہے۔ مالک کے نام دو قسم کے ہیں۔ ایک ذاتی۔ دوسرا اصفاتی ان کے درمیان تمیز کی لکیر کھینچنا ذرہ مشکل ہے۔ مگر ذاتی و صفاتی نام کی بابت اس قدر سمجھ لینا چاہیئے کہ ذاتی نام دھن آتمک ہوتا ہے۔ دھن آتمک اس کو کہتے ہیں جس کی دھن اپنے اندر موجو ہو۔ اور جس کی دھن شُرت کے کان سے سنی جا سکے۔ باہری دنیا میں شنکھ گھنٹے وغیرہ کی آواز کو دُھن آتمک سمجھو جب لوگ اس کا روپ لفظوں کی سلسلہ باندھتے ہیں تب ونا ورن آتمک ہو جاتا ہے جیسے ٹن ٹن وغیرہ۔ مگر یہ صرف رُدہ رنگ ہے اصلی چیز نہیں ہے۔ جس کو جس نے جیسا سنا۔ انومان کیا۔ ویسے ہی اس کا روپک بنا دیا۔ ورنہ اصل میں اس کو لفظوں یا حرفوں کے بندش میں لانا بہت مشکل ہے۔ جو نام کہ حرفوں کے یا لفظوں کے بندش میں آجاتے ہیں یا ہونٹ و زبان کی مدد سے جن کا تلفظ ادا کیا جا سکتا ہے۔ وہ ورن آتمک ہیں۔ مالک کے دھن آتمک نام کی نماز یاد رہنا ہے۔

جس طرح ہم نے باہری دنیا میں دھن آتمک نام کی مثال دکھلا دی ہے۔ ویسے ہی انسان کے جسم میں ہر جگہ مختلف قسم کے شبدوں کی دھن خود بخود ہو رہی ہے۔ ان سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ اگر ان کا بھید کسی سچے بھیدی سے لے کر اپنے انتر میں ان کو سرت سے سنا جاوئے تو چند روز کے ابھیاس سے انسان انتر مکھی بنتا جائے گا۔ اور وہ اپنے انتر میں ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچتا ہوا غلاف یا پردوں کو ہٹاتا جائیگا۔

ہم نے اوپر رچنا کے تین طبقات کا ذکر کیا ہے جو باہری و اندرونی
دنیا دونوں میں ہیں۔ انہیں تین طبقات میں سے ہر ایک چھ چھ حصوں
میں منقسم ہیں۔ اور ان میں سے ایک جگہ کا شبد دوسرے جگہ کے شبد سے
مختلف ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس رچنا کا ظہور ہی شبد کے دھار اپنے
شبد ہی زندگی کا ظہور ہے اور اسی کو پران۔ پرکاش۔ نور وغیرہ کا نام دیا
گیا ہے اس شبد کی دھار کو اپنے اندر پکڑ کر چلے تو ایک مقام سے دوسرے
مقام اور دوسرے تیسرے مقام کو طے کرتا ہوا بآسانی کال اور مایا کے
چکر سے دور ہوتا جائے گا۔ اور کسی دن مالک کا درشن اپنے اندر کر سکے گا۔

شبد کی تعریف کو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ دنیا کی جتنی مذہبی کتابیں ہیں
سب میں اس کا تذکرہ کچھ نہ کچھ موجود ہے۔ یہ ثبوت ہے کہ وہ اس کی
اصلیت و اہمیت سے واقف تھے۔ مگر چونکہ شبد کے ابھیاس کی جگتی کا
انہیں ابھاؤ ہو گیا۔ اس لئے اب ان کے شاگرد اس کو کچھ کے کچھ معنی
پہناتے ہیں۔ اور بالکل بے خبر ہو گئے ہیں۔

یہی شبد دنیا کا پیدا کرنے والا کہا گیا ہے۔ یہی سب کی ابتدا ہے
شبد میں اور اس کی دھار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مگر جس قدر یہ دھار
اصلی مقام سے اترتی آئی ہے۔ اسی قدر اس پر مایا یعنی صفت کے خول
چڑھتے آئے۔ اور برابر ملونی ہوتی گئی ہے۔

شبد ہی نظام عالم کا اصلی باعث بھی ہے۔ یہاں جتنی صورتیں
نظر آتی ہیں سب شبد کی ہیں۔ شبد ہی نے صورت و شکل اختیار
کی ہے یوں بھی سارا کام شبد کے ذریعے ہو رہا ہے۔ ایک شخص حکم
دیتا ہے دوسرا اسکی تعمیل کرتا ہے۔ شبد یعنی آواز ہی اصلی علامت
ظہور چیتن کا ہے انسان کو بولتا ہوا پرش کہتے ہیں۔ جب کسی میں

شبد نہیں رہتا تو اس کو مُردہ سمجھا جاتا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔
اکثر سوال کیا جاتا ہے بچے نے شبد کیا یا نہیں۔ اگر نہیں بولا تو اس کو
مُردہ سمجھتے ہیں۔ ذرہ ذرہ میں شبد دیاپک ہے۔ جہاں کہیں حرکت ہے وہاں
شبد ہے۔ لکڑی کے ذرہ ذرہ میں شبد سمایا ہے۔ اکاش منڈل سارا
شبد سے بھرا ہے۔ جتنی طاقتیں دنیا میں کام کر رہی ہیں۔ سب شبد
کی ہیں۔ سب شبد کی ہیں اور سب شبد ہیں۔ شبد ہی گورو ہے۔ شبد ہی
چیلا۔ جب کبھی برسات کے دنوں میں گھُپ اندھیرا چھا جاتا ہے۔
کہیں ٹمٹماتے ہوئے چراغ کا بھی نشان نظر نہیں آتا۔ تب بھولے
بھٹکے مسافر کتے کے بھونکنے کی آواز سن کر نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہاں
انسان بستے ہوں گے اور اسی کے آسرے چل کر گاؤں میں پہنچ
جاتے ہیں۔ اور کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں محسوس کرتے
اسی طرح اپنے انتر کا حال ہے۔ یہاں بھی شبد کی دھار پہ چل کر اس
مقام پہ پہنچتے ہیں جہاں سے وہ شبد پیدا ہوا تھا۔ پھر اس جگہ سے
دوسرے مقام کے شبد کا آسرا لے کر اونچے کو چڑھتے ہیں۔ اور علیٰ
ہذالقیاس اس شبد کی باریکی کو جو شخص ذرا بھی سمجھ لے تو اس کو اصلیت
کے سمجھنے میں اس قدر دقت نہ حائل ہو۔ شبد کی بہت کم تر آدمی سمجھتے ہیں
مگر یہ شبد ہی ہے کہ جس کے ذرہ سے بہاؤ سے آدمی غصہ میں آجاتا
ہے۔ نرم مزاج بن جاتا ہے۔ ناراض ہو جاتا ہے۔ خوشی سے جان
دینے کو تیار ہے۔ اور تخت و تاج کو بھی چھوڑ بیٹھتا ہے۔ کتنے آدمی
محض شبد کے صدمہ سے خودکشی کر بیٹھتے ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں
کبیر صاحب فرماتے ہیں:

شبد ہی مارے مر گئے شبد ہی تجیا راج

جو یہ شبد لو کلپنا کا سمہ یا کاج
شبد گورو کو چینہئے کیتے گورو لبار

۱ جھوٹے

اپنے اپنے لوبھ کو ٹھور ٹھور بٹ مار
شبد ہمارا ہم شبد کے شبد ہی لیے پرکھ
جو تو چاہے مکتی کو اب مت جا سرک
شبد ہمارا ہم شبد کے شبد برہم کا کوپ
جو چاہے دیدار کو پرکھ شبد کا روپ
شبد شبد سب کوئی کہے شبد کے ہاتھ نہ پاؤں
ایک شبد اوشدھی کرے ایک شبد کرے گھاؤ
شبد ہمارا آدمی کا پل پل کیجے یاد
انتر کھیلے گی مانند کی باہر کی سب بادھ

۲ اندر کی

شبد بنا سرت آندھری کہو کہاں کو جائے
دوار نہ پاوے شبد کا پھر پھر بھٹکا کھائے
ایک شبد سکھ راس ہے ایک شبد دکھ راس
ایک شبد بندھن کٹے ایک شبد گل پھانس
یہی بڑائی شبد کی جیسے چمبک بھائے
بنا شبد نہیں ابھرے کنچن کرے اپائے

انتر میں جو شبد ہیں دھن آتمک ہیں ان میں جیسا کہ اوپر کبیر صاحب نے فرمایا ہے چمبک کی خاصیت ہے۔ وہ لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور خود بخود دل کو یکسوئی نصیب ہوتی ہے۔ باہر کی دنیا میں دیکھو۔ ستار بانسری اور ساز بین وغیرہ کی آواز کو سن کر آدمی بیخود اور از خود رفتہ ہو جاتا ہے۔ ان کی مقناطیسی کشش عجیب قسم کی ہے

ہوتی ہے۔ جب باہر ستھول شبد کی یہ کیفیت ہے تو انتر کے شبد کا کوئی کیسے بیان کر سکتا ہے! یہ باہر جو کچھ تم شبد کا ظہور دیکھ رہے ہو انتر سے آیا ہے۔ بلکہ وہ اصل ہے یہ نقل ہے۔ نقل داصل میں فرق ہوتا ہے۔ جب نقل میں اس قدر دلچسپی کا سامان موجود ہے تو اصل کی حقیقت صرف باخبر آدمی سمجھ سکتے ہیں۔

سرت کے کانوں سے اس طرح شبد کا سننا۔ سرت شبد یوگ ابھیاس کہلاتا ہے۔ یہ طریقہ شغل بہترین اور اعلیٰ سمجھا گیا ہے۔ صوفی اس کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔ اس کے ابھیاس سے بآسانی یکسوئی ہوتی ہے۔ نہ اس لیے زیادہ سادھن درکار ہیں۔ نہ سنجم درکار ہے صرف مقامات اور شبد کا کا بھید لے کر اپنے اندر چڑھائی کرنا اور اور معراج کو سامنے رکھ کر شبد کو سنتے ہوئے گھٹ میں چلنا اس کے سوا اور کچھ درکار نہیں ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جو کوئی اس ابھیاس کو کرے وہ حیوانی غذا سے بالکل پرہیز رکھے۔ کسی قسم کی نشے کی چیز نہ استعمال کرے۔ ہر شخص کو مالک کل کا بچہ سمجھ کر دلآزاری سے بچتا رہے۔ زیادہ کھانا نہ کھائے۔ زن۔ زر اور زمین کی محبت کم کرے۔ کچھ وقت مالک کے بھجن بندگی کے لئے نکال لیا کرے صرف یہ چند ضروری ضروری سادہ باتیں ہیں جن کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ اور کسی قسم کے سخت ریاضت کی ضرورت نہیں پڑتی

سرت شبد یوگ کا ابھیاس سکھ کے سادھن اور آتمک کے پردوں کے اتارنے کا یقینی اور آسان ذریعہ ہے۔

بارہواں باب

سکھ کا بھنڈار

آتما یا روح جس کی بابت بار بار ذکر آیا ہے۔ اس سرشٹی میں عجیب و غریب چیز ہے۔ یہی سب سے بڑا جوہر ہے۔ اس کا تعلق سنت پرش سے ہے۔ یہ اس سورج کی ایک کرن یا اس سمندر کی ایک بوند ہے۔ ہم اس سے علیحدہ نہیں ہیں۔ وہی روح کا بھنڈار ہے۔ وہی تمام زندگی کا مرکز اور مخزن ہے۔ اس مرکز سے جدائی یا دوری ہی دراصل ہمارے دکھوں کا باعث ہوئی ہے۔ اور مخلاف آتار نے سرت شبد ابھیاس کے شغل کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس مرکز کا اشٹ باندھ کر یعنی اس کی معراج دل میں قائم کر کے سنت ستگورو کے ذریعہ بھید لے کر اس کی قربت کی کوشش کی جائے۔ اگر کسی طرح تمہارے اندر یہ خیال پیدا ہو جائے کہ ست پرش مالک ہمارا مرکز ہے اور ہم اس سے نکلے ہیں تو ان ہی تم میں پریم کے جذبات پیدا ہو کر تم کو خاص قسم کی طاقت عطا کرینگے اور تم کو خود بخود روح اور مادہ کی سمجھ آتی جائیگی۔ یہ مرکز بالکل روحانی ہے۔ شدھ چیتن ہے۔ اس میں تام کو بھی کال اور مایا نہیں ہے اور جیوں جیوں تمہارے غلاف اترتے جائیں گے۔ اور روحانی بکاش کا موقع ملتا جائیگا۔ ویسے ہی اسی سے اس جسم میں نزدیکی حاصل ہوتی جائیگی۔ جن میں اب تک روحانیت کا نشو و نما نہیں ہوا ہے۔ وہ اس مرکز سے بہت دور ہیں۔ جن کے غلاف اتر گئے ہیں وہ اس سے بہت زیادہ قریب ہیں۔ جس قدر اس سے جدائی ہوگی وہ دور ہوتی جائیگی اور اسی قدر روح پر مادہ کے غلاف

پڑتے جائیں گے۔ جس قدر وہ مرکز کے نزدیک آتی جائیگی اسی قدر اس
اس میں روحانیت کے جلوے خود بخود پیدا ہوتے جائیں گے۔ نیچے
کثافت کے طبقات ہیں۔ اوپر لطافت اور مایا کے مقامات ہیں۔
انسان صرف درمیانی حالت میں ہے۔ جو مایا کے منڈل میں ہے آج
چاہے ہماری تمہاری کچھ ہی حالت ہو۔ لیکن چونکہ ہم اس
کے انش ہیں ہمارے لئے کبھی موت نہیں ہے۔ اور نہ ہم زندگی
نعمت سے کبھی محروم ہو سکتے ہیں۔ ہم ہیں جو کچھ دکھ کا خیال ہے وہ
صرف ان مادی غلافوں کی وجہ سے ہے۔ جہاں یہ ہٹے اور ہم کو اپنی
ذات کی سمجھ آئی۔ ہم سکھی ہو جائیں گے اور اس وقت ہمارے سکھ
کی کوئی حد تک نہیں رہے گی۔ جب ہم میں اس سکھ کے بھنڈار
کی سمجھ آجائیگی۔ اس وقت ہم اپنے ساتھ اس کے تعلق کو جان
جائیں گے۔ یاد رکھو ساری طاقت اور سارا گیان مرکز سے آتا
ہے۔ جس قدر مرکز کے قریب پہونچے گا۔ وہ اسی انداز سے طاقت
اور گیانی ہوتا جائیگا۔ یہ ایک ایسی سچائی ہے۔ جس کو ذہن نشین
کرنا چاہیئے۔

اس روح یا سرت کی کاریگری اور اس کی صنعت کی دنیا قائل
ہے۔ انسان کو عقل کا پتلا کہا جاتا ہے۔ جدھر وہ توجہ کرتا ہے
اسی طرف تعجب خیز نتیجے پیدا کر دکھاتا ہے۔ ہر معاملہ میں صرف
اس کے متوجہ ہونے کی دیر ہے۔ پھر کیا کام ہے جو وہ نہیں
کر سکتا! ہوا پر اس کی حکومت۔ پانی پر اس کا اختیار۔ آتش
منڈل کی چھپی ہوئی۔ بجلی کی طاقتیں اس کے اشارے پر کام کرنے
کے لئے تیار ہیں۔ اس مادی طبقہ میں رہ کر بھی وہ جب کبھی دل

کو کسی خاص کام کی طرف یکسو کرتا ہے۔ کمال کر دکھاتا ہے۔ کیا اس میں تم کو تعجب ہے۔ نہیں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ انسانی ہاتھ کے کرتب۔ انسانی دماغ کی بلند پروازیاں انسانی عقل کی چھان بین کے سارے تماشے تمہارے سامنے ہیں۔ تم دیکھتے ہو۔ ان کو دیکھ کر اور بھی نتیجہ نکال سکتے ہو۔ اس میں ہر بات کے ممکنات کا امکان ہے۔ جب یہ کیفیت ایک ایک روح کی ہے جس کی مشابہت سمندر اور بوندکی دی گئی ہے تو سمجھو اس سمندر کی طاقت، وگیان کی بھلا کیا حد ہوگی۔ اس کے غور کرنے سے ہی عقل چکر کھانے لگتی ہے۔ وہ گیان کا آنند کا اور اصلی ہستی کا بھنڈار ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ کاریگری۔ ارادہ اور خوبصورتی تم کو نظر آتی ہے۔ وہ محض اتفاقیہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ کسی کی صنعت اور قدرت کاملہ کی دلیل ہے اور مالک کل کی ہستی کا ثبوت ہے۔ اگر کسی طرح یہ قطرہ اس میں داخل ہو جائے تو پھر اس کی سکھ۔ طاقت اور گیان کا کیا ٹھکانا!

ہم نے اوپر سکھ۔ سکھ کی قسمیں۔ سکھ کے طبقات اور ان سادھن بیان کر دئیے۔ ان سب کا اصلی مقصد صرف یہ ہے کہ انسان اس سکھ کے بھنڈار کی طرف رجوع ہو۔ ورنہ پھر اس کے لئے درمیانی حالتوں میں لغزش کھانے کا خوف ہے۔

سکھ کے بھنڈار کی طرف واپس چلنے کے سادھن مشکل نہیں ہیں عورت۔ مرد۔ جوان۔ بوڑھا سب کر سکتے ہیں۔ یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ انسان اپنی زندگی کے کاروبار کو ترک کر دے۔ اور سوشیل تعلقات کو خیرباد کہے۔ بلکہ ضرورت یہ ہے کہ آزادی سے

زندگی بسر کی جاوے۔ اور ساتھ سرت شبد یوگ کا ابھیاس بھی جاری رہے۔ انسان جو خوش رہتا ہے وہ مالک کل کی پرستش اور اس کا پریم آسانی سے کر سکتا ہے۔ اس کو خوش رہنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور ساری بات اسی کی مرضی کے ماتحت سمجھنی چاہیئے۔ تیری اچھیا پوری ہو۔ یہ کلمہ ہر بھگت اور پریمی کی زبان پر رہنا چاہیئے جو اس کے عامل ہیں وہ مالک کے کسی کام میں نقص نہیں دیکھتے اور ہمیشہ اس کی یاد میں خوش رہنے کی عادت سیکھتے ہیں۔

سنتوں کا طریق پریم کا مارگ ہے۔ پریمی بدوں میں نیکی دیکھنے کا خواہشمند رہتا ہے۔ اور نیکوں کی بدی کی طرف سے آنکھ بند کر لیتا ہے دل کو وسیع دماغ کا فراخ۔ ہمت اور حوصلہ کے اثرات کو دل میں قائم رکھنے والا۔ کسی سے اس کو نفرت نہیں ہے۔ نہ وہ اپنی بد قسمتی کی شکایت کرتا ہے نہ دوسروں کا گلہ زبان پر لاتا ہے۔ اس کو ہر کام میں مالک کی سوجھ نظر آتی ہے۔ اس کی شانتی باہر کی نہیں بلکہ انتر کی ہے۔ وہ باہر مکھی سادھن نہیں بلکہ انتر مکھی سادھن کرتا ہے۔ اس کو ہر جگہ مالک کے پریم و محبت کے بھاوے نظر آتے ہیں۔ اس کو مالک میں پریم اور دیا کے سوا اور کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ وہ اس معراج کو ہمیشہ نگاہ کے سامنے رکھتا ہے۔

جو مرکز کی طرف اپنے چت کی ورتی کو لگاتا ہے وہ سوا مالک مالک کے اور کسی چیز کو نہیں چاہتا۔ نہ وہ کسی فانی شے کے لیئے دعا مانگتا ہے۔ اس کو اپنے پریم کے و بھگتی کے معاوضہ کا مطلق خیال نہیں۔ وہ جو دعائیں مانگتا ہے وہ بھی اس نیت سے نہیں کہ اس سے مالک کا کچھ بھلا ہوگا۔ یا اس کی خوشی کا باعث

ہوگا۔ نہیں وہ صرف اس وجہ سے دعا کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے
وہ اس کے قریب جاتا ہے۔ اور جو مرکز کے روز مرہ قریب ہوتا جائے
گا۔ اس کو اور کیا چاہیئے؟ کہا گیا ہے "طالباں مولیٰ مرد اند
طالباں عقبیٰ مخنث اند و طالباں دنیا مقہور اند" ان چند لفظوں
میں بھیم و بھگتی کے مدارج کا صحیح اظہار ہوتا ہے۔

مالک کل کے پریمی کو بھیکھ یا ظاہری مذہبی لباس رکھنے والوں
سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بھیکھ کو جگ کی آس ہوتی ہے۔ پریمی کے
خیال کا مرکز مالک کل ہوتا ہے۔ یہ ان دونوں بہت بڑا فرق ہے۔
بھیکھ نے جو سوانگ بنایا ہے وہ محض روزگار یا دنیا کے سیر و
سیاحت کے لئے ہے۔ پریمی اپنے انتر شبد کا ابھیاس کرتا ہوا
مالک کل کے درشن کا خواہشمند رہتا ہے۔ اس کا کام دکھاوے
کا نہیں ہے۔ مذہب نمائشی چیز نہیں ہے۔ مذہب طریق۔ پنتھ
مارگ۔ یہ سب لفظ راہ کے مترادف ہیں۔ روح کی راہ گھٹ کے
اندر سے ہو کر گئی ہے۔ سرشٹی کا اتار پہلے شبد کے ذریعہ ہوا۔
شبد ہی اوپر کی مرتبہ سے نیچے کی طرف رجوع ہوا۔ اور جہاں جہاں
اترا وہاں منڈل بنا کر پھر نیچے آ گیا۔ اوپر کے شبد لطیف نیچے کے
کثیف ہیں۔ اوپر پرکاش ہے اور پرکاش سے نیچے اندھکار اور تاریکی
ہے۔ اس لئے وہ شبد کے ڈور کو پکڑ کر اوپر کی طرف چلتی ہے اس
کی رفتار اس مچھلی سے مشابہ ہے جو پانی کی دھار کو پکڑ کر آسمان پر
چڑھ جاتی ہے۔ روح کے اوپر کی طرف شبد کی ڈور پکڑ کر چلنا قریب
قریب ویسا ہی ہے۔ اور اندرونی چڑھائی اسی طرح سے ہوتی
ہے۔ وہ شبد کی مدد سے ایک مقام پر پہنچ کر پھر دوسرے مقام

بڑھ جانے کی خواہشمند اور متمنی ہوتی ہے۔ کچھ دنوں ایسا ابھیاس کرنے کے بعد پھر وہ اپنے نج بھنڈار یعنی جا کر داخل ہو جاتی ہے جو اکہہ ہے۔ اگم ہے۔ الکھ ہے۔ آنند ہے۔ سوپرکاش ہے جس کی پرکاش کی اُپمان ہزاروں۔ لاکھوں کروڑوں اور بیشمار سورج و چاند کی روشنی سے بھی نہیں کی جا سکتی۔ نہ وہاں کال ہے۔ نہ کرم ہے۔ نہ مایا ہے۔ وسعت۔ خلا کا لفظ وہاں استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بانی اور من کی اس تک پہنچ نہیں ہے۔ وہم و گمان کی وہاں رسائی نہیں ہے۔ وہاں دکھ اور کلیش نام کو بھی نہیں ہے۔ نہ وہاں دن ہے نہ رات ہے۔ اس کا نہ کوئی نام ہے نہ نشان ہے۔ صفت اسی کو ست پرش رادھا سوامی کہتے ہیں۔ جو روح وہاں تک پہنچ گئی۔ پھر وہ ہمیشہ کے لئے مکت ہو جاتی ہے۔ پھر اس کو کبھی دنیا کے پردوں کا کھٹکا باقی نہیں رہتا۔ جو وہاں پہنچا امر ہو گیا۔ کال کے چکر سے چھوٹ گیا۔

الٹ سمانا آپ میں پرگٹی جوت انت۔ صاحب سیوک ایک سنگ کھیلیں سدا بسنت

جو روح اس تک داخل ہوئی۔ وہ اس طرح مست ہو کر خوشی کے نغمے گاتی ہے

ہم باسی اس دیس جہاں ست پورش کی آن
سکھ دکھ کوئی بیاپے نہیں سب دن ایک سمان

ہم باسی اس دیس کے جہاں بارہ ماس بلاس
پریم جھرے بگسے کنول۔ تیج پنج پرکاش

تنشے کروں نہیں ڈوروں سب دکھ دئے نوار
سہج ستی میں گھر کیا پایا نام ادھار

بن پاؤں کا پنتھ ہے بن بستی کا دیش
بنا دیہہ کا پُرش ہے کہیں کبیر سندیش
نوں گلا پانی بھیا بہُڑ نہ بھرے گون
ست شبد میں لیہہ بھیا کال رہا گہہ مون
پہپ پرم پد کا شبد جاگی جو صدانند
مشٹ تھوتا بیکے نشان کا ہیرا کنت
ہیرنی بلکھا بھیا۔ پایا نام نواس
اب بھیو دو نہیں سمانہاری آس
لیکھ بوگا نا سکھ میں آیا نا ہیں آپ
سرت سمائی رت میں اجپا مانیں جاپ
پون نہیں پانی نہیں نا ہیں دھرن اکاش
تہاں کبیر است جی صاحب پاس خواص

کہنا تھا جو کہہ گئے اب کچھ کہا نہ جا سکتا ۔ ایک رہا دوجا گیا دریا لہر سمائے
(کبیر صاحب)

تیسواں باب

سرت شبد کی قائم حالت

ہر قسم کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے۔ جہاں پہلے شخصیت کے اقرار کا سامان نظر آتا ہے۔ جب تک شخصیت قائم نہیں ہوتی۔ خواہ جب تک شخصیت اور شخصی شئیت کی موجودگی کا فہم نہیں ہوتا۔ تب تک کوئی سوال نہیں کیا جاتا۔

جب لوگوں کو اسی قدر سمجھ آجاتی ہے کہ ہم پرش ہیں۔ اس وقت
خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم پرش ہیں تو ہمارے ایسے
پیدا کرنے کا ارتھ کیا ہے۔ پرش کے ارتھ کو پرشارتھ کہتے ہیں۔ پرشارتھ عام
فہم لفظوں میں مقصد کو کہتے ہیں۔ پرش کی ہستی کا علم ہونے پر
سوال پیدا ہونے لگتا ہے کہ اگر پرش ہے تو پھر اس کی ہستی
کا مقصد اور اس کی موجودگی کی مراد کیا ہے۔ وہ کیوں ہے اور کس
لئے ہے۔ یہ سوال جو دنیا میں کیا جاتا ہے۔ اور اس سوال کا جواب
اور اس کے حل کے تمام تفصیلی مدارج کی وضاحت فلسفہ کہلاتی
ہے۔ فلسفہ کی حد یہیں آتی ہے۔ اور اس میں زمین و آسمان۔ ایشور
جیو پرکرتی [illegible] شامل ہے [illegible] سب کا وچار
ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی کے مقصد کے انکشاف کے سلسلہ
میں بہت سے ایسے سوال خود بخود آجاتے ہیں۔ اور فطرتاً ان
کی دریافت کی طرف مائل ہونا پڑتا ہے۔ اور طبیعت بیساختہ چاہتی ہے
کہ یہ معلوم ہو جائیں۔ ایشور کیا ہے۔ جیو کیا ہے۔ پرکرتی
کیا ہے۔ [illegible] وغیرہ کیا ہیں۔ ایشور جیو کے تعلقات کیا
ہیں۔ جیو [illegible] رشتہ کیا ہیں۔ ایشور اور پرکرتی اور جیو
[illegible] آپس میں سمبندھ کیا ہے۔ اور جب یہ سارے مرحلے
طے ہو جاتے ہیں۔ تب پرش یہ سوال جان لیتا ہے کہ اس کا پریم [illegible] ساتھ
کیا ہے۔ اور زندگی نے کس مقصد کے لئے طرح طرح کے خلف
اختیار کئے ہیں۔

اس پرشارتھ کے سوال کے متعلق جواب دئے جائیں گے
گیان حاصل کرنا پرش کا مقصد ہے۔ تمام عیب نقص اور دلی

جسمانی خرابیوں سے نجات پانا مقصد ہے خواہشوں کا پورا ہونا مقصد ہے مگر باوجودیکہ سب کچھ کہا گیا۔ مگر سوال جہاں تھا وہاں ہی رہا۔ تو پوچھا جائیگا ہم گیان کیوں حاصل کریں۔ ہم کیوں نشٹ ہوں کیوں اپنے خواہشوں کی تکمیل کریں۔

ان سب باتوں کا جواب اگلے بابوں میں آ گیا ہے اور وہ جواب ایک لفظ میں ہے۔ اور وہ لفظ "سکھ" ہے۔ سکھ کی پراپتی اور دکھ کی نورتی پرم پرشارتھ ہے۔ یہ جواب ہے۔ اور یہ قطعی آخری۔ اور سارے منشیوں کو دور کرنے والا ہے انسان کے سارے خواہشوں کے پردہ میں سکھ حاصل کرنے کا جذبہ چھپا ہوا ہے۔ ایشور کی پوجا ہے سکھ کے لئے کی جاتی ہے۔ برہم گیان اپنے سکھ کے خیال سے پراپت کیا جاتا ہے۔ اگر یہ سکھ نہ ہو تو کوئی کیوں کسی طرح کا کام کرے۔ دنیا کو اور دنیا کے رہنے والوں کو ظاہر نظر سے دیکھو ہر ہر جاندار کیوں چکر میں ہے کیوں طرح طرح کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ کیوں اس قدر جدوجہد کیا کرتے ہیں جواب ملے گا۔ سکھ کی جستجو اور تلاش میں۔

اس سکھ اور اس سکھ کی خواہشوں کی چار صورتیں ہیں۔ ارتھ کام۔ دھرم۔ موکش۔

کسی مقصد کا حاصل کرنا ارتھ ہے۔ اس ارتھ کے لفظ میں دولت عزت سب کچھ آ جاتی ہے۔ کام خواہش کے طرح طرح کی حالت بدلنے کا نام ہے۔ جو اس کام کے سروپ کو نہ سمجھ کر اس کے جال میں پھنس گیا۔ پھر اس کے لئے کچھ دنوں کیواسطے خرابی ہے۔ کام ہو کام کی تعدیا نہیں کی جاتی۔ مگر اس کے ساتھ سلوک بھی بتایا گیا ہو۔ اس کی جو حیثیت ہے اس کو اتنا ہی اہمیت دی جائے۔ اس قدر کام کے

متعلق سمجھ لو۔

پھر ارتھ ہے۔ دولت وغیرہ سب کچھ حاصل ہو گئی۔ مگر سکھ نہیں ملا۔ دھن سمپت اور پدارتھ۔ حویلی۔ ہاتھی۔ گھوڑے اور نوکر ان سب کے حاصل کرنے میں وقت صرف کیا گیا بہت اچھا ہوا۔ مگر ان کی تغیر پذیر حالت دیکھ کر دل میں خیال آیا کہ یہ چیزیں بھگتی ہیں۔ ناشمان ہیں۔ ناپائدار ہیں۔ عارضی ہیں۔ کوئی ایسی چیز ملنی چاہیئے جو دیرپا ہے۔ ٹھہراؤ ہے جس میں قیام ہو۔

اور اس ٹھہراؤ۔ قیام۔ اور دیرپا والی شئے کا نام دھرم ہے جو انسان کو کچھ دنوں کے لیئے ایک خاص سکھ کی حالت میں قائم رکھتی ہے۔ دھرم اچھا ہے دھرم میں پرانیوں کو دھرنا چاہیئے۔ دھرم میں بیوہار کرنا چاہیئے۔

مگر ہر شخص کی زندگی میں ایک ایسا وقت آتا ہے جب اس کی طبیعت اس کی طرف سے بھی اُچاٹ ہو جاتی ہے۔ تم کو تعجب ہوگا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اور کیوں ہونا چاہیئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت دنوں کی مزاولت انسانی جذبات کے رُخ کو دوسری طرف پھیرنے کے لیئے مجبور کر دیتی ہے۔ دھرم میں نسبتاً پائداری ہے۔ کیونکہ دھرم آتما کے قریب پہنچاتا ہے۔ مگر پھر بھی پردہ کا پردہ بنا رہتا ہے یہ وجہ ہے کہ دل کے کریدنے والے اندرونی جذبات کچھ اور چاہتے ہیں۔ جو خود اختیاری اور آزادی کے درجہ تک پہنچا دیں۔ دھرم میں بندھن ہے۔ بندھن بُرا ہے۔ مانا وہ سب بندھنوں میں بڑھ کر ہے۔ مگر ہے تو بندھن۔ اور اس لیئے آتما چاہتا ہے کہ اس غلاف کو چاک کر کے دور پھینک دے اور وہ بچا رہے جس کی دل میں تمنا ہے۔

سوال ہے۔ اب کیا بتنا ہے؟ دھرم سے بڑھ کر کیا چیز ہے۔ جواب دیا
جائے گا۔ دھرم سے بھی بڑھ کر آزادی ہے۔ یہ آزادی موکش ہے۔ اسی کو
مکتی نجات اور رستگاری کہتے ہیں اور یہ سب سے بڑھ کر چیز ہے۔
دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ اس خواہش کی تکمیل ہو گئی۔ اس سے
بہتر خواہش کی آرزو ہوئی۔ تجربہ نے آہستہ آہستہ سکھا دیا کہ جہاں خواہش
ہے وہاں ہی جال ہے۔

چمن میں دانہ کی خواہش نہ کر کبھی طائر
کہ زیر دانہ بچھایا ہے دام شیطان نے

ادھرم برا ہے۔ دھرم اچھا ہے۔ دھرم کی مدد سے ادھرم کو برباد کرو
پھر دھرم اور ادھرم دونوں کو ملا کر خاک سیاہ کر دو۔ اور آزادی تندرستی اور
خوشی کے مناظر کا نظارہ دیکھو۔ تم کہو گے۔ اچھا آدمی ملا۔ جو دھرم سے بھی
بگاڑ کرانا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ دھرم سے کوئی بگاڑ نہیں کرانا چاہتا
روحانی عروج حاصل کرنے کے لیے دھرم سب سے اونچا زینہ ہے۔
کمال بھی ہے۔ مگر آخر بندھن کا بندھن ہے۔ اب میں تم کو ادھرم اور دھرم
کی ذرہ شکل دکھاتا ہوں۔ تب یقین ہے تم میری بات مان جاؤ گے +
ادھرم نقص اور کمی کو کہتے ہیں۔ دھرم البتہ اس کمی دور کرنے کا
ذریعہ ہے۔ مثلاً تمہارے پاؤں میں کانٹا لگ کر ٹوٹ گیا۔ دکھ دیتا ہے
کانٹا مکمل نہیں ہے۔ صرف ٹکڑا ہے۔ اس کے نکالنے کیلئے تم نے بڑا کانٹا
جو البتہ مکمل تھا لے لیا۔ اور اس کی مدد سے چھوٹے کانٹے کو نکال دیا
اور پھر دونوں کانٹوں کو پھینک دیا۔ بڑا کانٹا واقعی جسم میں گڑے
ہوئے کانٹے کے نکالنے کا یقینی ذریعہ ہے۔ مگر اس کا ہر وقت پاس
رکھنا بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ آخر وہ بھی کانٹا ہی ہے۔ نمون

جانے کے سبب آگے جا سکے گا۔ دھرم میں ادھرم ہتھیار پہنتا ہے۔ اور ہر انسان
کی زندگی میں ایسا وقت آتا ہے۔ جب وہ دھرم کے کام کرتے کرتے ادھرم
کر بیٹھتا ہے۔ اس لئے ادھرم اگر لوہے کی زنجیر ہے۔ ادھرم اگر نرک
کو لے جاتا ہے تو دھرم سورگ کو پہنچاتا ہے۔ نرک اور سورگ حقیقت
میں نسبتی حالتوں کا نام ہے۔ اس سے زیادہ ایک کو دوسرے پر فوقیت
نہیں ہے۔ اس لئے قدرتاً عقلمند آتما اس کو بھی دور پھینکنا چاہتا ہے تاکہ
دھرم اور ادھرم دونوں سے نجات حاصل کرے۔ اور آنند کی اوستھا جو فقط
اس کی اپنی ذات (سروپ) اور اپنا گیان ہے۔ پراپت ہو۔ پراپت تو وہ
اب بھی ہے۔ مگر کروڑوں برس کے خیالی۔ فرضی اور وہمی رشتوں نے
اس کو باندھ رکھا ہے۔ اور جیسے جیسے یہ رشتے ٹوٹتے ہیں۔ جیسے ہی ان
کو کاٹتے ہوئے چلے چلو۔ جس وقت یہ کٹ جائیں گے۔ مکتی پراپت ہوگی۔
یہ باندھنے والے رشتے ادھرم ہیں۔ اور جس چھری یا چاقو سے اس کو
کاٹا جاتا ہے وہ دھرم ہے۔ دھرم پیارا ہے۔ ہم اس کو مانتے ہیں۔ مگر
بھائی میرے اس کی ضرورت صرف اسی وقت تک ہے جب تک ادھرم ہے
جب ادھرم نہیں رہا تب دھرم کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ انسان مریض
ہے مرض اسے دور کرنے کی دوا اس کو کسی حکیم نے دیدی۔ وہ بھلا چنگا ہو گیا
مگر دوا کی شیشی کو اب بھی ہر وقت پاس رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کو خوف
ہے کہ پھر کبھی مرض نہ ہو جائے۔ یہ نادانی کی گفتگو ہے۔ کیونکہ مرض کا خیال
رکھنا ہی بیماری کی علامت ہے۔ اس خیال کو دور کیوں نہیں کر دیتے
کیوں دوسرا مرض پالتے ہو۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ دھرم اور ادھرم
دونوں کو تیاگ کر کے میرے چرنوں میں آجاؤ۔ میں تم کو آپ پریم دوں
گا۔ اور تم آزاد بن جاؤ گے۔ یہ مکتی ہے۔ یہ روح کی اصلی غرض ہے۔ اور اسی

مکتی کا دوسرا اور یقینی نام سکھ ہے۔

یہاں پھر تم کو حیرت ہوگی کہ کہاں مکتی اور کہاں سکھ۔ مگر حقیقت میں بات یہی ہے مکتی ہی کو سکھ بولتے ہیں۔ مکتی ہی سکھ ہے۔ آزادی تو کیسی میٹھی چیز ہے جس کے آتے ہی سارے بندھن کٹ جاتے ہیں۔ مکت ہو کر پھر آنند سے دوچار ہوتے ہیں۔

نہ بر اشتر سوارم نہ چو اُشتر زیر بارم
نہ خداوند رعیت نہ غلام شہریارم
غم موجود و پریشانی معدوم ندارم
نفسے میزنم آسودہ و عمرے میگذارم

یہ مکتی پرش کی پرم پرشارتھ ہے۔ یہی غرض ہے یہی مقصد اعلے ہے اور اسی کے لئے سب کچھ کیا جاتا ہے۔

مگر یہ مکتی کیسے پراپت ہو۔

سنت مت یہی کہا جاتا ہے کہ اس کے پراپت کرنے کے سادھن ہیں۔ سادھن ذریعے کو کہتے ہیں۔ اور وہ تعداد میں تین ہیں یعنی گورو ست نام اور ست سنگ۔ ان تینوں کی وضاحت آئندہ باب میں کی جائے گی یہاں صرف یہ بتا دینا ہے کہ یہ تریٹی یعنی سنت مت کی تثلیث کہلاتی ہے۔ اور انہیں تینوں کی مدد سے اعلیٰ مکتی پراپت ہوتی ہے۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بھی نہ ہو اور پھر ساتھ ہی سچا شوق پرارتھ اپرشارتھ کا نہ ہو تو پھر مقصد کی تکمیل میں دقت پیدا ہوتی ہے۔ اور تینوں کا تینوں کام نہیں ہوتا۔

چودھواں باب

سنت ستگور

گورو چار طرح کے ہوتے ہیں۔ ماتا۔ پتا۔ آچاریہ۔ اور ستگور۔ ان میں سے ستگور سچے گورو کو کہتے ہیں جس کا تعلق صرف پرمارتھی ہوتا ہے جس طرح کام۔ ارتھ۔ دھرم اور مکتی چار طرح کے ہیں۔ جو انسان کے دل میں خاص قسم کے جذبات پیدا کرنے کے قابل ہوں۔ دنیاوی ودیی گورو آچاریہ کو کہتے ہیں۔ جو اساماجک اور کبھی قدرے آتمک دھرم کی تعلیم دیتا ہے۔ اس میں دویا گورو بھی آ جاتے ہیں۔ ستگور سنت ستگور کو کہتے ہیں۔ جو صرف نورانی مارگ بتاتے ہیں۔ اور ان کا تعلق شش کے ساتھ صرف روحانی ہے۔ اور اس کی صحبت خدمت پرمارتھی جذبات کو حرکت دیتی ہے۔

سنت ستگور کو آچاریہ گورو سے نسبت نہیں ہے۔ وہ جبلی زیادہ کا حامی ہے۔ جو آہستہ آہستہ شش کی نگاہ کو اونچی کر کے دھرم اور کرم کے جھگڑوں سے ہٹاتے ہوئے صرف پرمارتھ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور مکتی پد کا ادھکاری بناتے ہیں۔

سنت ستگور کو نرا انسان سمجھنا سخت غلطی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سنت نے سنسار کے ادھار کے لئے انسانی جامہ اختیار کیا ہے۔ مگر ان کا اصل سروپ پرمارتھ ہے۔ اور وہ معراج ہے جو شاگرد کے دل و دماغ میں قائم کی جاتی ہے۔ اور وہ انہی کی مدد سے اس کی تکمیل کرتا ہے۔

دنیا میں حد درجہ کی غلطی اور غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ کہیں کہیں معمولی آدمی سنت ستگور کو اپنی طرح انسان سمجھتے ہیں۔ جس سے ان کے پرمارتھ کو نقصان پہنچتا ہے۔ جس کو سنت ستگور کہتے ہیں۔ وہ اصل میں روحانیت کا آدرش یا معراج ہے جو ہمیشہ خیالی ہوا کرتا ہے۔ اور

شاگرد اس کو سمجھ کر جب اس کو سنت ستگور کے ظاہری صورت کی
بدمت اپنے اندر دھیان کرنے لگتا ہے۔ اس کو طرح طرح کے پرچے
ملتے ہیں۔ اور ان پرچوں کا ملنا اس بات کا ثبوت ہے کہ پرمارتھ کے
منزل میں اس کو باریابی کا موقع نصیب ہو چلا ہے۔

تین چھوڑ کر چوتھا پد دینا
سنت نام ستگور گتی چینہا

جو تین اوستھا سے نکال کر چوتھی اوستھا کی طرف رہبری کرے
وہ سنت ستگور ہوتا ہے۔ چوتھی اوستھا آدرش اور آئیڈیل ہے۔

جب کسی کو خوش قسمتی سے ایسے گورو کی خدمت اور صحبت نصیب
ہوتی ہے تب اس میں روحانیت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ بعض آدمی
سمجھتے ہیں۔ جو کچھ ہم کو ملتا ہے کتابوں سے مل رہے گا۔ ہم پڑھ لکھ کر
پرمارتھ حاصل کر لیں گے۔ مگر یہ ان کی بھول ہے کتابیں جڑ پدارتھ ہیں
وہ مردہ ہیں۔ ان میں حرکت ہیں چیتن نہیں ہیں۔ وہ کسی حالت میں کسی
شخص کو سچا پرمارتھی نہیں بنا سکتیں۔ اگر کتابوں کے پڑھنے سے
لوگ پرمارتھی بن جاتے۔ تو جس طرح آجکل دنیا میں کتابوں کا سیلاب
آیا ہوا ہے۔ ویسے ہی پرمارتھ کا بھی سیلاب آگیا ہوتا۔ مگر پڑھے
لکھے عالموں میں سے کہیں بھی کسی میں سچے پرمارتھ کا رنگ نہیں نظر
آتا۔ اور نہ کبھی یہ ممکن ہے تاہم یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کبھی دنیا میں
سنت ستگور پرگٹ ہوتے ہیں۔ ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں
کا جیون پرمارتھی ہو جاتا ہے۔ جس نظر سے چاہو ان کو دیکھو اور اگر
تعصب اور ہٹ دھرمی نہیں ہے تو سچائی بآسانی ذہن نشین ہو سکے
گی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب تک پرمارتھی گورو نہیں ملتے۔ تب تک۔

آتمک بچھڑنا محال محال ہے۔ آتما کو آتمک پچھڑنا صرف آتما سے نصیب ہوتی ہے۔ علمی گورو یہ کام نہیں کر سکتے۔ آدمی ہزار عالم و عاقل ہو۔ بالکل کمال کلام کی قابلیت رکھتا ہو۔ مگر چونکہ اس میں خود آتمک قابلیت نہیں ہے۔ دوسروں میں آتمک بھاو کو حرکت نہیں دے سکے گا۔ بات بنانا روحانیت کے مضمون پر تقریر کرنا بہت آسان بات ہے۔ سنی سنائی باتوں کا اعادہ کون نہیں کر سکتا۔ مگر آتمک زندگی بسر کرنا دوسری بات ہے۔ اور وہ سخت مشکل ہے۔ محض ظاہری علم پڑھ کر کوئی پرمارتھی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ وہ نقال اور بھانڈ ہوگا۔ اور جہاں کہیں اور جب کبھی پرمارتھی زندگی کا سوال آوے گا۔ وہ منہ کے بل گر جاوے گا۔ اور اخلاقی لغزش کا آسان شکار ہو جائیگا اس لئے صاف لفظوں میں کہا گیا ہے۔

اندر آدر سایۂ آں عاقلے
کس نشاید بُرد رہ از نا قلے

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ گورو کی شرن اختیار کرو۔ ناقل یا بھانڈ کی مدد سے تو کبھی راہ پر نہ آسکے گا۔

جس کی صحبت اور خدمت سے یہ بات نصیب ہو کہ خود بخود شاگرد کے دل میں روحانی خیالات پیدا ہوں وہ گورو ہے۔

گورو کی پہچان مشکل ہے تاہم یہاں کچھ اختصار کے ساتھ حق کے متلاشیوں کے فائدہ کی نگاہ سے بتا دیا جاتا ہے۔ اس پہچان سے وہ سمجھ لے گا کہ گورو کیا ہے۔

پہلی پہچان یہ ہے کہ اس کے کلام کے سنتے ہی روح کی دھار اندر ہی اندر اوپر کی طرف رجوع ہوگی۔ اور شاگرد ایک قسم کا روحانی سرور

محسوس کریگا جو وجد کی حالت تک پہنچا دیتا ہے

گر گشتہ ایدا و سر انبیاں باز
جاں ببوسہ مرتبی رسا ترک نماز

دوسری پہچان یہ ہے کہ ان کی آنکھ و پیشانی پر ادھکاری کو پرمارتھ کا نور نظر آئیگا۔ جو اس کو خاص کشش کے ساتھ جسم کے سفلی طبقات سے کھینچ کر علوی طبقات کی طرف مائل کرے گا۔ اور آپ ہی آپ ادھکاری سمجھنے لگیگا کہ یہ سنت ستگورو ہیں۔

فقر را ز چشم دار بیباسے او
می شناسد ہر کہ دار د رنگ ہو

تیسری پہچان یہ ہے کہ ان کی زندگی پرمارتھی زندگی ہوگی وہ بخوبی سے پرمارتھ کی تعلیم دیتے ہوئے جیؤں کو اپنی طرف راغب کریں گے۔ روحانی گورو ایک طرح کے سورج ہوتے ہیں جن کے پرگٹ ہوتے ہی دنیا میں خاص قسم کا اُجالا آجاتا ہے جیسے چراغ کے جلتے ہی پروانے ہر چہار طرف سے اُس پر نثار ہونے کے لئے آتے ہیں۔ ویسے ہی پرمارتھی جیو آپ ہی ان کے گرد حلقہ مار لیتے ہیں۔ اور ان کے فیضانِ صحبت سے اپنا جنم سپھل کرتے ہیں۔

چوتھی پہچان یہ ہے کہ وہ شاگرد کی ظاہری حالت کو نہیں دیکھتے بلکہ باطنی و اندرونی حالات کو دیکھ کر اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ بسا اوقات وہ اکثر آدمیوں کو کہہ بھی دیتے ہیں کہ تم صرف عجائب پرستی کے خیال سے پرمارتھ میں آرہے ہو۔ جاؤ ابھی تحقیقات کرو۔

ما بروں را ننگریم و قال را
ما دروں را بنگریم و حال را

پانچویں پہچان یہ بھی ہے کہ وہ قومیت طمت اور پنتھ سمپردا ورن آشرم وغیرہ کا مطلق لحاظ نہیں رکھتے۔ جیسے مالک کی نگاہ میں ساری مخلوق ایک طرح کے ہیں۔ ویسے ہی وہ سب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کو یہ نہیں کہتے کہ تم اپنا آبائی دھرم چھوڑ دو۔ یا ظاہری مجلسی ضابطوں کی پابندی نہ کرو بلکہ وہ ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر مذہب کے آدمی کو بشرطیکہ اس میں کچھ ادھکار ہو اپنے چرنوں میں لگا لیتے ہیں۔ اور سمجھا دیتے ہیں کہ ہمارا تمہارا تعلق صرف روحانی ہے۔ تم چاہے جس پنتھ یا سمپردا کے ہو۔ اس سے بحث نہیں صرف اصلی پرمارتھ کو سمجھ کر اس کے سادھن میں لگو۔ صفت ستگورو کسی مسلمان ہندو۔ عیسائی یا جینی سے یہ سوال نہیں کرتے کہ اپنے آبائی دھرم کو چھوڑ کر تب ہمارے یہاں آؤ۔

خواہ ہندو خواہ ترسا یا عرب مرد حق ہرزہ حاجی طلب
بنگر اندر عزم و در آہنگ او منگر اندر نقش و اندر رنگ او
اے بسا ہندو و ترک ہم زباں اے بسا دو ترک چوں بیگانگاں

مذہب و قومیت کا سوال اُن کے یہاں نہیں ہوتا۔

ہل مل کھیلوں سب میں انتر رہی نہ لکھے
سب کا مت ایک ہے کیا پنڈت کیا شیخ

چھٹی پہچان یہ ہے کہ وہ اکثر محض اپنی کشش کی طاقت سے شاگرد کو دور فاصلہ پر رہ کر بھی تعلیم دیتے ہیں۔ اور زبان سے کلام نہیں لیتے۔

شیخ وافغان است بے آلت چو حق
با مریداں داد بے گفتن سبق

ساتویں پہچان یہ ہے کہ ان کے دربار میں بسا اوقات سوال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ آپ انترجامی لوگوں کے اعتراض کو موج کے ساتھ سمجھا کر تسلی دیتے ہیں۔

آٹھویں پہچان یہ بھی ہے کہ جب کبھی سنت پرگٹ ہوتے ہیں اپنی موج سے اپنی ذات خاص میں کچھ اس طرح کے سامان پیدا کر لیتے ہیں جن کو سنساری مکروہ سمجھتے ہیں۔ مگر پرمارتھی کے لیئے وہ کارآمد اور مفید ہوتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سنتوں کے ظہور کی شہرت سن کر اکثر سنساری جیو بھی محض عجائب پرستی کے خیال سے وہاں جا کر پرمارتھیوں کے کام میں گھن ڈالتے ہیں۔ بظاہری مکروہ حرکت سچے پرمارتھیوں کو تو ان کی طرف کھینچ لیتی ہے۔ ان کی نگاہ سچائی اور اصول کی طرف ہوتی ہے۔ مگر ظاہرین اور دنیا کے کتے ان کو دیکھ کر اس طرف رجوع نہیں ہوتے۔ اور ست سنگ میں جا کر پرمارتھیوں کا نقصان نہیں کر سکتے۔ یہ حرکت سنتوں کے دربار کی پاسبانی کرتی ہے۔

پر یہ بات بہت اچھی ۔۔۔ سنت کرا دیں نندا اپنی
نندا چوکیدار بٹھائی ۔۔۔ کوئی جیو جسے نہیں پائی
پر لا جو ہوے انوراگی ۔۔۔ نندا سے جو چین چین بھاگی
نندا سن نہیں چت لاوے ۔۔۔ سنتن کی وہ جگت کماوے

یہ نندیا کا سامان جان بوجھ کر پیدا کیا جاتا ہے۔ تاکہ صرف ادھکاری داخل ہو سکیں۔

در درویش را دربان نباید ۔۔۔ بباید تا سگ دنیا نہ آید

نویں پہچان یہ ہے کہ سنتوں کے ظاہر ہوتے ہی پرمارتھ کا سیلاب دنیا کے ساتھ آجاتا ہے۔ جوق جوق آدمی سچے پرمارتھی بن

جاتے ہیں جو پرمارتھ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ اور اس
معجزہ کو دیکھ کر سنساری حیران رہ جاتے ہیں۔ ان کی اعلےٰ زندگی جو
بےخودی۔ ایثار نفسی اور بےغرضی کا نمونہ ہوتی ہے۔ دنیا پر اپنا سکہ بٹھا
دیتی ہے اور پھر پرمارتھ کی اشاعت اس زور شور کے ساتھ ہوتی ہے۔
کہ جس کا حد و حساب نہیں۔

دسویں پہچان یہ ہے کہ جب کبھی سنت ستگور پرگٹ ہوتے ہیں
وہ صرف سرت شبد یوگ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور مذہب کے ظاہری
رسمی بندھنوں سے چھوڑا کر صاف صاف لفظوں میں بتا دیتے ہیں
کہ مالک کے سوا اپنے گھٹ کے اور کہیں تلاش نہ کرو۔ تمہارا ہی گھٹ اصلی
مندر ہے۔ اور اس میں مالک کا درشن ہوگا۔ سنتوں کا طریق چونکہ اعلےٰ
آزادی کا طریق ہے وہ صرف آزادی کی تعلیم دیتا ہے اور بس۔

گیارہویں پہچان یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً انتر میں اپنے شاگردوں
کی سنبھال کرتے ہیں۔ حاضر غائب سب کو ان سے مدد ملتی ہے

دست پیر از غائبان کوتاہ نیست ۔ دست او جز قبضۂ اللہ نیست
مرد را دست دراز آمد یقین ۔ بر گذشت از آسمان ہفتمین

یہ چند پہچانوں کی صورتیں ہیں جو کلی اور قطعی نہیں کہی جا سکتیں۔
اگر ان میں سے شاگرد کے دل میں کوئی نہیں جچتی تو وہاں سنت مت
کی یہ تعلیم ہے۔ کہ کبھی گورو کو یوں ہی محض دکھاوے کے خیال سے
قبول نہ کرو۔ ورنہ نقصان کا خوف رہے گا۔

گر ملک یابی جان خویش ۔ ور نہ دانی رہ مرو تنہا تو پیش

یہ سب موٹی موٹی باتیں کہہ دی گئی ہیں۔ ورنہ بہت سی باتیں
ایسی ہیں جو اہل طریقت تنہائی خود انبھو کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے

ہیں۔

بس نشانی ہا کہ اندر اولیاست ۔ خاص آن جاز ابود کو آشناست

ان کے سوا اور اگر کوئی شخص اُن کا امتحان کرنا چاہے تو وہ اسکی سخت غلطی ہوگی اور وہ ناحق اپنا اکاج کرے گا۔

ارض اللہ قلب عارف است ۔ لامکاں است و ازا فوق بست

گر بیاید ذرہ سنجد کوہ را ۔ بدرد کوہش ترازوش آ فتنے

مرد حق را در ترازو می کشد کز قیاس خود ترازو میکند

دنیا گوروؤں سے بھری ہوئی ہے۔ اکثر نقال مان بڑائی کے بھوکے اور سکھ سماکھ بڑھانے کے لیئے تیار ہوتے ہیں۔ ان سے بچ کر رہنا چاہیئے۔ یہ بھوکے اور ننگ لچے بھکاری ہوتے ہیں جو شاگردوں کا مال ہڑپ جاتے ہیں

سوچ سمجھ کر گورو دھارن کرو۔ اور پھر ان پر اپنا سب کچھ قربان کرو ان کو آدرش مان کر اپنے اندر ان کے روپ کو ساکشات کرنے کا خیال رکھو یہ آدرش اور روپ خود تمہارا ہی روپ ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے اور نہ وہ ہاڑ ماس کا بنا ہے۔

گورو کا ظاہری سروپ شیشہ کے اندر باطنی سروپ کا ساکشات کروانا ہے۔ اس کے درس برس سے اندرونی اور سچائی کے درشن کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر اس کی پراپتی محال ہوتی ہے۔ اس کی عزت کی جاتی ہے۔ اور اس کا سہارا لے کر اپنے اندر حق الیقین کا درجہ حاصل کر لیا جاتا ہے

اگر ایسے گورو مل جائیں تو کیا کہنا ہے۔ اس سے زیادہ خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے۔

اور جب تک یہ گورو نہیں ملتے پرمارتھ کی کمائی مشکل سے ہوتی ہے۔ یہ بھی سچی بات ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔

جب ایسے گورو پراپت ہو جائیں نفس امارہ آپ مغلوب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی مقناطیسی قوت روح غالب کے لئے مددگار ہوتی ہے۔

ہیچ نہ کشد نفس را جز ظل پیر — دامن آں نفس کش را سخت گیر
گر بگیری سخت آں توفیق ہو ست — ہر کہ قوت در تو آید جذب او ست

جو وشے بھوگ سے خالی ہے۔ اس کو اپنا تن من سپرد کرو۔ تاکہ وہ تم کو اپنی طرح بنا لے۔ اور تم اس کے تصور سے پرمارتھی مجسم بن جاؤ

تن من تا کو دیجئے۔ جا کے وشیا ناہنہ
آپا ساری چھانڈ کر۔ راکھے صاحب باہنہ
من دیا تو سب دیا۔ من کے سنگ شریر
اب دینے کو کیا رہا۔ یوں کتھہ کہیں کبیر
تن من دیا تو بھل کیا۔ سر کا گیا ہے بھار
جو کبھوں کہہ میں دیا۔ تو بہت سہے گا مار
تن من دیا تو کیا ہوا۔ نج من دیا نہ جائے
کہیں کبیر تا داس سوں۔ کیسے من پتیائے
تن من دیا آپنا۔ نج من تا کے سنگ
کہیں کبیر دلے بھیا۔ سن سنگور پرسنگ
نج من تو چرن گیا۔ چرن کنول کی ٹھور
کہیں کبیر گورو ولیہ بن۔ نظر نہ آوے اور

باہر گورو کا درشن کرو۔ انتر گورو کا ساکشاتکار کرو۔ اپنے آپ

کو پرکاش سروپ بنا لو۔

کوٹن چنداں اُگویں۔ سورج کوٹ ہزار
ستگور ملیا باہرا۔ دیکھے گھور اندھکار

کیوں ٹٹول ٹٹول کر بیہودہ ہاتھ پیر مار رہے ہو۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا بھیدی کو کیوں ساتھ نہیں لیتے کہ راستہ آسانی سے کٹ جائے۔

دستو کہیں ڈھونڈھتے کہیں کہیں بدھی آوے ہاتھ
کہیں کبیر تب پایئے۔ بھیدی لیسا ساتھ
بھیدی لیا ساتھ کر۔ دنیا دستو لکھائے
کوٹ جنم کا پنتھ تھا۔ پل میں پہنچا جائے

کیا تم نے اب گورو کی مہما جان لی۔ اگر جان لی تو تم مبارک ہو۔

جاگموجت برہا ٹھگے۔ سرنر من دیوا
کہیں کبیر سن سادھوا ستگور کر سیوا

بھیکھ مانگنے والے۔ شہرت پرست۔ دولت پرست۔ حرص پرست کبھی گورو نہیں ہوتے۔ نہ ہو سکتے ہیں۔ اگر دھوکے میں آگئے تو ان کو ترک کر دو۔ اور سچے گورو کی تلاش کرو۔ ورنہ تم بھی بھیکھ منگتے ہو گے۔ اور کارتھ سے خالی ہاتھ جاؤ گے۔

پورا ستگور نہ ملا۔ سنی ادھوری سیکھ
سوانگ جتی کا پہن کر۔ گھر گھر مانگی بھیکھ
جھوٹھے گورو کی پکش کو۔ تجت نہ کیجے بار
دوار نہ پاوے شبد کا۔ بھٹکے بارمبار
سانچے گورو کی پکش میں۔ من کو دے ٹھہرائے

چنچل سے نشچل بھیا۔ نہیں آوے نہیں جائے

گورو کا آدرش، یہ عالی اور خیالی ہے۔ یہ کبھی نہ سمجھو کہ تم کو مُردم پرستی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ اگر ایسا سمجھتے ہو تو غلطی ہے۔ گورو انسان کو نہیں کہتے۔

گورو تمہارا کہاں ہے۔ چیلا کہاں رہائے
کیونکر کے ملنا بھیا۔ کیوں بچھڑے آو جائے
گورو ہمارا اگگن میں۔ چیلا ہے گھٹ مانہہ
سرت شبد ملنا بھیا۔ بچھڑت کبھوں نا ہانہہ

جو یہ کہتے ہیں کہ مرشد پرستی مردم پرستی ہے۔ وہ نادان ہیں اور اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے۔ تو کیا وہ کتاب پرستی جڑ پرستی ونشان پرستی سے بڑا ہے۔ انسان پھر بھی چیتن ہے۔ مگر نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ گورو انسان کا نام نہیں ہے۔ اور نہ گورو کوئی انسان ہو سکتا ہے وہ کوئی اور چیز ہے۔ وہ آدرش ہے۔ جس کے آدھار پر پارتھ کی سچی کمائی ہوتی ہے۔

گورو کو مانش جانتے۔ تے نر دوزخ کنوار
جبر ساگر کے بھند رہیں۔ ڈوبیں بار بار
گورو کو مانش جاننے۔ تن من ادھک بکار
گورو کیا ہے دیہہ کا۔ کیسے ہوئے ادھار
گورو کو مانش جانتے۔ بھگتی بھاو کیا ہوئے
ترے نہ تارے آپ کو۔ موڑھ کہا وے سوئے

پندرہواں باب

ست سنگ

ست سنگ کا نام ست سنگ ہے

ست نام ہے مالک کا۔ اور وہ وہاں رہتا ہے۔ جہاں سنت سنگور
درا جمان ہوتے ہیں۔ اور جہاں مالک کے سچے بھگتوں کا مجمع رہتا ہے

من ہیرا انچھیں بھیا چڑھ کر چلا اکاش
سورگ لوک خالی پڑا صاحب سنتن پاس

اور ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ جہاں جس خیال جس عقیدے اور جس
جذبات کے لوگ رہتے ہیں وہاں ہی ان سب کی مجسم صورتیں اور
عملی ہیئتیں نظر آتی ہیں۔ علم کا امکان مدرسہ و کالجوں ہی ہے۔ دوا کا
امکان شفاخانہ ہسپتال اور دوا خانوں میں ہے۔ حکومت کا امکان راج
دربار اور لشکر میں ہے۔ گرمی کا امکان وہاں ہے۔ جہاں آتشکدے ہیں۔
اور لکڑیوں کا انبار جل رہا ہے۔ طراوت کا امکان وہاں ہے جہاں پانی
کی بوندوں کا ذخیرہ رہتا ہے

پانی کے بوند اکٹھے ہو کر سمندر بناتے ہیں۔ ریت کے ذرے مل ملا
کر ریگستان کا تماشہ دکھاتے ہیں۔ پھول اور پھول کے درختوں کے
مجموعے اور ہرے بھرے کیاریوں کے کثرت میں باغ نظر آتا ہے۔
گرمی کے پرمانو ایک دوسرے سے گتھ کر اگنی کی شکل و صورت

کی زیارت کراتے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ جہاں بھگت جن نواس کرتے ہیں۔ وہاں ہی مالک رہتا ہے۔ کیونکہ وہاں بھگتی کے جذبات کا۔ پریم کے خیالات کا اور اچھے بھاؤں کے محسوسات کا انبار ہے۔ اور یہ بھگتی کے جذبات، پریم کے خیالات اور اچھے بھاونا کے محسوسات کی مجموعی صورت سچ مچ مالک کی صورت ہے۔ مالک پریم سروپ ہے۔ وہ سرچشمہ ہے جس سے پریم کی لہریں نکل کر تین دکھوں کے ستائے ہوئے پرانیوں کے کھیت روپی دل کو شاداب اور سیراب کرتی ہیں۔ اور ان سے دوسرے پرانیوں کو سکھ اور شانتی نصیب ہوتی ہے۔

یہ بھگتوں کا مجمع ایک امنڈتا ہوا بے پایاں کنار سمندر ہے۔ جس کے پریم کی لہریں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ اور سارا زمین و آسمان، عرش اور کرسی۔ طبقات علوی و سفلی اس کے ٹھنڈے کرنے والے اثرات سے شانتی کو پراپت ہوتے رہتے ہیں۔

یہ سنسار ایک زبردست آتشکدہ ہے جس میں تین طرح کے دکھوں کی پرچنڈ اگنی زور شور کے ساتھ جل رہی ہے اور پرانی ایندھن کی طرح جل رہے ہیں۔ ان کے آہ و فغاں کے نالوں سے کان بہرے ہو رہے ہیں۔ ان مصیبت زدوں کی صورت کون دیکھے۔

آتشکدہ ہے دنیا جتنے ہیں اس میں انسان
بل من مزید کہتی ہے سب اس سے ہیں پریشان

یہ سنسار ایک پر جوش سمندر کی طرح طغیانی پر ہے۔ جس میں بیشمار گرداب ہیں۔ آدمی انہیں ڈوبتا اور تیرتا رہتا ہے۔ بیچارے کو سانس لینے کا موقع ہاتھ نہیں آتا۔ اس کی حالت دیکھ کر کون ایسا شخص ہے

جو ہمدردی کے آنسو نہ بہائے گا۔ ان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا

مگر ایسی مصیبت کی موجودگی میں سنتوں کا ست سنگ ایک ایسی نعمت بے بہا ہے جو سنسار کے ستائے ہوئے پرانیوں کے لیے شانتی اور صبر و قرار کا آدھار ہو جاتا ہے۔ اور جو اس کا سہارا لیتے ہیں۔ شانت ہو کر صرف آپ ہی بھوساگر سے نہیں ترتے ہیں۔ بلکہ اُن کے ملنے جلنے والے ساتھی بھی اگر رفاقت کا دم بھرتے ہیں تو وہ بھی تر جاتے ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے کہ ندی نالوں کا جل گنگا میں جا کر گنگا جل ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ قصائی تک کے گھروں کا لوہا پارس سے مل کر کندن ہو جاتا ہے۔ اگر یہ امر واقعہ ہے کہ ارنڈ اور نیم کے درخت چندن کے پاس رہنے سے خوشبودار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ بات صحیح مانی جاتی ہے ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد۔ تو یہ بھی قرین قیاس ہے کہ جو ست سنگ میں جاتے ہیں ان پر ست کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اور وہ پرمارتھ کے خراد پر چڑھ کر نئے رنگ میں پرگٹ ہوتے ہیں۔

ست سنگ کی مہما بڑھ سے بڑھ کر ہے۔ کوئی اس کا بیان کیا کر سکتا ہے۔ کس کے منہ میں زبان ہے کہ اس کی بڑائی کر سکے۔

ست سنگ ایک محفل ہے جس میں سنت ستگورو شمع کی طرح پرکاش وان ہو کر سب کو اپنا پرکاش دیتے ہیں۔ اور جو اس پرکاش کے زیر اثر آ جاتا ہے وہ اپنے کو دیکھتا ہے۔ دوسروں کو دیکھتا ہے۔ اور گورو کو دیکھتا ہے یہاں تک تو دوئی کا درجہ رہتا ہے۔ لیکن جہاں

پرکاش نے اپنا اثر پیدا کیا۔ وہ پرکاش سروپ بن کر شمع کی طرف پروانہ کی صورت میں دوڑتے ہیں۔ اور اس سے مل کر ایک ہو جانے کے متمنی ہوتے ہیں۔ یہ توحید اور وحدت ہے۔

چیست توحید خدا آموختن
خویشتن را پیش واحد سوختن

اب ان کی زندگی اپنی زندگی نہیں رہتی۔ وہ گورو کی زندگی ہو جاتی ہے وہ نفسانیت سے آزاد ہو جاتے ہیں اور مالک آپ اُن کے دل دو ماغ میں جگہ قبول کر لیتا ہے۔ یہ فنا فی الشیخ اور فنا فی اللہ کا درجہ ہے۔

جب میں تھا تب گورو نہیں جب گورو ہیں نا نہ
پریم گلی اتی سانکری تا میں دو نہ سما نہ

پارس کے چھو جانے سے لوہا سونا ہو جاتا ہے۔ اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ مگر وہ دھات کا دھات رہتا ہے۔ اور پھر کبھی پارس نہیں ہوتا۔ اور اس اگر کوئی چھو جائے تو وہ پارس نہیں بنتا۔ مگر ست سنگ کی مہماکوئی کیا کہے۔ جس نے ست سنگ کیا وہ ست ہو گیا۔ اس کے حصہ میں جاودانی زندگی آ گئی

رِدّھ سِدّھ مانگوں نہیں۔ مانگوں تم پے ایہہ
نس دن سنگ درشن سادھ کا کہیں کبیر موہے دایہہ

دنیا میں ہمدرد انسان دیکھے جاتے ہیں۔ جو بہت تدبیروں سے انسان کے دکھوں کا علاج بتاتے ہیں۔ مگر ایسا کوئی نہیں نظر آتا جو لوگوں کے دکھ کو خود لے لے اور ان کو اپنے جیسا بنا لے۔ یہ مہما صرف ست سنگ اور سادھ سنگ کی ہے۔

سکھ دیویں۔ دکھ کو ہریں مٹیں سب اپرادھ
کہیں کبیر وہ کب ملیں۔ پریم سنیہی سادھ
بار بار کر جوڑ کر۔ سبنے کروں پکار
سادھ سنگ موہے دیو نت۔ پریم گورو داتار

ست سنگ میں کال اور مایا کی عملداری نہیں رہتی اور انسان اسمیں اپنے آپکو بھلا دیتا ہے خربوزہ خربوزے کو دیکھکر رنگ پکڑتا ہے روحانیت کا فوارہ جاری ہے جو آیا اُس پر پریم کا بوند چھڑک دیا گیا۔ اور وہ پریم کی مورت بنگیا۔ اگر تم روحانی نقطہ نگاہ سے کال اور مایا کی اصلی مراد کو نہیں سمجھتے تو ہم تم کو ظاہری طور پر بھی اُسکا ارتھ بتا سکتے ہیں کال کہتے ہیں۔ وقت کو۔ مایا کہتے ہیں سنسار اور سنساری پدارتھوں کی باسنا اور تفکرات کو۔ ست سنگی ست سنگ میں آیا۔ شردھا اور بھگتی بجا لیکر آیا ہے چت سے بچن سنتا ہے۔ شبد کے پر اثر مضمون میں محو ہو جاتا ہے۔ اسکو خبر بھی نہیں رہتی کہ وقت کیا ہے اور کیسے گزر گیا اور جبتک وہ ست سنگ میں ہے اسکے پاس دنیا کی فکر بھولکر بھی آتی نہیں کیونکہ جہاں پریم ہے وہاں خاص قسم کے سرور اور محویت کی حالت طاری ہوتی ہے۔ جو آتما ہے اپنا میل جلا دیتا ہے اور اصلی رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اسلئے ست سنگ کی مہما ادھک ہے۔

ہم تم کو یہ نہیں کہتے کہ تم با اخلاق بنو خواہ علم اخلاق کے سیکھنے و تہذیب نفس کے مشاقی میں بہت وقت صرف کرو۔ ہم سچے دل سے تم کو دعوت دیتے ہیں کہ سنتوں کے ست سنگ میں جاؤ۔ وہاں تندرستی و تازگی کی ہوا تم کو روحانی طور پر خود بخود تندرست اور تازہ دم بنا دے گی اور تم دیکھتے دیکھتے با اخلاق ہو جاؤ گے۔ دودھیان ہو کر ہت چت سے رور بچن سنتے سنتے تم کو بآسانی من اور اندریوں کے روکنے کی طاقت آتی جائیگی اور نیک خیالات کی امرت کی دھار کو نت پان کرتے ہوئے

تم کو سچے معصوم اور بھنگ ہو جاؤ گے اور بس یم نیم کی نادان دنیا ڈھنگیں مار تی ہے اور اس میں کوئی یم نیم والا نہیں نظر آتا وہ تم کو یہاں بطور دات کے ملے گا۔

ست سنگ میں جا کر گورو اور سادھ کی سیوا کرو۔ ست سنگ میں جا کر مالک کے پریم کی دھارا کا دُو ست سنگ میں جا کر مالک کا دھیان کرو۔ اور من بچن کرم سے شدھ ہو جاؤ گے پھر آپ ہی آپ جان جاؤ گے کہ کیسے آسانی سے تم آپ ہی آپ بغیر کسی باہری اور سخت سادھن کے یم اور نیم والے بنتے جارہے ہو جس بات کیلئے اور جگہ فضول محنت کرنی پڑتی ہے اور پھر بھی نتیجہ قابل اطمینان نہیں ہوتا۔ ست سنگ میں وہ بطور دات کے بخشی جاتی ہے۔ نادان اس کو نہیں سمجھتے۔

سُور کہو جن کو بی مرم نہ جانے ست سنگ میں امرت برسے

ست سنگ کرنیوالوں کے لئے بالکل ضروری نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ کتاب پڑھیں کتاب پڑھنے والے روحانی زندگی سے اکثر محروم رہ جاتے ہیں اور چار پائے بر کتابے چند کے مصداق بنتے ہیں ست سنگ میں جو لوگ روز روز مہاتما کے بچن سنتے ہیں اُنکا انکو شروں نن اور ندھیاسن ہوتا رہتا ہے شروں سننے کو منن وچار کرنے اور ندھیاسن مافی الضمیر کرنیکو کہتے ہیں۔ علم حاصل کرنیکا ذریعہ کتاب ہی نہیں ہیں یہ سننے سے بھی آتا ہے بلکہ سننے والے نسبتاً علم کے زیادہ جذب کرنیوالے ہوتے ہیں۔ کیونکہ سوچنے کی وجہ سے اُنکے دل و دماغ روز بروز زیادہ لطیف ہوتے جاتے ہیں۔ اور چونکہ ایک ہی وقت میں ایک ہی خیال کے لوگ ایک جگہ بیٹھکر ایک بات کو ایک نقطہ نگاہ سے سنتے سوچتے اور سمجھتے ہیں۔ ست سنگ میں اس خاص خیال کا ایک قدرتی منڈل بنجاتا ہے۔ جہاں اس خیال کی لہریں اُمنڈ اُمنڈ کر لہراتی ہیں اور سب

کوان کے زیر اثر آنا پڑتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جنکو خوش قسمتی سے ست سنگ کا موقع ملا ہوا ہے۔ ان کی شکل۔ صورتیں بسبب خاص قسم کی لطیف ہوتی جاتی ہیں اور بہ آسانی وہ دوسروں سے تمیز کرتے جاتے ہیں۔

انسان اپنے خیالات اور جذبات کا رنگ و روپ ہے۔ جو جیسا سوچتا ہے ویسا بولتا ہے ویسا ہی کرتا ہے۔ جو جیسا سوچتا بولتا اور کرتا ہے۔ ویسا ہی بنتا ہے اور اس کے جسم دل و دماغ کے پرمانو خاص قسم کے ہوتے جاتے ہیں۔ جو برکت ست سنگی کو نصیب ہے وہ دوسروں کو کیسے مل سکتی ہے۔ ایک کا دھرم زبانی ہے ان کا عملی ہے۔ وہ کتاب پڑھکر چھوڑ دیتا ہے۔ ہر روز ست سنگ کا گھسا کھاتے ہوئے اس کا قدرتی طور پر عامل بنتا جاتا ہے۔ سنساری مت والے کہنے کو کہتے ہیں "اہنسا پرم دہرم ہے" مگر یہ من بچن کرم سے ہمیشہ چھوری چلاتے رہتے ہیں۔ دلآزاری ان کا شیوہ اور کرم دھرم ہے۔ ست سنگی ایسا نہیں کرسکتا۔ اسکا من قابو میں ہے اسکی زبان قابو میں ہے اور اسکا ہاتھ قابو میں ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دھرم کیا چیز ہے اور چونکہ روزانہ ست سنگ کے رگڑے کھا کھا کر دہرم اس کا جیون بنگیا ہے اسکے نسبت ہونیکا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ دوسروں کا نہیں۔

ست سنگ اسلئے ایک زبردست روحانی مدرسہ ہے انسان کو پریم کا عملی سبق پڑھایا جاتا ہے ست سنگ ایک عجیب و غریب کارخانہ ہے جس میں انسان کے من کی گرہ بہت کی جاتی ہے۔

سادھ سنگ میں چاند نا سکل اندہیرا ور۔ سبھو درلب پایئے ست سنگ میں ٹھور
سادھ سنگ نیر رتھ برو تا میں بیرو چار۔ سبھو نہائے پایئے بھگتی پدارتھ چار
جو آوے ست سنگ میں ذات برن کل کھو۔ سبھو میل کچیل جل۔ ملے سو گنگا ہوئے
سبھو سنگت سادھو کی۔ کاگ ہنس ہو جائے۔ تج کے بھکش ابھکش کو موتی چن چن کھا

یہانتک جو بیان کیا گیا وہ ظاہری ست سنگ ہے مگر اسکے سوا ایک طرح کا ست سنگ اور بھی ہے جس کو باطنی ست سنگ کہتے ہیں۔ وہ اپنے انتر میں مالک کا جلوہ دیکھنا ہے۔ جو انتری ابھیاس اور انتر مکھی سادھن سے تعلق رکھتا ہے۔

سولہواں باب

نام

نام گورو کانت کا ؤ میرے سادھو نام گورو نت گا ؤ

(۱) نام ہی گیان دھیان پن نام ہی ... نام ہی گا ئے سنا ؤ میرے سادھو
(۲) نام ہی پاٹ نام ہی پوجا ... نام سے نیہہ لگا ؤ میرے سادھو
(۳) نام ہی جوگ اور نام ہی منتر ا ۔ نام کی تاڑی لا ؤ میرے سادھو
(۴) نامی نام میں انتر نہیں کچھو ... بھید الو لک پا ؤ میرے سادھو
(۵) نام کی مہما کیا کوئی جانے ۔ نام جپو جپوا ؤ میرے سادھو
(۶) نو کا نام نام ہی کھیو ٹ ... نام سے تر تر اؤ میرے سادھو
(۷) نام ورس اور نام پرس ہے ۔ نام روپ ورسا ؤ میرے سادھو
(۸) نام ہی سیت بندر ا یشور ۔ نام سے الکھ جگا ؤ میرے سادھو
(۹) لو لگی رہے نام سنگ نس دن ۔ نام پدارتھ پا ؤ میرے سادھو
(۱۰) جپ تپ تیرتھ سب کچھ تیا گو ۔ نام کی جوت جگا ؤ میرے سادھو
(۱۱) نام سے روپ گورو بنے درسے ۔ نام سے الکھ لکھا ؤ میرے سادھو
(۱۲) نام دویت کا بھرم بنا سے ۔ پد ادویت میں آ ؤ میرے سادھو
(۱۳) پریم پریت رہے نام سے انتر ۔ نام بھجو بھجوا ؤ میرے سادھو
(۱۴) نام سارے گھٹ کے بھیتر ۔ نام کی دھونی رما ؤ میرے سادھو

(۱۵) نام امی رس پر یم پیا لا ۔ امرت نام چکھاؤ میرے سادھو
(۱۶) نام کی بنسی نام کی مُرلی ۔ نام کا شنکھ بجاؤ میرے سادھو
(۱۷) سور تو رکی کٹھن جیوری ۔ نام سے بندھ کٹاؤ میرے سادھو
(۱۸) واہ جگت سے چت ہٹاؤ ۔ گھٹ میں شور مچاؤ میرے سادھو
(۱۹) رادھا سوامی نام ذات ہے گورو کی ۔ نام ہیہ میں لبساؤ میرے سادھو

نام گورو نت گاؤ

نام کیا ہے؟ اس کا جواب سہل بھی ہے مشکل بھی ہے۔ جن کو گورو مل گئے ان کے لئے سہل ہے۔ جن کو گورمکھ دوارا نام کی پراپتی نہیں ہوئی ان کے لئے یہ نہ صرف مشکل ہے۔ بلکہ اس کا سمجھ میں آنا مشکل کبیر ہے۔

نام نامی میں بھید نہیں ہے جن کو نام مل گیا ان کو نامی بھی مل گیا جن کو نام نہیں ملا وہ نامی سے کوسوں دور ہیں ۔

تمیاں اسم و مسمے چو فرق نیست ببیں ۔ تو در تجلئے اسما جمال نام خدا
(خواجہ معین الدین چشتی)

روحانی طبقات میں پرواز کرنے کے لئے نام کے پروبال کی ضرورت ہے۔ روحانی عالم کی سیر صرف نام والے طیور کا حق ہے۔ یہ دولت ہر کس و ناکس کے حصہ میں نہیں آتی "طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست" اگر مالک کا جلال و جمال دیکھنا ہے تو نام کے پر بازو سے باندھ کر مقام بالا کی طرف اڑ کر چلے چلو ۔

ترا سزد طیران در فضا عالم قدس ۔ بشرط آنکہ بہ پری بہ بال نام خدا

ترجمہ:- نام میں اور نامی میں چونکہ فرق نہیں ہے تو ناموں کے نور خدا کے جمال کی زیارت کر۔ تجھ کو قدسی مقام کی سیر کرنی چاہئے بشرطیکہ تو خدا کے نام کے بازو باندھ کر اوپر کی طرف اڑ سکے

اے مالک کا سچا طالب! کیا تجھ کو سچ مچ اس سے ملنے کی خواہش ہے۔
پھر کیوں نہیں رات دن اس کے نام کو رٹتا ہے۔ وہ نام ہی ہی ہے۔

وصال حق طلبی ہمنشیں نامش باس۔ بود وصال خدا در وصال نام خدا
یقیں بداں کہ با حق نشستہ شب روز۔ چو ہمنشین تو باشد خیال نام خدا

اگر دل ناپاک ہے تو اتنی فکر مت کر۔ اگر دل یکسو نہیں ہوتا تو پریشان مت ہو۔ اگر دنیا وی وسوسات ستاتے ہیں تو کیا پرواہ ہے۔ ذرا نام سے تعلق پیدا کر۔ یہ سب جل کر خاک ہو جائیں گے اور یونہی بلا محنت و مشقت پاک و صاف بن کر مالک کا سچا پریمی بن جائیگا۔

جمال دوست ز آئینہ دلت تابد اگر زدودہ شود از صقال نام خدا

نام جو رتی ایک ہے پاپ جو رتی ہزار
آدھ رتی گھٹ سنچرے۔ جار کرے سب چھار
نام جپت سب مٹ گئے من منسا کے دواگ
مانو گھاس کی ڈھیر میں۔ لاگی چنگی آگ
نام جپت سب جر گئے من مایا کے پھند
دیکھت دیکھت مٹ گئے سب پہونچ کے دوند
نام جپت یوں ہی گئے۔ کام کرودھ مد لوبھ
اب تو نام پرتاپ تے رہی نہ مایا چھوبھ (کبیر صاحب)

تو مانگتا کیا ہے نام کو مٹھی میں کرلے سب کچھ تجھ کو خود بخود مل رہیگا۔

جا کی پونجی نام ہے تا کے ہیں سب ردّہ
کر جورے ٹھاڑے رہتے سبھی۔ اٹھ سدھ نو ندھ

ترجمہ: اگر خدا کا وصال منظور ہے تو اس نام کا جاپ کر کیونکہ خدا کا وصال نام کے وصال ہی میں ہے اگر تو صبح رات دن لگی ہوئی ہے تو یقین کر کے تو ہمیشہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ (۲) دوست کا جمال تیرے آئینہ دل سے خود بخود چمک دیگا۔ بشرطیکہ نام کے صیقل سے اس کو صاف کر لیا جائے۔

بس میں کیا کرنا ہے تو تو کیا کر۔ تو خود اس سے مل کر ایک ہو رہے گا اور پھر اسکے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔

تو تو کرتا تو بھیا۔ مجھ رہی نہ ہوں
واری تیرے نام پر جہاں دیکھوں تہاں توں

نام! نام!! نام!!! نام ہی سب کچھ ہے۔ نام ہی میں سب کچھ ہے۔ نام ہی سے سب کچھ ہے۔ جنہوں نے نام کو نہیں جانا انہوں نے کچھ نہیں جانا جن کو نام نہیں ملا ان کو کچھ بھی نہیں ملا۔ خالی ہاتھ آئے خالی ہاتھ چلے گئے۔ زندگی کے لطف سے محروم رہے۔ آئے تھے بازار میں سودا خریدنے ہاتھ کی پونجی بھی کھو کر چل دیئے اور حسرت و افسوس ساتھ لے گئے۔ ایسے پرانیوں سے زیادہ بد نصیب اور کون لوگ ہو سکتے ہیں۔

نام جپت کوڑھی بھلا۔ چوئی چوئی پڑے جو چام
کنچن دیہہ کس کام کی۔ جا مکھ نا ہیں نام

اس بات کی یہاں مطلق ضرورت نہیں ہے کہ تم کس حالت میں ہو پاک یا ناپاک ہو۔ اچھے ہو یا برے ہو سست ہو تیز ہو۔ صرف نام لو اور نام تمہارا بیڑا پار کر دے گا۔ دیکھتے ہو۔ چاہے تم کیسے ہو۔ دھوپ میں جانے سے آگ کے پاس بیٹھنے سے پانی کو ہاتھ لگانے سے۔ تم میں خود بخود اس کا اثر آنے لگتا ہے۔ کیا نام ایسا گیا گذرا ہے کہ وہ اپنا اثر ہوئے بغیر رہے گا۔ سمجھ سمجھ کا پھیر ہے۔ میں تو نام کو ایسا ہی سمجھتا ہوں اور ذرہ سے غور کرنے سے تم بھی اس باریک و لطیف مسئلہ کو سمجھ جاؤ گے۔ شردھا سے نام لو۔ اشردھا سے نام لو خلوص سے نام لو۔ شانتی سے نام لو۔ بھاؤ سے نام لو کو بھاؤ سے نام لو وہ اپنا اثر ضروری کر یگا۔ اس میں ذرہ بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

بھاو کو بھاؤ الکھ آلس ہوں   نام جپت منگل دس دسھوں
(تلسی داس جی)

۵*
ربود جان و دلم را جمال نام خدا   نواخت تشنہ لباں را زلال نام خدا
(خواجہ معین الدین)

یہ نام کی تھوڑی سی مہما ہے۔

مگر نام کیا ہے۔ اس کا جواب دینا ابھی باقی ہے۔ نام کا فلسفہ اصل میں بہت دلچسپ فلسفہ ہے۔ مگر وہ اپنی خاص طوالت بھی رکھتا ہے۔ چند صفحوں میں اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ مگر ہم کوشش کریں گے کہ دریا کو کوزہ میں بند کر کے طوالت کا نقشہ اختصار کی صورت میں دکھا دیں تاکہ پڑھنے والے سہولیت اور آسانی کے ساتھ سمجھ جائیں کہ کم از کم اس موقع پر ہماری نام سے کیا مراد ہے اور ہم اپنے پڑھنے والوں کے توجہ کا رخ کس طرف منعطف کرنا چاہتے ہیں۔

نام کیا ہے۔ نام شبد ہے۔ شبد گپت تھا۔ اس وقت انام تھا۔ شبد سے پہلے نہ کہیں سورج تھا نہ چاند تھا۔ نہ اکاش تھا نہ اگنی تھی۔ وہ روپ رنگ ریکھا سے نیارا تھا۔ اس میں موج اٹھی اور موج کے سلسلہ میں اس سے تین دھاریں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئیں۔ اور انہوں نے رل مل کر رچنا کرنی شروع کیں۔

شبد گپت تب رہا انام
شبد پرگٹ تب دھریا نام   (دادا سوامی صاحب)

ترجمہ ۵ (خواجہ معین الدین صاحب چشتی کا قول ہے۔ نام اگر نام کا جلال میرے دل و جان کو لے گیا اور اس نے پیاسوں (لبوں) کو زلال کا امرت پلا دیا۔

یہ نام یا یہ شبد اس لئے جہاں رچنا کی نام ہے۔ ساتھ ہی وہ رچنا کی دھار بھی ہے۔ اور ساری رچنا اس کے آدھار پر ہے۔

اس دھار نے نیچے اتر کر منڈل باندھا۔ اس منڈل میں سرت آئین اور شبد و سرت سے مل کر سارے جگت کے پیدا کرنے کا پربندھ کیا اور ایک ایسا سلسلہ جاری ہوا کہ شبد سے سرت اور سرت شبد سلسلہ لامقطوع کی صورت میں ظہور کیا۔

سب کی آدی شبد کو جان — اننت بھی کا شبد پچھان
تین لوک اور چوتھا لوک — شبد رچے یہ سب ہی تھوک
شبد سرت دو اودھار سمان — پرش نامی کے یہ پران
شبد ہی کارن شبد ہی کاج — شبد رچایا سارا ساج
شبد ہی سیوک شبد ہی سوامی — شبد ہی گھٹ گھٹ انترجامی
شبد ہی مچھلی شبد ہی نیر — شبد کا بھانہ سمت کبیر
شبد بتاویں نانک بیر — شبد لکھاویں تلسی دھیر
شبد شاہ اور شبد وزیر — رادھا سوامی کہیں سنو بیر

دنیا کی تمام مذہبی کتابوں میں اس شبد کی مہما ہے۔ وید اسی کو شبد برہم کہتے ہیں۔ اپنشدوں میں بھی ایسی کہیں اشاروں میں اس کا ذکر آیا ہے۔ عیسائیوں کی انجیل میں کہا گیا ہے "ابتدا میں شبد تھا۔ شبد مالک کے ساتھ تھا" صوفی اپنے کلام میں اسی کا ترانہ گاتے ہیں۔

گر بہ اظہار رو نہ آوردے — نام آواز ہیں جہان نہ ماندے
عالم صورت از و ظہور گرفت — از حضور شش بساط نور گرفت
اول و آخرش چو بجد شد — زاں سبب نام او بہ انجد شد

[illegible]

بلا سر تعمیر دوسرے صفحہ پر دیکھو

سنتوں میں کبیر صاحب۔ نانک صاحب۔ دادو صاحب۔ رادھا سوامی صاحب اور تلسی صاحب نے اس کی عظمت کا راگ گایا ہے۔ اور ان ساری بانی اس کے تذکروں سے بھری پڑی ہے۔

(۱) شبد بنا سرت آندھیری کہو کہاں کو جائے
دوار نہ پاوے شبد کا رہ رہ ٹھکا کھائے

(کبیر صاحب)

(۲)
گھر میں گھر دکھلائے دے سو ستگور پرش سجان
پنچ شبد دھنکار دھن باجے شبد نشان
سب سکھیاں پانچوں ملیں۔ گورمکھ نج گھر باس
شبد کھوج یہ گھر لکھے۔ نانک تا کا داس

(نانک صاحب)

(۳)
شبد بھید ساکھی لکھے۔ سوئی سنت سوجانا ہو
اگم نگم گم چینہہ کے - بانی بھیجا نا ہو
سُرت شیشہ شبد اگورو - مل ناگ جا نا ہو
لکھ اکاس اوندھا کنواں۔ تا میں سُرت سمانا ہو

(تلسی صاحب)

بائیں چندر سور ہیں دہنے۔ سکھمن سرت سمانی ہو

ترجمہ (۱) اگر شبد ایسا اظہار نہ کرتا تو یہ دنیا نہ ہوتی۔ اس سے شبد کے عالم کا ظہور ہوا اور یہی سے اس نے روشنی پائی۔ چونکہ سوکا (دل) داخر ایک ہے اس لئے اس کو اجد ہتے ہیں۔

الہ ہو ہنگ سوہنگ سُن جب ہوئے وہی شبد کی کمائی ہو

(پلٹو صاحب)

(۵) شبد ہی تالا شبد ہی کنجی شبد کی لگی زنجیریا ہو
شبد ہی روپ سوامی براجے سیس چرن میں دہرنا ہو

(دو لن صاحب)

جب سے انحد گھور سنی۔
اندری تھکت گلت من ہوا۔ آسا سکل بھنی
سنوارے جیوں شبد سمایا۔ انتر بھینج کنی
(۶) لوگ بھوگ سدھ رہی نہ کوئی بھولے گیان گنی
ایسے اولیں چرن ہی داست کہیں سکھد یونی

(چرن داس جی)

سورت شبد شبد میں سورت۔ اگم اگوچر دامی
نہیں یہ لوگ گیان تریانت یہ گت انکھ کہانی

پنبۂ وسواس بیروں کن زگوش — تا بگوش آید ز گردوں خروش
گوش را نزدیک کن کانی دور نیست — لیک ایں گفتن بتو دستور نیست
چرخ را در زیر پا آر اے شجاع — بشنو از فوق فلک بانگ سماع

(مولانا روم)

ترجمہ: بھرم کی روئی کان سے نکال دے تاکہ آسمان سے شبد سنائی دے۔ کان کو نزدیک کرکے وہ دور نہیں ہے۔ لیکن تجھ سے کہنا دستور نہیں ہے۔ دلیر آسمان کو پاؤں کے تلے کر اور گگن منڈل پر چڑھ کر شبد کی دھن سن

یار باہر دم است با تو کلیم
حیف تو نشنوی کلام قدیم
ہمہ عالم پر است از آواز
لیک در ہائے گوش خود کن باز
نشنوی یک کلام لا مقطوع
احدوث و فنا شود مرفوع

(حضرت نیاز)

یہ شبد اپنے سلسلہ میں تمام دنیا میں گونج رہا ہے۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے۔ تمہارے جسم کے رگ رگ میں شبد کی مرلی بج رہی ہے اور وجنا کے تمام راگ اس میں موجود ہیں۔ یہ دل میں ہے دماغ میں ہے سر میں ہے پاؤں میں ہے۔ ایڑی سے لے کر چوٹی تک بھرپور ہے۔ باہری برہمانڈ میں جو کچھ اس کا ظہور ہے ویسے ہی تمہارے جسم میں بھی ہے۔ کیونکہ یہ انسان کا خاکی جسم برہمانڈ کا چھوٹا نمونہ ہے اور اسی شبد کے دھار کے ساتھ تمہارا مالک کے ساتھ رشتہ بندھا ہوا ہے۔ جو کبھی توڑنے سے بھی نہیں ٹوٹ سکتا جیسے مختلف سٹیشنوں کے تار کے سلسلے صدر مقام سے بندھے اور جڑے رہتے ہیں ویسے ہی تمہارا تار مالک کے چرنوں سے ملا ہوا ہے اور یہ تار شبد ہے اور یہ شبد نام ہے جس کا اُتار دماغ کی طرف سے جسم کے نیچے کے حصوں تک ہے اور جس طرح مچھلی پانی کی دھار کو پکڑ کر اوپر کی طرف میکھ منڈل سے جا کر ملتی ہے۔ ویسے ہی تم اس شبد اور اس نام کی ڈوری پکڑ کر اپنے دماغ کی طرف رجوع کرنے سے شبد کے بھنڈار میں پہنچ سکتے ہو۔ یہ

ترجمہ:- تیرا یار ہر دم تم سے ہمکلام ہو رہا ہے مگر تو اس کی پرانی بانی کو نہیں سنتا۔ سارا عالم شبد سے بھرا ہوا ہے تو ذرا اپنے کان کے سوراخ کو تو کھول دے ایک ایسا شبد مسلسل سنے گا جو جنم مرن سے پرے کا ہے۔

اُلٹا جاپ اُلٹا مارگ اور اُلٹا پنتھ کہلاتا ہے اور سب پرورتی کے مارگ ہیں کیونکہ ان کا رخ نیچے کی طرف ہے اور دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ نورتی مارگ ہے۔ کیونکہ دنیا سے جسم سے توجہ ہٹا کر اس کے سہارے مالک کی طرف چلنا ہوتا ہے۔ یہ نام ہے جو شبد کے ڈمرو کی صدا کی طرح گونجتا ہے یہ نام ہے جس کو شنکر یوگی سن کر تپسی ہو گئے۔

ناٹک نام کبیر متا ہے سو میں پرگٹ جنائی
دہرو بہر حلاد بھی رس مانت شیو رہت تاڑی لائی (دولم داس جی)

اُس اُلٹے نام کا سمرن وہ کرے جو جیتے جی موت کے مرحلوں سے گزرنے کا خواہشمند ہو۔ کیونکہ اس نام کے جپنے والے سکھمنا ناڑی کے دوار جسم سے گزر کر دماغ کی طرف چلتے ہیں۔ اور موت کا روز تماشہ دیکھا کرتے ہیں اس اُلٹے جاپ کو وہ جپے جو پھر جنم و مرن کے پھندوں میں نہ آنا چاہے جو اس کا وظیفہ پڑھیگا وہ برہمہ کو جائیگا۔ اور برہمہ روپ ہو جائیگا

برہمہ ودبرہمہ وت بھوتی"۔

اُلٹا نام جپت جگت جانا
والمیک بھئے برہمہ سمانا (تلسی داس جی)

یہ نام بلا جنبش زبان بلا حرکت تسبیح و بلا کسی ظاہری و رسمی پابندی کے ہر شخص جپ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مالک سے ملنے کی سچی تڑپ رکھتا ہو۔

یہ کرنی کا بھید ہے ناہیں بدھ بچار
کتھنی چھوڑ کرنی کرے تب پاوے کچھ سار

اس سے من کے وسوسات دور ہو جاتے ہیں۔ اس سے چت

ایکاگر ہوتا ہے۔ اس سے اوپر کی طرف چڑھنا ہوتا ہے۔ یہ من مارنے کا طریق ہے۔ یہ سچی نفس کشی اور سچی ریاضت کا راستہ ہے۔ اس میں نہ کسی کا تیاگ نہ کسی کا گرہن ہے۔ اس میں نہ تنگدلی کا خوف ہے۔ نہ تعصب کا خدشہ ہے بر خلاف اور ساد ھنوں کے اس سے نہ بیماری ہوتی ہے۔ نہ جسم کے پرزوں وغیرہ کے خراب ہونے کا ڈر رہتا ہے۔ مرد۔ عورت۔ جوان۔ بوڑھا۔ کسی میں سب کو اس کا یکساں ادھکار ہے۔ ابتدا میں کچھ ایکانت سیون بسنت سنگ۔ اور خاص وقت کی پابندی کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ بعدازاں جب مساوات ہو جاتا ہے۔ عادت بن جاتی ہے۔ خود بخود اس کا تار لگا رہتا ہے کوئی وقت ہو کوئی حالت ہو۔ کوئی اوستھا ہو۔ ہر وقت ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی دھن جاری رہتی ہے۔ دل با یار و دست بکار کا مسئلہ اسی عمل کے لئے گھڑا گیا ہے۔

سوتے بیٹھے کھڑے ساتا نے
کہیں کبیر ہم وہی ٹھکانے

کچھ دنوں عمل کرنے کے بعد انسان کی زندگی اس قدر عملی بن جاتی ہے کہ پھر اس کو گرنے کا خوف نہیں رہتا اور سہج سمادھی کا پھل پراپت ہوتا ہے یہ سہج سمادھی کیا ہے۔ اس کے متعلق کبیر صاحب کی بانی اس طرح انتہی ہے۔

سنتو۔ سہج سمادھی بھلی
جب سے دیا جتی سنگور کی۔ سرت نہ بھول چلی
جہاں جہاں جائے سوئی کرما جب کچھ کرے سو پوجا
گھر باہر سب یک سم جانے۔ بھاؤ مٹے سب دوجا

(۲) شبد نرنتر سے نتر دان سے ۔ سکل باسنا تیاگے
جاگت سواوت اُٹھت بیٹھت ۔ گہری تاری لاگی

(۳) آنکھ نہ موندوں کان نہ روندوں ۔ کایا کشٹ نہ دھاروں
اگرے بیچ صاحب دیکھوں سندر روپ نہاروں

(۴) کہیں کبیر یہ اُنتم رہنی ۔ پرگٹ سو کہہ گائی
سکھ دکھ پرے پرم پد درسے سوئی سدا سکھ دائی

شبد مرتا نہیں ۔ جب آتما شبد کی دھار پکڑ کر اوپر مرکز سے جا کر مل رہتا ہے خاموش ہو جاتا ہے ۔ پھر نہ شبد کے ابھیاس کی ضرورت ہے نہ جاپ کی ضرورت ہے ۔ نام لینے والے ہمیشہ کے لئے بھو ساگر سے پار ہو جاتا ہے ۔ کال اور مایا کے جال پھر اس پر نہیں ہوتے ۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں ۔

جاپ مرے اجپا مرے انحد بھی مر جائے
سرت سمانی شبد میں تاہی کال نہیں کھائے

یہ نام ہے ۔ یہ نام کی تھوڑی سی تعریف کہانی ہے ۔ کیا تم اس طرح نام کا جاپ کرنا چاہتے ہو ؟ اگر اس کا خیال ہے تو پھر باہری آڈمبر سے کنارا کش ہونا پڑے گا ۔ کیونکہ باہری نام لینے سے چت کی ورتی بکھرتی ہے ۔ انتر میں نام کے لینے سے چت کی ورتی سمٹتی ہے ۔ انتر میں نام کے لینے سے چت کی ورتی ایکاگر ہوتی ہے ۔ اور آہستہ آہستہ سرت شبد کے میل سے پوری پوری چل کر آتما اپنے نج روپ نج پد اور نج اوستھا کا ساکشات کار کر لیتا ہے ۔

مالا تو کر میں پھرے ۔ جیبھ پھرے مکھ ماہیں
منوا تو دہ دس پھرے ۔ یہ تو سمرن ناہیں

اور بھی شلوک

تن تھر من تھر بچن تھر۔ سرت نرت تھر ہوئے
کہیں کبیر اس پلک کو کلپ نہ پاوے سوئے

زندگی گزری جا رہی ہے۔ مانش جنم دُرلبھ ہے۔ کون جانے کب زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ سب کا وقت ہے۔ مگر موت کا وقت کوئی بھی نہیں ہے موقع کو غنیمت جانو۔ کون جانے پھر کب موقع ہاتھ آوے کسی بات کا ٹھکانا نہیں۔ یہ نام کا سادھن سوگم ہے۔ جی میں آوے اس کا سادھن کرو جی میں آوے، نہ کرو۔

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
مانو کہ نہ مانو تم ہو مختار

کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

جا کی پونجی سانس ہے چھین آوے چھین جائے
تاکو ایسا چاہیئے رہے نام لو لائے
کہتا ہوں کہہ جات ہوں کہا بجاؤں ڈھول
سانس خالی جات ہے۔ تین لوک کا مول
نیند نشانی موت کی۔ اُٹھ کبیرا جاگ
اور رسائن چھانڈ کر۔ تو نام رسائن لاگ
کبیر چنتا تو ست نام کی۔ اور نہ چتوے داس
جو کچھ چتوے نام بن سوئی کال کی پھانس
ست نام کے سمرتے۔ ادھرے پتت انیک
کہیں کبیر نہیں چھانڈئے ست نام کی ٹیک

سترہواں باب

نام بسلسل

*

نام دان اب ستگورو دیجے	کلّل سنتاوے سوان چھیجے
دکھ پایا میں نے نِسدن بھاری	گہی آئے سوامی اوٹ تمہاری
مان نہ مانگوں مانگوں نام	جس چاہوں دو موکھی دان
کنکا نام کرے میرا کاج	ہے ستگور میری تم کو لاج
اب تو من کر تیکا پکار	رادھا سوامی کرو اودھار

(سنت پرش رادھا سوامی دیالی)

نام کہتے ہیں چیتن کے دھار کو۔ شبد کی دھار کو۔ پران کے دھار کو۔ چیتن۔ شبد اور پران یہ سب مرادف اور ہم معنی الفاظ ہیں۔ جب ان میں حرکت ہوتی ہے اور اس حرکت کے سلسلہ میں جو دھار آواز کی شکل میں بر آمد ہوتی ہے اس کو نام کہتے ہیں۔ یہی نام خواہ شبد رچنا کی جان ہے۔ جہاں رچنا ہوگی وہاں شبد ضرور ہوگا۔ رچنا کا لفظ خود حرکت کا اظہار کرتا ہے۔ جو حرکت میں آواز ہے اور یہی آواز نام ہے۔

خارجی اور ظاہری جگت میں بھی شبد کی حکم نہیں ہے۔ اسی کے آدھار پر ساری سرشٹی ہے۔ جتنی صورتیں تم کو دنیا میں نظر آتی ہیں وہ سب شبد کی صورتیں ہیں۔ چاہے وہ صورت جمادات کی ہو۔ نباتات کی ہو حیوانات کی ہو۔ انسانوں کی ہو یا فوق الانسانوں اور دیوتاؤں کی ہو۔ اس بات

کو تم بہت آسانی سے سمجھ سکتے ہو کہ زندگی حرکت ہے اور حرکت میں آواز ہے۔ انسان خود بولتا ہوا پرانش کہلاتا ہے۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی یہ سوال کیا جاتا ہے کہ اس نے آواز کیا یا نہیں۔ اگر پیدا ہونے کے بعد شبد برآمد ہوا تو بچہ کو زندہ ورنہ مردہ سمجھتے ہیں۔ کیا اس سے تم کو شبد کی فضیلت کی سمجھ نہیں آتی۔ اس کے سوا تمہارے جسم کے تمام رگ و ریشوں میں چونکہ حرکت ہے اس لئے ہر جگہ شبد ہی ہے۔ یہ شبد کہیں گپت ہے اور کہیں پرگٹ ہے کہیں اس کا اظہار محسوسیت کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ کہیں ظاہری کانوں کے لئے غیر محسوس و منبع میں ہوتا ہے۔ مگر شبد ہر جگہ ہے کوئی جگہ اس سے خالی نہیں اور یہی سرشٹی کا پرم تتو جو ہراہ لے اور سوکشم سار ہے یوں تو ہندو شاستر بھی شبد کو اکاش کا گن اور اکاش کی جان بتاتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ شبد اکاش سے بھی زیادہ لطیف اور دیاپک تتو ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس شبد کا پتہ وہاں جاکر بھی لگتا ہے۔ جہاں پرش اور پرکرتی کا میل ہے میل نام ہے حرکت کا۔ میل ملاپ کی ابتدا جنبش سے ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں بھی شبد موجود ہے لیکن شبد کی حد اتنی ہی نہیں ہے وہ کچھ اور بھی ہے۔ وہ آپ چیتن کی دھار ہے اور مالک خود شبد سروپ بتایا گیا ہے۔ صرف پنتھائی ہی مالک کو شبد سروپ نہیں کہتے۔ اور صرف عیسائی اور مسلمانوں ہی میں اس کی مہما کا اشارہ ہے۔ بلکہ جا بجا دنیا کے سب سے قدیم ویدک دھرم میں بھی اس کی مہما کا راگ گایا گیا ہے۔ خود سام وید میں آتا ہے "شبد برہم شبد برہم۔ یہ نو برہمہ"۔

اسی شبد نے دھار کی صورت اختیار کرتے ہوئے سارے جگت

کو رچاہئے تمام جگت کی رچنا دھاروں ہی کی رچنا ہے۔ چاہے جس شئے کو لے
لو اس میں دھار نظر آویں گے۔ یہ دھار اوپر سے نیچے کی طرف اتری۔ اپنا
منڈل باندھا اس منڈل سے پھر دھار روپ ہو کر آگے کو چلی اور دوسرا منڈل
بنایا اور علیٰ ہذا القیاس یہ سارے منڈل سرشٹی میں گولاکار گول گولی
شکل کے ہیں۔ کیونکہ حرکت ہمیشہ دائرہ ہی کی صورت میں ہوا کرتی ہے
اور اس لئے رچنا میں تم کو نہ صرف سورج۔ چاند۔ ستارے۔ پرتھوی۔
گول گولے نظر آویں گے۔ بلکہ اگر غور کرو گے تو انسانی جسم جو ننھا منڈل سے
گولا بیضاوی پرتیت ہوگا۔ انسان مرد یا استری بطور خود علیحدہ علیحدہ اکمل
نہیں ہیں۔ مرد اور عورت دونوں مل کر تب مکمل شخصیت بنتی ہیں۔ انکے
اعضا کے بغور دیکھنے سے یہ پرتیت ہوتا ہے گویا کسی نے ایک وجود کو با
قاعدہ دو حصوں میں کاٹ کر تقسیم کر دیا ہے۔ ورہد آرنیک اُپنشد میں ایک
موقع پر اس طرح ذکر آیا ہے کہ پہلے وہ ایک تھا۔ اس نے سوچا میں اکیلا
ہوں اور اس نے اپنے آپکو دو میں تقسیم کر دیا جس سے پرش اور استری ہو
گئے۔ اور ہم سرشٹی میں ہر جگہ ہر جنس میں اسی انداز سے پرش اور استری پاتے
ہیں جو در اصل پرش اور پرکرتی کے عکس اور نقل ہیں۔ ان میں سے ایک ست
ہے ایک است ہے۔ ایک اصل ہے دوسری نقل ہے۔ ایک مثبت ہے دوسری
منفی ہے اور اس اثبات اور نفی کے رلنے ملنے سے رچنا ہوتی ہے اور وہ
دھار کی صورت میں نکل کر پھر گولی کی شکل میں آئندہ رچنا کی صورت بنتی ہے
تم انسان کی لمبی چوڑی شکل پر نہ جاؤ اس کا اصلی روپ صرف اس کا سر ہے
اور ہاتھ پاؤں وغیرہ صرف آئندہ رچنا کی دھاروں کے سلسلہ میں ستھول
رچنا میں تمام ستھول شکلوں کے سلسلہ میں لمبائی چوڑائی پرتیت ہوتی ہے

اونچی اور سوکشم رچنا میں ہر جگہ گولاکار صورتیں ہوتی ہیں اور کسی کسی مقام روحانی میں تو وہ صرف انسان کے سر کے صورت میں ہوتی ہیں تم نے تصویروں میں سورج کی شکل کو سر کی صورت میں دیکھا ہوگا۔ یہ سچ مچ اس کی خیالی مگر اصلی تصویر ہے۔ اگر اس بات کو کھول کر فاش فاش کہا جائے تو بحث مباحثہ کا میدان وسیع ہونے لگے گا۔ کیونکہ ظاہر اور کوتاہ بین انسان کو اسکی رہنہیں ہے۔ اسلیے سنتوں کا طریق اور تصوف کا سلسلہ صرف سینہ بہ سینہ راز کی صورت میں اب تک نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتا آیا ہے۔ کھول کر کسی نے بھی نہیں کہا۔ میں ان پرانیوں کے لئے صاف صاف کہنے کی جرأت رکھتا ہوں۔ جن کی آنکھیں تعصب کے گرد و غبار سے آلودہ نہیں ہیں۔ ممکن ہے وہ سمجھیں ممکن ہے ان کو سمجھ نہ آوے۔

کس نشنود یا نشنود من گفتگوے مے کنم

الغرض جیوں جیوں اوپر کی طرف پہنچنا کا رخ ہوتا ہے ویسے ہی صورتیں گولاکار پرتیت ہونے لگتی ہیں۔ گولاکار یہ نیچے کے طبقات میں بھی ہیں بند جو باپ کے دماغ سے برآمد ہوکر ماں کے گربھ میں قائم ہوتا ہے گولے ہی شکل کا ہوتا ہے یہی اصلی روپ ہے۔ باقی جو نشو و نما کی صورت میں بنتے ہیں وہ صرف دھار یا دھاروں کے جاری ہونے اور جاری کرنے کے آلے ہیں۔ اوپر چل کر دیوتاؤں اور روحانی شخصیتوں میں یہ سب مدور اور گولے ہی ہیں۔

دھار اور منڈل کے سلسلہ کی تشریح کر دینی کس قدر ضروری ہے تاکہ تم کم از کم میرے مطلب کو سمجھ سکو۔ شکل یہ ہے کہ میں انبھو تو کرتا ہوں۔ مگر اسکی پوری وضاحت کے لئے الفاظ کم ملتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ اونچے

رچنایں جو سورج ہے وہ گولاکار ہے اس سے دھاریں چیتن کی ہر سمتوں سے برآمد ہوئیں اور ایک ایک دھار نے آکر ہزاروں لاکھوں کروڑوں و بیشمار سورج کو بنایا۔ یہ سب سورج پیچ منڈل ہے۔ یہ بھنڈار ہیں زندگی کے حرارت کے اور چیتن کے ان کی کرنیں دھاریاں ہیں جو اس بھنڈار سے نکل کر گولی گولی رچناؤں کی صورتیں بناتی ہیں۔ سورج ایک نہیں سورج بیشمار ہیں۔ ان کا حساب تمکو کون بتا سکتا ہے کس کو طاقت اور جرأت ہو سکتی ہے۔ بھور بھور بہوہ ہمہ۔ جمہ تمہہ بستیم لوگوں ان گنت سورج ہیں اور قربت کے لحاظ سے مختلف ہیں انکے رنگ و روپ جدا جدا ہیں۔ علم نجوم کو اب تک دنیا میں مکمل ہونے کا موقع نہیں ملا ہے۔ مگر وہ زمانہ آرہا ہے جب لوگ سوکشم درشٹی سے ان کے رنگ و روپ کا اندازہ کر سکیں گے۔ سنتوں نے البتہ اپنی اپنی بانی میں ان کا پتہ دیا ہے جو انکے گورکھ ادھکاری سمجھ سکتے ہیں۔ سارے ستارے سیارے۔ عالم موجودات اس بڑے سورج کی عکسی صورتیں ہیں ہم تم بھی اس سورج کے بال بچے اور اسی کے عکس ہیں۔ پتروں کو براہمن گرنتھوں میں پتا کا آتما کہا گیا ہے۔ کیونکہ پتر کی ہستی پتا ہی سے ہے

دراثبش رو پوش کردست آفتاب (مولانا روم)

فہم کن واللہ اعلم بالصواب

جہاں روپ مالک بن بھائی نردھی میں رہا چھپائی

(حضور جی مہاراج الکرام)

- یہاں تک میں نے تمکو منڈل اور دھاروں کی رچنا کی کچھ تشریح کر دی آج تم اسکو اس قدر نہیں سمجھ سکو گے۔ لیکن اگر کچھ عرصہ تک تصوف کے شغل کا ابھیاس رہا اور جہاں بدھی اور من نرمل ہونے لگے۔ خود بخود اسکا

انہو ہونے لگے گا۔

یہی چیتن کی دھار جو رچنا کرنے کی طاقت رکھتی ہیں نام کہلاتی ہیں اور انہیں دھاروں کو پکڑ کر روح کو ایک روحانی طبقہ سے دوسرے روحانی طبقہ میں عروج پاتا ہے

سنتوں نے نام کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ ایک دُھن آتمک۔ دوسرا ورن آتمک۔ دھن آتمک۔ وہ ہے جس کی خالی دھن سنی جا سکتی ہے۔ جیسے گھنٹا کا شبد۔ شنکھ کا شبد۔ ستار کا شبد۔ بین کا شبد وغیرہ وغیرہ دھن کو کوئی شخص لفظوں اور حرفوں کی بندش میں نہیں مقید کر سکتا۔ یہ امر محال ہے۔ "اوم" برہم کا دھن آتمک نام ہے۔ اوم کی دھار ترلوکی کی جان ہے اوم ہر قسم کے آواز میں محیط کل اور سب دیا پک ہے۔ اسی نے ترلوکی کو رچا ہے۔ وہ کہتا ہے تم اس کو اس وقت تک نہیں سن سکتے جب تک اوپر کی طرف روح کے کان کو متوجہ نہ کرو۔

بھرم کی ٹیٹھی لکالو کان سے۔ تب لگا دُھیان انحد تان سنے ۔

سرت کے کانوں سے پھر تو شبد سن   شبد ہو چاہے کر انتر بچن
الاؤ پاؤں کے تلے تو آسمان   شبد او نچے دلیں کا سن سور نان

یہ جو اوم کے اظہار کرنے کا سامان ہم حرفوں کے سلسلہ میں دیکھتے ہیں۔ یہ صرف روحانی ترقی یافتہ انسان کی کوشش ہے۔ تاکہ کچھ اس کا تصور باندھا جا سکے۔ ورنہ وہ لفظوں میں کبھی نہیں آ سکتا۔ قصہ ہے فاختہ درخت پر بیٹھا ہوا بول رہا تھا۔ تین انسان اس طرف سے گزرے ان میں سے ایک فقیر تھا کہنے لگا۔ جانور کہتا ہے سبحان تیری قدرت دوسرا بزاز تھا بولا نہیں وہ کہتا ہے۔ ململ تن زیب گمرک تیسرا سبزی فروش

تجربہ بنا اس سے کہا ہیں جالور صدا دیتا ہے۔ بس پیاز ادرک۔ الغرض جہاں کہیں دھن آتمک نام ظاہر کرنے کی کوشش کا خیال مدنظر رہتا ہے وہ کوشش اس طرح کی ہوتی ہے اور اس کی حیثیت بھی اتنی سی ہے۔ عالم اسکو خوب سمجھتے ہیں۔ مگر تب وہی دھن آتمک نام عالموں کے حصہ میں آتا ہے وہ تراش وخراش کرتے ہوئے ایک ایک حرف کو معنی پہنانے لگتے ہیں اور بحث مباحثہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ کتابیں لکھی جاتی ہیں تفسیر اور تشریح کا سلسلہ چلتا ہے۔ یہ واچک گیانی اور عالم بے عمل والوں کے لئے اچھا ہو۔ مگر عالم اس کو اس قدر وقعت نہیں دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم روحانی عالموں کی میراث نہیں ہے۔ وہ جھک مارا کریں۔ لفظوں کے توڑ مروڑ سے کام ہیں۔ مگر ان بیچاروں کو حقیقت کا کیا پتہ ہے۔ علم باطنی اور شئے ہے۔ علم ظاہری اور شئے ہے۔ اپرا ودیا کو پرا ودیا سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ اپ لفظ صاف صاف آواز بلند کہتے ہیں:۔

آتما ہر شخص کو نہیں ملتا۔ آتما صرف اسکو ملتا ہے جس میں آتما کا پیار ہے

نہ ہرکس روز ہر کہ خواہان اوست
بہ بخشش کشا می بر و لطف دوست

علم لدنی جب ملے گا خود بخود سنتوں کی صحبت اور آتما کے پیار سے ملے گا۔ لاکھ کوئی شخص مدعی اور چترائی سے کام لے۔ لاکھ منطق اور فلسفہ چھانتا کرے۔ مگر جو بچے کی آنکھیں نہیں کھلیں تو وہ احمق اور نادان اور جاہل ہی ہے۔ عالم۔ قدس کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ ہر بات کے لئے کھوج کھوج کر پرمان اور سند پیش کرتے ہیں۔ مگر یہاں پرمان اور سند کی کوئی تعظیم نہیں ہے۔ کیونکہ آتما کا علم کتابی علم نہیں ہے بہ علم سینہ ہے

علم سفینہ سے اس کو ذرہ بھی تعلق نہیں ہے اور نہ اسکو کوئی نسبت دیجاتی
کتابوں کو سمندر میں پھینکو۔ اپنے آتما کی کتاب کھولو تب شاید کچھ کام
نکلے گا۔

نہ محقق بود نہ دانشمند چار پائے برو کتابے چند

جہاں سنتوں کا ست سنگ جاری ہے وہاں صاف طور پر
کہہ دیا جاتا ہے کہ کتابی علم ناقص اور ناکارہ ہے۔ بلکہ کھلے خزانے یہانتک
آزادی کے ساتھ بتایا جاتا ہے کہ ست منت کا پیرو اس وقت تک سنتوں
کی بانی کی بھی سند پیش نہ کرے جب تک اس کو خود ساکشات کار کا موقع
ہاتھ میں آیا ہے۔ یہ اعلےٰ آزادی کا طریق ہے۔ ست پرش راد ہاسوامی
آپ فرماتے ہیں۔

آپ آپ کو آپ پچھا لو کہا اور کا نیک نہ مانو۔

پرم سنت کبیر صاحب کی بانی ہے۔

پڑھ لکھ کر سمجھا دیں من نہیں دھارا دھیر
روئی کا سنشئے پرا یوں کتنے کہیں کبیر
ساکھی لائے بنائے کر ات اُت اکشر کاٹ
کہیں کبیر کب لگ جئے جھوٹی پتل چاٹ

یہ دھن آتمک نام کی مہما ہے۔ جو عامل خود اپنے گھٹ میں پرتیا پتی
کے وقت سنتا ہے اور اس کے سننے سے آپ ہی آپ اس میں لطافت
اور سوکشمتا آتی جاتی ہے اور وہ آئندہ طبقات کے سیر کے قابل بنتا
جاتا ہے۔ اگر آگ کے پاس جانے سے گرمی اور پانی کے نزدیک جانے
سے سردی ملتی ہے تو اس ادم کے جاپ سے بشرطیکہ اس سے گھٹ

میں قربت ہو۔ تو خود بخود روحانی جذبات پیدا ہو جاتے جائیں گے! دم کی
جھنکار بہت سریلی ہے۔ بہت خوش آئند ہے۔ بہت میٹھی ہے۔ توجہ
کی کھینچنے والی ہے۔ تم باہر کی جگت میں سارنگی ہارمونیم کی آواز سن کر
مست ہو جاتے ہو۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ اندر کے لطیف راگ کی صدا
تم کو بیخود، مست اور محو نہ کرے گی۔ ذرہ ابھید کو لیکر ابھیاس کرنے کی
ضرورت ہے۔ پھر خود بخود پریت ہونے لگے گی کہ یہ کیا ہے۔ حضور مہاراج
فرماتے ہیں:-

گھٹ میں جو اٹھتی ہے راگوں کی صدا۔ جو کہوں میں تجھ سے حال اس کا ذرا
جان ہر دو انکی آتی ہے ترقی راگ۔ ابھیانتر کا سمبا جا اور راگ۔

مولانا روم صاحب بھی شبد کے ذریعہ مست ابھیاسی تھے
فارسی زبان میں بالکل اسی طرح کہتے ہیں۔

گر بگویم شمۂ زاں نغمہ ہا ۔ مردہا سر برزنند از دخمہ ہا

اگرچہ شغل سمت کا بھید بکتا کا محتاج ہے محض نقل کرنے سے نہیں
آتا اس کے لئے بھیدیوں کا ست سنگ اور شغل درکار ہے تاکہ شبد کے
فیضان کی کثرت سے اسکی حقیقی حقیقت کا اثر ثابت اور قبولیت کا
درجہ عطا کرتا ہے۔ اور شاغل گمراہ نہ ہونے پاوے۔ تم پوچھو گے
کیونکر؟ سنو یہ ہے کہ تمہارے گوشت کے اندر بیشمار آوازیں ہیں۔ تم
ان کو محسوس کر سکو گے۔ ... تم اور ست کی نبض دھاریں تمہارے
اندر زور سے چلتی رہتی ہیں۔ جن کا اظہار انگلا پنگلا اور سکھمنا ناڑی
میں ہوتا ہے۔ انگلا پنگلا کو چھوڑ کر روح کی توجہ کو صرف سکھمنا ناڑی
میں پرو کر ایک مرکز پہ سرت کو جما کر شبد سننا ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ

ہر مقامات پر خطرے رہتے ہیں۔ اگر ذرہ بھی غلط راہ و غلط آواز کی طرف دھیان دیا تو بیہودہ آوازیں جن جن باسناؤں سے نسبت رکھتی ہیں انکو بیدار کریں گی۔ تم میں کام پیدا ہوگا۔ کرودھ پیدا ہوگا۔ موہ پیدا ہوگا اور مارے جاؤ گے۔ لوگ دھیان میں اناپ شناپ بیٹھتے ہیں۔ نام کا سمرن کرتے ہیں من ترنگوں میں بہنے لگتا ہے۔ اور بالعوض فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

تمہارے اندر نیکی اور بدی کے جذبات کا بھنڈار ہے۔ تمہارے اندر رحمان اور شیطان دونوں رہتے ہیں۔ تم کو تجربہ نہیں ہے کہ تمیز کر سکو۔ اس لئے کہا گیا ہے۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پر آفت و خوف و خطر
ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر دامن آں نفس کش را سخت گیر

(مولانا روم)

دیگر

گورو بن گھٹ میں راہ نہ چلنا ڈر اور گھین اینکن ملنا
گورو کشا جا کے سنگ ناہیں اسکو کال کرے بھر ناہیں

(حضور مہاراج)

نقل اور تقلید گمراہی کی علامت ہے۔ اس سے بچ کر چلنا چاہیئے اور سالک کو ایسے گورو سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے جس نے اپنے گھٹ میں چڑھائی کے درجے حاصل کر لئے ہیں۔

یہ اوم جس کا اوپر ذکر آیا ہے دھن آتمک نام ہے۔ شاغلوں نے ہر ملک میں اس کا عمل کیا۔ جس کے جو کچھ سمجھ میں آیا و لیبادہ پک سمجھانے بجھانے کے لئے باندھ دیا۔ ہندو "اوم" کہتے ہیں۔ مسلمان "ہو" کہتے ہیں۔ نانک پنتھی

اسی کو گورو "ادم" "تو" داہگورو بول لیتے ہیں ۔ گر تحقیقات کروگے تو صدیوں کی قدیم زبان میں بھی اسی نام کا کوئی ہم آواز لفظ تم کو ملے گا۔

گر مالک کا یہی ایک لادھن آتمک نام نہیں ہے۔ اونچے استھانوں میں اور اور بھی دھن آتمک میں آتے ہیں۔ جیسا گورو نانک صاحب نے ایک موقع پر فرمایا ہے۔

پنچ شبد دھنکار دھن باجے شبد انشان

اسی کو ذاتی نام بھی کہا گیا ہے۔ دوسرا نام ورن آتمک ہے۔ جو اکشروں اور رسنا زبان کے ذریعہ اچارن کیا جا سکتا ہے۔ اس کو صفاتی بھی کہتے ہیں جیسے خدا۔ رحیم۔ دیال۔ کرپال وغیرہ۔ ان کی دھن اندر نہیں ہے۔ یہ اجپا جاپ میں شامل نہیں ہیں۔ ان کا اعادہ لوگ تسبیح اور مالا کے ذریعے کیا کرتے ہیں۔ ان کے جاپ سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے۔ جو جس تصور سے جس نام سے مالک کو یاد کرے گا۔ اسکا وہ فائدہ حاصل ہوگا۔ کرم نشپھل نہیں جاتا۔

بہر نامے کہ خوانی سر برآرد

مگر روحانی عروج میں جو مدد اور ترقی دھن آتمک نام سے مخصوص ہے وہ ان سے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بیخودی اور محویت کا وہ درجہ نہیں دے سکتے جو انتر مکھی ورتی سے مخصوص ہے۔ ان کا تعلق باہری جگت سے زیادہ تر ہے۔

یہ دو قسم کے نام ہیں جن کی میں نے مختصر تشریح کی ہے۔ ان میں سے تم کو اختیار ہے چاہے جس سے کام لو۔ تم خود سمجھ بوجھ کر نتیجہ نکال سکتے ہو مجھ کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تم سوال کروگے کہ ان کے سادھن کی ویکتی کیا ہے؟ اس کا جواب بشرط فرصت آگے چل کر دیا جاوے گا۔ اس وقت کبیر صاحب کی ذیل کی بانی پڑھتے ہوئے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

نام رتن دھن پائے کر۔ گانٹھی باندھ نہ کھول
ناہیں پٹن نہیں پارکھی۔ نہیں گاہک نہیں مول
نام رتن دھن مجھ میں۔ کھان کھلی گھٹ مانہہ
سینت میں ہی دیت ہوں۔ گاہک کوئی نانہہ
جب گن کا گاہک ملے۔ تب گن لاکھ بکائے
جب گن کا گاہک نہیں۔ کوڑی بدلے جائے
ہیرا پرکھے جوہری شبد کو پرکھے سادھ
جو کوئی پرکھے سادھ کو تاکا مت اگادھ
سبھی رسائن ہم کری۔ نہیں نام سم کوئے
رنچک گھٹ میں سنچرے۔ سب تن کنچن ہوئے
لگاوے بیاسے کہہ بسوں۔ اور شریر کے سنگ ان
گیانی کے ہردے بسوں لیجیے ناہیں پران
جب ہی نام ہردے دھرا۔ بھیو پاپ کا ناس
مانو چنگی آگ کی پڑی پرانی گھاس

گورو آشیرباد دیں ہم سب کو ان کا چرن شرن پراپت ہو۔ ہم سنسار اسار کو سمجھ کر ان کے نام سے لو لگا دیں۔ اور جیتے جی اپنی آنکھوں سے تم پد اور پرم پد کے ادھکاری بنیں۔

اٹھارہواں باب

نام مسلسل

نام جپت کنیا بھلی ۔ ساکت بھلا نہ پوت　سلہ بیدین
سلہ بکری　چھیری کے گلے گل تھنا ۔ ناہیں دودھ نہ موت

بھجتا کیوں ناہیں گورو نام

نام رسائن پریم رس پیوت ادھک رسال　سلہ لذیذ
کبیر پینا کٹھن ہے ۔ مانگے سیس کلال

بھجتا کیوں ناہیں گورو نام

راتا ماتا نام کا ۔ پیا پریم اگھلے
متوالا دیدار کا ۔ مانگے مکتی بلا ہے

بھجتا کیوں ناہیں گورو نام

گن اندری سہجے گئے ۔ ستگورو کری سہائے
گھٹ میں نام پرگٹ بھیا ۔ بک بک مرے بلائے

بھجتا کیوں ناہیں گورو نام

باہر کیا دکھلا یئے ۔ انتر جپیئے نام
کیا لینا ہے جگت سے پڑا دھنی سے کام

بھجتا کیوں ناہیں گورو نام

کبیر چنتا تو ست نام ۔ اور نہ چیتوے داس
جو کچھ چیتوے نام بن ۔ سوئی کال کی پھانس

سمجھتا کیوں ناہیں گورو نام

پانچ سکھی پیو پیو کرے چھٹا جو سمرے من
آئی سرت کبیر کی پایا نام رتن
سمجھتا کیوں ناہیں گورو نام

میں اصلیت کا پتا بتا دیا۔ تم سمجھ یا نہ سمجھو یہ دوسری بات ہے تم کو خیال ہوگا کہ تم اپنی زبان سے نام کا اچارن کرتے ہو تب نام پرگٹ ہوتا ہے یہ غلطی ہے۔ نام تو آپ پرگٹ ہے۔ وہ سارے جگت کا پیدا کرنے والا ہے اس کی دھار ہر جگہ ہے وہ چیتن کی دھار ہے اس نے سبکو متحرک کر رکھا ہے وہی پران اور پران کی بھی دھار ہے جو تمہارے اندر موجود ہے۔ ہر جگہ ہے اسی دھار کے سیدھے راہ پر چل کر تم کو منزل تک پہنچنا ہے اس نام یا شبد کے دھار کو جس وقت تم پکڑ لوگے اسی وقت تمہاری زندگی باقاعدہ بن جائے گی۔ ہیرا پھیرا چھوٹ جائے گا۔

مورتوں کی جیوری بیٹھ باندھا سنسار
داس کبیرا کیوں نہ بندھے جاکے نام ادھار

یہ زندگی آتما کی پران کی زندگی ہوگی۔ کیونکہ آتما کو خواہ پران کو کوئی شخص کبھی صدمہ نہیں پہنچا سکتا۔ صدمہ تو اسکو پہنچایا جاتا ہے جس میں خود غرضی نفسانیت اور ہیرا پھیرا پنا ہے پران اور آتما میں کہیں کبھی ہیرا پھیرا پنا نہیں ہے یہ پران آتما ہی کی دھار ہے۔ یہ چٹان ہے جو نقصان کے پہنچ سے پرے ہے۔ آؤ یہاں تمکو کٹھ اپنشد کی ایک گاتھا اپنی زبان میں سنا دیں تاکہ تمکو اصلیت کے سمجھنے میں مدد ملے۔ گاتھا یہ ہے۔

ایک مرتبہ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان۔ من سب آپس میں لڑنے لگے

ان میں سے ایک ایک یہی کہتا تھا۔ کہ میں ہی شریر کا راجا ہوں۔ میرے بغیر شریر
ایک دم بھی نہیں رہ سکتا۔ کئی روز تک یہ جھگڑا ہوتے رہے۔ آخر فیصلہ کے لئے
پرجاپتی کے پاس گئے۔ اس نے کہا تم میں سے کوئی بھی شریر کا راجہ نہیں ہے۔
شریر کا راجا تو پران ہے۔ مگر کسی نے نہیں مانا۔ آخر پرجاپتی نے کہا تم سے ایک ایک
کچھ دنوں کے لئے شریر سے الگ ہو کر دیکھے۔ آپ ہی فیصلہ ہو جائیگا۔ پہلے زبان نکل
گئی لیکن شریر زندہ رہا۔ جب وہ واپس آئی پوچھا میرے بغیر تم کس طرح زندہ رہے
کیسے کام کیا۔ شریر نے کہا جیسے گونگے زندہ رہتے ہیں۔ ہم ہاتھ کے اشاروں سے
کام کرتے تھے۔ تب آنکھ باہر نکل گئی۔ شریر زندہ رہا۔ واپسی پر اس نے پوچھا تم
کیسے زندہ رہے۔ اس نے کہا جیسے اندھے زندہ رہتے ہیں۔ ہاتھ سے ٹٹول کر کام کرتے
رہے۔ تب ناک باہر چلی گئی۔ شریر زندہ رہا۔ واپسی پر پوچھا کیسے زندگی قائم رہی۔ اس نے
جواب دیا جیسے بغیر گھران شکتی کے بھی آدمی کام کرتے ہیں۔ آنکھ دیکھ بھال کر غذا
کا انتظام کرتی تھی۔ پھر کان باہر گیا۔ شریر زندہ رہا۔ واپسی پر پوچھا تم کیسے جیتے رہے
جواب دیا گیا۔ جیسے بہرے جیتے ہیں۔ ہاتھ کے اشارہ سے سب کچھ سمجھ بوجھ آتی رہی
پھر من چلا گیا۔ واپسی پر سوال کیا تم بن زندگی کیسے قائم رہی۔ وہ بولا جیسے باولے
زندہ رہتے ہیں۔ سب متعجب اور شرمندہ ہوئے۔ پرجاپتی نے کہا اب پران کی باری ہے
وہ باہر جائے اور دیکھیں تم کیسے زندہ رہتے ہو۔ جب پران باہر نکلنے لگا۔ ہاتھ
پاؤں اینٹھنے لگے۔ آنکھیں پتھرانے لگیں۔ زبان لڑکھڑانے لگی۔ ناک سکڑنے
اور ٹیڑھی ہونے لگی۔ من تلملا اٹھا۔ بدن ڈولنے لگا۔ تب سب نے ہاتھ باندھ کر کہا
آپ پران تو سچ مچ شریر کا راجہ ہے۔ تو باہر مت جا تیرے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے
ہم تجھ کو نذریں دینگے۔ جیسے راجہ کو نذریں دیجاتی ہیں اور سب اسکی خدمت
بجا لاتے ہیں۔ تو سچ مچ راجہ ہے۔ پرجاپتی نے کہا دیکھو یہ پران ہی سب

کا راجہ ہے اس میں میرا تیرا اپنا نہیں ہے اور بغیر لغسا ینت کے کام کرتا ہے۔ اور اپنے کرم کی داد معاوضہ نہیں چاہتا سب خوش ہوئے اور پرجا پتی کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔

یہ پران کی دھار تمہارے شریر میں ایک کا نام ہے اسمیں وہ پران جو کہ خاص قسم کی اہمیت رکھتا ہے جو سکھمنا ناڑی کی راہ میں سب کا پالن پوشن کرتا ہے باقی سب کون ہیں۔ اس دھار کو شبد کی پران کی چیتن کی یہ کاشش کی آتما اور روح کی دھار ہے پکڑ کر اوپر کی طرف پرانوں کے بھنڈار کی طرف رجوع کرو تاکہ تم میں لافانیت اور دائمی زندگی آوے اور تم ست چیت آنند بن جاؤ۔

اس سے بھی خوبصورت کتھا چھندوگیہ اپنشد میں آتی ہے جس میں نام کی مہابڑی خوبصورتی کے ساتھ دکھائی گئی ہے۔ لوگ ہمیشہ سے کہتے آئے۔ صرف نام ہی کی کشتی پر سوار ہو کر بھو ساگر پار کیا جاتا ہے۔ مگر ایسے آدمی شاذ ملتے ہیں جو اسکی ماہیت کو جانتے ہونگے اس کلی یگ میں سوا نام کے اور کسی طرح جیوں کا کلیان اور ادھار نہیں ہے سوامی تلسی داس جی مہاراج یوں فرماتے ہیں:-

دھیان پرتھم یگ مکھ بدھی دوجے ۔ دواپر پری توشت پربھو پوجے
کلی کیول مل مول ملینا ۔ پاپ پیونده بن من مینا
نام کام ترد کال کرالا ۔ سمرت شمن سکل جنجالا

ترجمہ:- ست جگ میں لوگ دھیان کرتے تھے۔ ترتیا میں یگیہ وغیرہ سے کام لیتے تھے۔ دواپر میں مورتی پوجا تھی۔ کلی یگ میں چونکہ پرانیوں کے پاپ کے سمندر میں مچھلی کی طرح غرقاب رہتے ہیں۔ نام کلپ برکش بنکر سمرن کرنے ہی سے سارے جنجال کو کاٹ ڈالتا ہے اور پاپ کو دور کر دیتا ہے۔

آگے چلکر سوامی جی فرماتے ہیں کہ "شبو جی نے اس نام کا مہاپ جانا۔

۱۔ کُل اسامان رکھتے ہوئے منگل میں کہانی بن گئے۔ نک اور شنکاوک کو نام کی برکت سے برہم سکھ کی پراپتی ہوئی۔ نارد اسی وجہ سے بھگوان کے پیارے بن گئے۔ دھرو نے افرت کے ساتھ نام کا سمرن کیا اچل ستھان پایا۔ ہنومان نے نام کو جپ کر بھگوان کو اپنے بس میں کر لیا۔ اجامل نام لیکر تر گیا۔ گنکا طوائف کو پرم پد ملا۔ نام کی مہما کون گا سکتا ہے رام بھی اگر چاہیں تو اس کے گن پرتجاد کو ورنن نہیں کر سکتے۔

مگر نام کیسے جپنا چاہیئے سنو بہت چیت سے اپنشد کی گاتھا سنو۔

اسر اور دیوتاؤں میں ان بن رہتی تھی۔ دیوتاؤں نے سوچ بچار سے کام لیا یہ ان کی سمجھ میں آیا کہ اگر اوگیت اودم کے نام کا گیت گایا جائے تو وہ اسروں پر غالب آسکینگے وہ زبان سے مخاطب ہو کر بولے تو اوگیت کو ہمارے لئے گاوے تاکہ ہم اسروں اور دیتوں پر غالب آ ویں زبان نے اوگیت گایا۔ مگر اچھا اپنے لئے گایا برا دوسروں کیلئے گایا۔ اسروں نے زبان کو پاپ سے چھو دیا وہ نشٹ بھرشٹ ہو گئی اور دیوتا ہار گئے تب انہوں نے آنکھ سے کہا تو ہمارے لئے اوگیت گا تاکہ ہم اسروں کو جیت لیں۔ آنکھ نے اوگیت گایا مگر اپنے لئے اچھا اور اوروں کیلئے برا گایا۔ دیتوں نے پاپ سے چھو دیا آنکھ نشٹ بھرشٹ ہو گئی۔ تب وہ کان سے ملتجی ہوئے اس نے اوگیت گاتے ہوئے اپنے لئے اچھا اور دوسروں کیلئے برا سوچا۔ اسروں نے پاپ سے چھو کر اسے نشٹ بھرشٹ کر دیا۔ یہی حال نفیاس تب یہ من سے درخواست کرنے لگے من نے بھی اوگیت گایا مگر اپنے لئے اچھا اور دوسروں کیلئے برا سوچا تھا۔ اسروں نے اسکو بھی پاپ سے چھو دیا اور نشٹ بھرشٹ ہو گیا دیوتا ہار گئے آخر میں یہ پران سے اوگیت گانے کی خواہش کی پران میں میرا تیرا پنا نہیں تھا۔ وہ جب سریلی راگ سے اوگیت یعنی اودم کا راگ گانے لگا اسروں نے پاپ سے چھونا چاہا پران کا کچھ بھی نقصان نہ کر سکے اس سے ٹکر

کھا کر اسطرح پاش پاش ہو گئے جیسے مٹی کا کوزہ یا ڈھیلا چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور دیوتاؤں کو ان پر فتح حاصل ہوئی کیونکہ پران بلا کسی خواہش بلا کسی باسنا۔ بلا کسی اچھیا کے۔ رات دن کام کرتا ہے۔ اس پر کوئی بھی غالب نہیں آ سکتا۔

میرے پڑھنے والو! تم بھی　　او گیت کے گانے کا شغل سیکھو۔ یہ او گیت کیا ہے۔ یہ وہ روحانی راگ ہے جسکو پیتھاگورس یونان کا مشہور حکیم آسمانی نغمہ کہتا ہے یہ بیچ آسمانی نغمہ ہے جو تمہارے جسم میں و نیز سارے برہمانڈ میں گونج رہا ہے اسکی تلاش میں کہیں باہر نہیں جانا ہے۔ یہ تمہارے اپنے اندر ہے۔ کسی بھیدی سے بھید لے کر اسکا عمل کرو خود بخود نفسانیت اور راگ دویش سے آزاد ہو جاؤ گے اور ایک بہم پرت اور پکاری بن جاؤ گے۔ ظہوری نامی شاعر جو علم تصوف کا ماہر تھا یوں کہتا ہے:

ہمہ روحانی پر اندر نغمہ دو مست　　بہیں حرف رازکہ چون برشی دور بیست

یہ انا حد راگ ہے انحد باجا بجتا من کی خبر جاتی نہیں۔ ذرا اس راہ میں تو آؤ پھر تم میں خود آتما کا بھرنا ہونے لگے گی۔ آؤ ذرا دیکھو اپنی آنکھوں سے اپنے اندر دیکھو یہ بیان نہیں کیا جاتا۔

یہ کرنی کا بھید ہے ناہیں بدھ بچار
کتھنی چھوڑ کرنی کرو تب پاؤ کچھ سار

کہاں مارے مارے پھرتے ہو آؤ میں اس کا بھید تمکو سناؤں گا۔ کیا عجب تم راہ راست پر آجاؤ۔ اور تمہارے جیون کا ادیش پورا ہو سکے اور تم جان سکو کہ کیسے تم سنسار میں آئے ہو اور کیسے جاؤ گے۔
کون مرے کے آوئی کون سرت لیجائے

۰۶

کون سرت ہے استھری یوگ دیو بتائیے
پاس سرت سے آدئی شبد سرت لے جائیے
پرچے سرت ہے استھری یوگ دین بتائیے

اِس مارگ میں اس طریقہ میں اس مذہب میں بالکل ضروری نہیں ہے کہ تم ہم برہم اسمی کی صدا ناپ نت اپ باندھ کر ہم جبتک انبھو نہ ہو عمل و شغل سے کام رکھو خودبخود پیدا ہوگی۔ ایکدن آپ پرکاش ہو جائے گا۔ تب جان جاؤگے کہ برہم کیا ہے۔ جیو کیا ہے۔ ایشور کیا ہے۔ پرکرتی کیا ہے۔ سنسار کیا ہے۔

بھید گیان تب لگ بھاو۔ جب تک مکتی نہ ہوے
پریم جوت پرگٹ بھئی۔ تب نہیں الکلپ کوے

اندریں راہ می تراش و می خراش۔ تا دمے آخر دمے غافل مباش

بس تم جیسے باتیں کتنا ہی سنو اپنے من کے اندر رکھو کبھی نہ بھنا ضنا مانو۔ جبتک دل قبول نہ کرے کبھی اختیار نہ کرو۔ اسکا اسوقت تک تم نہیں پرکھ سکتے۔ جب تک اپنے اندر دھنسنے کا سادھن نہیں کرتے۔

ارے! چنچھا دیکھیا۔ ہیرا ہاٹ بکائے
پرکھن ہارا باہرا۔ کوڑی بدلے جائے
ہیرا گورو کا شبد ہے۔ ہرد ہے بیتر دیکھ
باہر بھیتر بھر رہا۔ ایسا اگم الیکھ

محض بھجن کے گانے سے کام نہیں نکلتا۔ اسکے لئے اور بھی کچھ ضرورت ہے۔

پد گائے من ہرکھیا ساکھی پڑھے انند
ست نام نہیں جانیا گلے میں پڑگئی پھند

یہ بھید تمکو پنڈتوں سے نہیں ملیگا یہ ان لوگوں کی دولت ہے جو اس کی راہ میں پڑے ہوئے ہیں جب تک آپکا بھیدی نہ ملیگا شمس تبریز کا کلام ہے۔

کسے کو ست در عشق بد حال ما
از وپرس از وپرس احوال ما

پنڈت اور مشالچی ۔ دونوں سوجھے نانہہ
اوروں کو کریں چاندنا ۔ آپ اندھیرے مانہہ
ناچے گاوے پد کہے ۔ ناہیں گورو سے ہیت
کہیں کبیر کیوں اونپجے بیج بہونا کھیت
رچن ہار کو بھید لے ۔ کھانے کو کیا روے
دل مندر میں بیٹھ کر ۔ تان پچھوڑا سوے

یہ پریم کا مارگ ہے ۔ جبتک اسکی تعلیم کی سچائی کا نقش دل پر نہ پڑے حرص سے اسکو کبھی قبول نہ کرو ۔ دنیا میں ہزاروں مذہب ہیں جو پسند آوے اسی میں داخل رہو ۔ فقیروں نے صاف صاف کہہ دیا ہے :۔

جیو گورو پرکھ نہ پاوے گھوٹ میں ۔ ست تو جاے اکیلا بٹ میں
گر نہ یابی صحبت جان خویش ۔ ورنہ دانی رہ مرو تنہا تو پیش
پیر تو ہے بر قلب از مرشد بہیں ۔ بے تحکم زر ر کمن از ظن گزیں

انیسواں باب
نام رسلسل

نام رس پی لے میرے بھائی

کال اور مایا کی دھاروں کو ساتھ ساتھ اور پہلو بہ پہلو رکھتی ہے شغل کرنیوالا گر
ذرہ بھی غلطی کھا گیا تو بجائے اس کے نیچے گر جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اور ہر
وقت کے ساتھ سنبھلنا ہے۔ اس لئے ہدایت کی گئی ہے کہ گورو سے بھید لیکر ابھیاس
میں چلنا چاہئے تاکہ ہر وقت پرکھ اور سنبھال ہوتی رہے۔ جو لوگ من مانی
انجد مارگ کا شغل کرتے ہیں یا کتابوں کو پڑھ کر کام کرتے ہیں۔ ان کو کوئی
پھل پراپت نہیں ہوتا۔ اور کچھ دنوں ابھیاس کر کے چھوڑ دیتے ہیں اور انکی زندگی
میں تبدیلی نہیں آتی۔ اور صرف گورو مکھ اور گورومت یہ چال چل سکتا ہے۔ من
مت اور جن مکھ کا کہیں بھی ٹھور ٹھکانا نہیں لگتا۔ اس طریق میں مرشد پرستی
کے اصول کو سب سے زیادہ اہمیت دیجاتی ہے۔ یہاں تک کہ فنافی الشیخ
کو فنافی الحق کہتے ہیں۔ شیخ اور حق میں کوئی بھید نہیں ہے۔ بھید ماننے والوں
کو یہاں بار یابی کا موقع ہاتھ نہیں آتا۔ یوں تو تم دیکھو دنیا کے جتنے مذاہب
ہیں سب میں گورو کی مہما کا راگ گایا جاتا ہے۔ اپنشدوں سے لیکر بودھ
جینی مسلمان۔ عیسائی اور سارے ہندوؤں کے سامنے صرف گورو کے آدرش
کو سنمکھ رکھ کر طریق پر چلنے کی ہدایت ہے۔ مگر سرت شبد یوگ خواہ صوفیوں
کے طریق سلطان الاذکار میں خصوصیت کے ساتھ اس پر زور دیا گیا
ہے کہ کوئی دھوکا نہ کھا جائے۔ اور بھول کر بھی گمراہ نہ ہو۔ گورو کا پریم اس قدر
ضروری ہے کہ اس کے آسرے سارا کام ہوتا ہے۔ اس میں ایک طرح پر ایک موٹا
سا اصول شامل ہے۔ گورو کی شخصی مقناطیسی اثر سے سالک کی روح کو دنیا
کے سلسلہ میں سیدھے راہ پر رکھتی ہے۔ لوگ گورو کے درجہ کو نہیں
سمجھتے تو بغیر گورو کے سہارے قدم دھرنا مشکل ہے۔ تلسی صاحب فرماتے ہیں۔

جن ستگور کا سنگ نہ کینا
دکھ پایا ہوئے کال ادھینا

جو آیا ستگور کے چھاؤں ۔ سورج لاگا اس کے پاؤں

قریب قریب اسی خیال کو صوفی صافی دل نے یوں ظاہر کیا ہے۔

سایۂ شاہاں طلب این آفتاب ۔ تا شوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب

از حضور اولیا گر بگسلی ۔ تو ہلاکی زانکہ جزوی بے کلی[۴۴]

گورو کی مہابہت سے بہت ہے۔ اس کا بیان اور جگہ آیا ہے۔ یہاں کچھ کہا جاتا ہے۔

گت مت بھید سنت کا بھاری ۔ جن پایا تن تن واری

گورو کا ہاتھ پرش کا ہاتھ ۔ جو اتر جائے سب کے ساتھ

اُن کا ہاتھ بہو لمبا اونچا ۔ سات مقام کے اوپر پہونچا

مولانا روم صاحب کا کلام ہے۔

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست ۔ دست او جز قدرت اللہ نیست

مرد دست دراز آمد لقین ۔ برگذشت از آسمانِ ہفتمیں

جن کو گورو کی شرن پراپت نہیں ہے وہ کال اور مایا کے دھوکے میں برابر آوینگے۔ اور آتے رہینگے۔ اس میں ذرہ بھی شک نہیں ہے۔ جو دھن آتمک نام کا سمرن بغیر گورو کے کیا جاویگا۔ اسکے سلسلہ ہی میں کال اور مایا کے شبد سنائی دیں گے۔

گورو بِکشا جا کے سنگ ناہیں ۔ تا کو کال کرم بھرمائیں

رستہ میں ہے کال کا گھیرا ۔ شبد سنا دکھ دے ہیں گھنیرا

بھیا سبھی کو کہیں پکاری ۔ شبد سنو آؤ شرن ہماری

جو کوئی کال شبد میں رچیا ۔ گھر نہیں جائے راہ میں بچیا

مولانا روم یوں فرماتے ہیں۔

[۴۴] گر تو نداری ہوس دولت برو + ورنہ تو بجانِ دل انسان معفو

تب ادھر رجوع ہو۔ ورنہ مطلق ضرورت نہیں ہے ۔کیوں فضول اپنا اکاج کرے۔

پڑھنا لکھنا جانڑی یہ تو بات سہل
کام دہن من بس کرن۔یہی بات مشکل
کبیر آدھی ساکھہ یہ ۔کوئی گرنتھ کر جان
ست نام حکمت جھوٹھ ہے۔سُرت شبد پہچان
کبیر سوئی چتُرا ۔ سنت چرن لو لیں

پردہن پہ من ہرن لو دلشیا بڑی پردین سلہ چالاک
نام جھجو من لبس کرو۔یہی بات ہے تنت ستہ خلاصہ۔سار
کاہے کو پڑھی پنچ مرد۔کوٹن گیان گرنتھ

یہ تاکیدی الفاظ ہیں۔سچی سچی ہدایت ہے۔چاہے اسکو گورو دم کی تعلیم کہو۔
جو جی میں آوے نام دھرو۔بغیر گورو کے یہ راہ طے نہیں ہوتی۔جس کتاب کو
چاہو اس سے سند اور گواہی تلاش کرو۔تمکو اختیار ہے۔مگر بات یہی ہے۔
بغیر اسکے گزارہ نہیں ہے۔

گورو بن مالا پھیرنے گورو بن دینے دان
گورو بن دان حرام ہے۔جا پوچھو وید پران

جب گورو دوارا نام پراپت ہو۔اسکا سادھن کرو۔لکھنے کو تو میں یہاں
صاف صاف لکھ دیتا ہوں۔مگر پھر بھی جبتک گورو سے تعلق نہ ہوگا۔اصلی بات
کا سمجھ میں آنا دشوار ہے۔

چت کی ورتی کو سمیٹ کر سید نیتر میں قائم کرو۔یہاں تمکو روشنی نظر
آئیگی۔اور اسی کے اوپر سے گھنگور شبد کی دھن پرگٹ ہوگی۔اس میں چت کو

کو گاڑ دو۔ آنکھ۔ کان۔ زبان کو بند کر دو۔ اسی سے لو لگاؤ۔ ہر دن اسکا ابھیاس رکھے جب سرت اچھی طرح سمٹنے لگے گگن منڈل کا ناکا نظر آئیگا۔ سرت خود بخود اس طرف آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ اور جس مقام سے اس کے اونچے صدا آتی ہے۔ وہاں رسائی حاصل کرے گی۔ شیو نیتر کے قریب ہی سہس دل کنول کا ستھان ہے۔ اس سے ذرہ اونچے ترکٹی ہے۔ جو اومکار کا مقام کہلاتا ہے۔ جو ویدبانی کا منبع ہے اندر پچے کی ترلوکی کا مرکز ہے۔ اس مقام کا جلوہ دیکھ کر اور اس کے دھن آتمک شبد کو اپنا بنا کر سُن دہاسُن۔ اور بھنور گپھا سے گذرتے ہوئے ست لوک میں شبد کی دھن پکڑو۔ یہ روح کا مقام ہے۔ اس کے تین ستھان اور آتے ہیں جن کی صراحت ابھیاس کی حالت میں ہوتی ہے اور جب سنتوں کا آخری ستھان جو رادھاسوامی یا انامی کہلاتا ہے پراپت ہو لیا۔ پھر اور کچھ کرنا دھرنا نہیں رہ جاتا۔ یہاں کا حال کوئی نہیں بیان کر سکتا صرف روح رسیدہ کو اسکی خبر ملتی ہے۔

یہ ابھیاس اور نام کے شغل کا مختصر بیان ہے۔

اس نام کا سمرن بہت چست سے کرنے پر خود بخود روح کو اپنے نج ستھان میں رسائی کا درجہ حاصل ہو جائیگا۔ اور شاغل آپ کسی دن دیکھے نگا کہ یہ کیسا رتن ہے اور بھو ساگر کے پار خود بخود پہنچا دیتا ہے۔ اس کے سمرن کی بدھی بتادی گئی ہے۔ تن من سے اسکی لگن لگ جائے پھر کیا کہنا ہے آپ اُتم پد مل رہیگا۔ سمرن کیسا ہونا چاہیئے۔ اس کے متعلق صاحب اس طرح فرماتے ہیں۔

(۱) سمرن کی سُدھ یوں کرو۔ جیسے کامی کام
ایک پلک بسرے نہیں۔ نسدن آٹھوں جام

(۲) سمرن کی سُدھ یوں کرو۔ جیوں گاگر پنہار
ہالے ڈولے سرت میں۔ کہیں کبیر وچار

(۳) سمرن کی سُدھ یوں کرو۔ جیوں سربھی سُت ماہنہ
کہیں کبیر چارہ چرت۔ بسرت کبھوں ناہنہ

(۴) سُمرن کی سُدھ یوں کرو۔ جیسے دام کنگال
کہیں کبیر بسرے نہیں۔ پل پل لیئے سنبھال

یہاں تک سمرن کرنیکی بدھی ہے۔ آگے سمرن میں من کے گُتھ دینے اور پرونے کا راز اس طرح بتایا گیا ہے۔

(۵) سمرن سوں من لائیے۔ جیسے ناد کورنگ
کہیں کبیر بسرے نہیں پران تجے تنہی سنگ

(۶) سمرن سوں من لائیے۔ جیسے دیپ پتنگ
پران تجے چھن ایک میں۔ جرت نہ موڑا انگ

(۷) سمرن سوں من لائیے۔ جیسے کیٹ بھرنگ
کبیر بسارے آپکو۔ ہوئے جائے تیہی رنگ

(۸) سمرن سوں من لائیے۔ جیسے پانی میں مچھلی
پران تجے پل بچھڑے۔ سنت کبیر کہہ دیں

یہ سمرن کے درجے ہیں۔ ہرن بین کی آواز پہ عاشق ہے۔ بہلیا جس وقت بین بجاتا ہے۔ تڑپتا ہوا ہرن اس کے پاس آکر مست ہو کر بین پر سر ٹکرانے لگتا ہے اور مارا جاتا ہے۔ یہی مستی کا جذبہ دھن آتمک نام کے سادھن کرنیوالوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ان میں بھی اسی طرح کی بیخودی آتی ہے اور وہ اس سے ملکر ایک ہو رہتے ہیں اور خودی وانہیت کی زندگی کو جواب دے بیٹھتے ہیں۔

پروانہ چراغ پر عاشق ہے۔ نور کو دیکھا اسکی طرف رجوع ہوا۔ اور اپنی کثافت کی جسمانی زندگی کو چھوڑ کر اس سے ملکر ایک ہو رہا۔ یہی حال دھن آتمک نام جپنے والوں کا بھی ہوتا ہے۔

کیٹ کیڑے کو کہتے ہیں۔ بھرنگی ایک پردار مکھی ہے وہ کیڑے کو پکڑ کر اپنے چھتے میں ڈنک مار کر بند کر دیتی ہے۔ کیڑا اسی کا تصور کرتے ہوئے خود ایکدن پرداز بن کر قید کے دروازہ کو توڑ کر اڑتا ہوا آزادی کی آب و ہوا کے میدان میں آجاتا ہے یہی کیفیت دھن آتمک نام کے سمرن کرنے والونکی ہوتی ہے وہ نام کو سمرتے ہوئے گورو کی آزادی کے لکشن کو سامنے رکھ کر تصور کی طاقت سے اسی کے روپ میں تبدیل ہو کر آزاد ہو جاتے ہیں۔

مچھلی پانی کا روپ ہے۔ پانی سے علیحدگی اس کے لئے موت ہے۔ اسی طرح دھن آتمک نام لینے والے نام تک کر ایک ہو رہتے ہیں۔ ان کی رگ رگ میں نام سرایت کرجاتا ہے۔ کیا مجال کہ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے وہ اس سے علیحدہ ہو سکیں۔ وہ نام کے تدروپ بنجاتے ہیں۔ آسمانی زندگی ان کی ہو جاتی ہے مچھلی اور پانی کی مثال سوچنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ مچھلی کو بے رحم ماہی گیر نے پھنسا کر پانی سے باہر نکالا۔ وہ تڑپتی ہو مر گئی۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ آگ میں پکائی گئی۔ اس کو لوگوں نے کھایا۔ کھائے جانے پر بھی یہ حال ہوا کہ کھانے والا پیاس کے مارے پانی پانی چلاتا ہے۔ اور جب تک پانی نہیں پیتا مچھلی چین نہیں لیتی۔ اے نام کے عاشقو کیا تم کو بھی نام سے ایسا پریم ہے؟ تم بھی مالک کے ساتھ ایسا تعلق پیدا کرو۔ کہ موت اور زندگی سے کبھی جدائی نہ ہو۔ نام پر تم کمے راگ کا نغمہ ہے۔ تمہارے رگ رگ کے تار سے وہی شبد برآمد ہو ... دوست

اسی کی دھن کے متوالے رہیں۔ تمہاری زندگی ہی نام کی زندگی ہو۔ گورو آشیرباد دیں۔ یہ ورچہ تم کو پراپت ہو۔

سمرن کیسے کیا جاوے؟ ہم سنت کبیر صاحب کی بانی ہے۔

سمرن سرت لگائے کر۔ مکھ سے کچھو نہ بول
باہر کے پٹ دے کر۔ انتر کے پٹ کھول
سہجے ہی دھن ہوت ہے۔ ہر دم گھٹ کے ناہنہ
سرت شبد میلا بھیا۔ مکھ کی حاجت ناہنہ

اس طرح سے سمرن ہو تو کیسے ممکن ہے کہ روحانی زندگی نہ آوے اور مالک کا درشن نہ پراپت ہو۔

تین بند لگائے کر۔ سن انحد ٹنکور
نانک سن سمادھ میں۔ نہیں سانجھ نہیں بھور

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند۔ گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

تم اس طرح نام کو جپو۔ زندگی کو رائگاں نہ جانے دو۔ دنیا ناشمان ہے، دھن دولت ناپائدار ہیں۔ ذرا اس نام کے سکھ کو بھی تو پراپت کرو۔ گورو کے ساتھ تکلیف سہکر بھی نام کو حاصل کرو۔ سنسارک سکھ کو پاکر اس کا خیال نہ بھولو۔

بپت بھلی گورو سنگ ہیں۔ کایا کوئی دُکھ
نام بنا کس کام کے۔ داد سمپت سُکھ

بیسواں باب

پیروکاروں کی چار قسمیں

سنت مت کے پیرو کاروں کی چار قسمیں ہیں یعنی سنت - سادھ - ست سنگی اور بھیکھ

سنت انکو کہتے ہیں جو مالک کل سے ایک ہو رہے ہیں - مالک میں اور ان میں بھید نہیں رہتا - جو حیثیت کہ لہر کی سمندر کے ساتھ ہے وہی سنتوں کی مالک کے ساتھ ہے -

سنتوں کی پھر دو قسمیں بیان کی گئی ہیں - ایک تو وہ ہیں جو براہ راست دیال دیس سے جیوں کے چتانے کے لئے آتے ہیں - چونکہ انکی زندگی نفسانی اور زمینی زندگی نہیں ہوتی - بلکہ وہ آسمانی اور الوہیت کی پاک زندگی ہوتی ہے بلا واسطہ ذات وہ برگٹ ہوتے ہی لڑکپن ہی سے پرمارتھ کی تعلیم شروع کر دیتے ہیں - انکو کسی سے اپنے خیالات عاریت لینے کی ضرورت نہیں ہے - کیونکہ ان کا سلسلہ کل مالک کے ساتھ ملا رہتا ہے - جیسے رادھاسوامی صاحب اور کبیر صاحب تھے - یہ مالک کی دیا کہلاتے ہیں - خواہ خود مالک ہیں - انکا ظہور دنیا میں بطور خود زبردست معجزہ ہے جس وقت وہ پرگٹ ہو کر جیوؤں کے جتانے کا سلسلہ جاری کرتے ہیں - روحانیت کی برشا ہو جاتی ہے - اور اس کے کمال کو دیکھ کر ظاہری علم والے بھی حیران رہ جاتے ہیں -

در لبشر رو پوش کرد ست آفتاب - فہم کن واللہ اعلم بالصواب

دوسرے وہ سنت ہیں جنہوں نے سادھن کرکے سرت شبد یوگ ابھیاس کے ذریعہ سے لوک خواہ انامی ستھان تک رسائی حاصل کر لی ہے اور مالک سے مل کر ایک ہو رہتے ہیں - ست مت میں ان کا درجہ سب سے اونچا سمجھا جاتا ہے - اور سنتوں کی تعظیم سب سے زیادہ کی جاتی ہے -

دوسرے سادھ کہلاتے ہیں - سادھ یا سادھو وہ ہیں جنہوں نے

ابھیاس اور ویراگ کی مدد سے کم از کم سن بچی صوفیوں کے مقام ہوت تک رسائی حاصل کر لی ہے اور ست نام خواہ دھر استھان تک پہنچنے کے سادھن میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اس روحانی طبقہ یعنی سن خواہ تھاس بن پر بیٹھ کر تعلیم کا پرچار کرتے ہیں۔ جس طرح سنتوں کی بابت گرہستی اور ورکتی کی قید نہیں ہے ویسے ہی سادھو بھی چاہے گرہستی ہوں خواہ ورکت ہیں ان کی عزت اور حیثیت ایک ہے۔ مرد وعورت دونوں سادھو گتی کو پراپت ہوتے ہیں اور انکی تعظیم اسی نظر سے ہونی چاہیئے۔

جب کبھی سنت گپت ہو جاتے ہیں۔ خواہ کسی وجہ سے ادھکاری اُن تک نہیں پہنچ سکتا ہے تو یہ سادھو اسکی تعلیم کرتے ہیں۔ اور سنت مت کی ٹیک بندھاتے ہیں۔ اور پرانیوں کا کلیان کرتے کراتے ہیں۔

تیسرے ست سنگی ہیں جو ست سنگ کرتے ہیں اور سہس دل کنول سے ابھیاس شروع کر کے ترکٹی تک پہنچنے کے جتن میں لگے ہیں۔ ستری اور پرش دونوں ست سنگی ہوتے ہیں۔ پرش کو ست سنگی اور ستری کو ست سنگنی کہتے ہیں۔ یہ گروہ زیادہ تر گرہستی ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی سنت گورو یا سادھ گورو کا حکم لے کر جیوؤں کو سنت مت کا عقیدہ بندھاتے رہتے ہیں اور اپنی عملی زندگی اور سادھن سمپن جیوں سے اور پرانیوں پر اثر ڈال کر پرمارتھ کی طرف مائل کرتے ہیں۔ ان کے ذریعہ بہت جیوں کا کلیان ہوتا ہے۔ اور اپنے بھاؤ کی مقناطیسی کشش سے بہت لوگوں کو سنت ستگور کے چرنوں میں جھکاتے ہیں۔ ان کے و نیز سادھ گورو کے لئے یہ حکم ہے کہ جیوں کو وقت گورو کی اہمیت و ضرورت بتاتے رہیں۔ اور ان کے ساتھ آپ بھی وقت گورو کے ست سنگ اور اُپدیش سے فائدہ حاصل کرنے کا خیال رکھیں۔

سنت مت میں قطعی طور پر تاکید کے ساتھ حکم ہے کہ وہ فضول ناحق کے
ادبواد میں نہ پڑیں۔ نہ مذہبی بحث و مباحثہ میں اپنا وقت خراب کریں جو
کچھ ان کو دنیا کے کام کاج سے وقت ملے وہ ابھیاس ست سنگ اور سنت بانی
کے پاٹھ میں صرف کریں۔ ان کے دل کسی مختلف خیال والے آدمی کی طرف سے
راگ اور دویش نہ ہو۔ وہ نہ اپنے کو بن جان کر خواہ مخواہ کے چھیڑ چھاڑ سے کسی
کا دل دکھا دیں۔ بلکہ اپنی زندگی کو سچائی۔ پریم و پرتیت کی شاندار زندگی بنا کر اپنی
زندگی اور طرزِ معاشرت سے اپنے اردگرد کے آدمیوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ
سنت مت صرف عمل سادھن میں ہے۔ باد بواد میں نہیں ہے۔ دنیا میں مختلف
خیال اور طبقوں کے آدمی ہیں۔ جو جیسا ہے وہ ویسا طریق اختیار کرے گا۔
ست سنگی اور سادھو کا کام صرف مثال بنکر دکھانا ہے اور بس۔ اُن کو ست
سنگ میں یہ بھی ہدایت ہوتی رہتی ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو گالی دے
خواہ لعن طعن کرے تو برداشت کرتے رہیں۔ کیونکہ مذہب عشق یعنی
پریم کے مارگ میں یہ مرحلے ہمیشہ آتے ہیں۔ سنساری جیو جو نادان مطلق
ہیں اپنی غلطی و غلط فہمی سے نہ صرف ناحق حملہ کرتے ہیں بلکہ بسا اوقات سادھ سنت
ستسنگیوں کو بدنام بھی کرتے ہیں لیکن اگر سادھ و ست سنگی سچے ہیں اور اندر میں وہ
بھی ان کا پردہ کھل گیا ہے تو وہ بآسانی جان لیتے ہیں کہ ان سنساری آدمیوں
کی کیا حالت ہے۔ اور انکی حالت پر ترس کھا کر ان کو معاف کر دیتے ہیں۔ کیونکہ
ان کو پرمارتھ کی ذرہ خبر نہیں ہے۔ ان کا آدرش دنیا یا دنیا کی مان بڑائی
و عزت حرمت ہے۔ سادھ و ست سنگی کا آدرش کچھ اور ہے اور اس لئے
اگر ان کی ذلت کی جائے تو صبر کے ساتھ برداشت کریں۔ کیونکہ کہا گیا
ہے۔

ملامت شحنۂ بازار عشق است ملامت صیقل زنگار عشق است

جس میں سہس شکتی سے وہ آخر میں غالب آتا ہے۔ اور اپنے سیچے و اچھے برتاؤ سے لوگوں کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے۔ اس وقت بہ خود بخود اسکے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اور بھی ست سنگ میں داخل ہوتے ہیں۔

جو کچھ اخلاقی تعلیم ست سنگ میں ہوتی ہے۔ زیادہ تر ست سنگیوں ہی کے لئے ہوتی ہے۔ وہ سنسار کا بیوہار کریں حق اور حلال کی کمائی سے اپنا پالن پوشن کریں۔ کیونکہ جبتک حق اور حلال کی کمائی نہ ہوگی نہ وہ سادھن کر سکیں گے۔ نہ ان سے بھجن بندگی بن آئیگی۔ نہ کسی کے دھن دولت کا خیال رکھیں۔ نہ رشک و حسد کے شکار ہوں۔ بلکہ جس کو اپنے سے بڑا دیکھیں خوش ہو کر اقرار کریں کہ مالک نے اس پر دیا کی ہے۔ جو ان سے چھوٹے ہیں ان پر دیا درشٹی رکھیں۔ ست سنگیوں کے ساتھ پریم اور محبت کا برتاؤ کریں جس سے دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سچے مالک کے سب بچے ہیں۔ اور اگر کوئی ان سے خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ کرے تو آپ جتنے الامکان الگ رہ کر بے تعلق بنتے جا ہیں۔ اداسین ورتی دھارن کریں۔ اور اس اصول کی پابندی سے ان کا کلیان ہوگا۔

جو ست سنگی غلطی سے کسی کے مذہبی عقیدہ پر حملہ کرتا ہے اس کو یاد رکھنا چاہئیے کہ وہ دوسروں کو اپنے مذہب و خیال پر حملہ کرنے کیلئے چیلنج دے رہا ہے جو جیسا کرتا ہے ویسا پاتا ہے۔ اور یہ سخت افسوس کی بات ہوگی اگر کسی ست سنگی کی وجہ سے سنت مت کی برائی و بدنامی کا سامان پیدا ہوتا ہے۔

سیوک سے کتنا بھلا جو گورو دلوے گار۔

یہ سچ ہے کہ سنتوں کی بانی میں کہیں کہیں اور مذہبوں کا ذکر آجاتا ہے

مگر اس سے مراد صرف اتنی ہے کہ ست سنگیوں کو سنساری متوں کے نسبتی درجوں سے آگاہی ہو جائے۔ وہ ان کی حیثیت و عزت جان لیں اور وہ اسلئے نہیں ہے کہ ست سنگی اس کو پڑھ کر اوروں پر حملہ کرے۔ نگاہ اصلی عزت اور مقصد پر رکھنی چاہیئے۔ مقصد کو نظر انداز کرنے سے غلط فہمی پھیلتی ہے۔

غلطی صرف وہاں زیادہ تر ہوتی ہے۔ جہاں ست سنگی نے اپنے انتر میں کسی مقام کو طے نہیں کر لیا ہے۔ کیونکہ ابتک اسکو سنت مت کی بزرگی کا اصلی پتہ نہیں ملا ہے۔ ورنہ ابھیاس کا کچھ رس آیا ہے۔ اس کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے۔ اس لئے اسکے لئے ہدایت ہے کہ وہ جس وقت سنت مت میں شریک ہو کم از کم چھ مہینہ تک اس زور کے ساتھ ابھیاس کرے کہ یا تو سہس دل کنول کے استھان کا وہ باسی ہو جائے۔ یا اس کو پار کر کے ترکٹی کے ناکے تک پہنچ جائے۔ پھر وہ تمام خطرات سے محفوظ ہو جائیگا۔ اور سنساری جیوں کی باتیں اس پر اثر نہ کریں گی۔ وہ اپنے خیال کا پختہ بن جائیگا۔ اور اس وقت جب اسکو اندرونی پرچے ملنے لگیں گے وہ اپنی آنکھوں سے آپ دیکھے گا کہ سنت مت کیسی نعمت بے بہا ہے جس کو باہر مکھی جیو نہ جان سکتے ہیں۔ نہ سمجھ سکتے ہیں سنت مت چونکہ ظاہری و رسمی پابندیوں کا طریق نہیں ہے۔ اس میں داخل ہو کر انتر مکھی جدتی کے سادھن کرنے میں نت پر ہونا چاہیئے۔ اور ابتدائی مرحلہ میں بھید وادیوں سے ذرہ بھی تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ تاکہ اس کے دل پر انکا اثر نہ پڑنے پاوے۔

سنت مت کے چوتھے قسم کے پیروکار بھیس یا بھیکھ کہلاتے ہیں۔ جنگلے بھی گھنی پہن بھیکھ مانگتے ہیں۔ ان کی عزت سنت مت میں بہت کم ہے ان میں پرمارتھ بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ سوانگ زیادہ تر پیٹ کے لئے

اختیار کیا جاتا ہے۔

مانگن مرن سمان ہے۔ مت کوئی مانگے بھیکھ
مانگن سے مرنا بھلا۔ یہ ستگورکی سیکھ

جسکو پیٹ کا دکھ ہے وہ پرمارتھ کی کمائی نہیں کر سکتا۔

پراگندہ روزی پراگندہ دل

لیکن یہ قطعی بھی نہیں ہے۔ مستثنیات بھی ہوتے ہیں جو بات کہی جاتی ہے۔ صرف ایک عام نقطۂ خیال سے کہی جاتی ہے۔ سنت مت کے بھیکھ بمقابلہ اوروں کے اچھے ہوتے ہیں۔ مگر عام حکم یہ ہے کہ جب تک بہت زور کا ویراگ نہ ہو۔ اور بھیکھ والا آدمی ضرورت کے موافق سامان پر سنتوشی ہوکر اپنا باقی وقت ابھیاس میں نہ لگا سکے تب اسکو کبھی بھیکھ دھارن نہیں کرنا چاہیئے۔

گیروا بستر والوں سے بسا اوقات بہت غلطی ہوتی ہے۔ اسلیئے سنت مت میں اس کی ترغیب سوا خاص حالتوں کے نہیں ہے۔ عام اُپدیش یہ ہے کہ لوگ اپنے ہاتھ پاؤں ماریں اور دوسروں پر ناحق بار نہ بنیں۔

بھیکھ میں بھی سَت سنگی اور سادھو کے درجہ کے آدمی ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ جس نے جس روحانی مقام کو طے کر لیا ہے۔ اس کے موافق اس کا درجہ ہے۔

یہ چار طرح کے پیرو کاروں کی تشریح ہے۔

اکسواں باب

سُرت اور سُرت کا بھنڈار

سنت مت میں سرت روح کو کہتے ہیں۔ جس کا روپ توجہ ہے۔ جہاں
توجہ ہے وہاں ہی ہم اصل میں رہتے ہیں اور جو کچھ سنسار میں نظر آتا ہے
وہ سب اسی توجہ کی کھیل ہے۔ اگر کسی کی طرف توجہ نہ دی جائے تو اسمیں زندگی
نہیں آتی قدرت کی طاقتیں دھار روپ ہو کر جگت میں لاکھ رہیں مگر جب تک سرت جو
چیتن کی دھار ہے انکی طرف مائل نہ ہو تو رچنا کے کاروبار نہیں ہوتے۔ تم دور
نہ جاؤ۔ اپنے ہی حالات کو دیکھو۔ ایک شخص تم سے گفتگو کر رہا ہے۔ تم توجہ کے ساتھ
سن رہے ہو۔ اگر کسی طرح یہ توجہ نہ ہو۔ اور گو آنکھ۔ کان موجود ہوں۔ اور
بات کہنے والے کی طرف کھلے ہوں مگر توجہ کی دھار کے ذرہ کھسک جانے سے
پھر نہ تو اس کی بات سمجھ میں آوے گی اور نہ کچھ سنائی دے گا نہ دکھائی دے گا
یہ سرت کی دھار بجلی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز ہے۔ دم کے دم میں کہیں کی
کہیں پہنچ جاتی ہے۔ ابھی یہاں ہے ابھی کلکتہ میں جا پہنچی۔ اور کلکتہ ہی کیوں
جہاں ذرا سا وہ کھسکی۔ سارے برہمانڈ کی خبر لے آ سکتی ہے۔ تم بات کرنے والے
کے پاس موجود ہو۔ مگر سنا نہیں۔ پوچھتے ہو۔ بھائی کیا کہا۔ میں نے نہیں سنا
میرا چت اور کہیں چلا گیا تھا۔ کیا اس سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سرت
کوئی اور چیز ہے جو اندریوں سے بالکل مختلف ہے۔

یہ سرت رچنا کی جان اور اس کا جوہر ہے۔ اور اس میں اپنے اصل بھنڈار
کا وصف ویسے ہی موجود رہتا ہے جیسے قدرت کی تمام شکتیوں میں . . .
قدرت کا وصف موجود رہتا ہے۔ اور جس طرح قدرت کی دھاریں اپنے قدرتی
بھنڈار کی ہمیشہ محتاج اور دست نگر رہتی ہیں۔ ویسے ہی یہ سرت بھی اپنا انحصار
دار و مدار اپنے بھنڈار پر رکھتی ہے۔

یہ بھنڈار رچنا میں ہر جگہ پر ہے۔ جیسے تم دیکھتے ہو۔ پانی کے ذخیرہ

سے نہریں پھوٹ کر اپنا کام کرتی ہیں۔ ویسے ہی اور ل کا حال ہے سورج زندگی کا بھنڈار ہے۔ اسی سے دھاروں کے ذریعے سب کو زندگی ملتی ہے۔ اور جب یہ دھارا اُس سے نکل کر کسی جگہ اُتر کر اپنا مرکز بنا لیتی ہیں۔ تب زندگی کا کارو بار ہونے لگتا ہے۔ یہ صرف مرکز ہی نہیں بنتیں۔ بلکہ اپنے موافق سامان اِدھر اُدھر سے قوت کشش کی مدد سے جو ان میں موجود ہے اپنے ضروری سامان اکٹھا کر لیتی ہیں اور اپنا کام کرتی ہیں۔ ان دھاروں میں سورج کا وصف موجود رہتا ہے۔ ویسے ہی سرت کا بھی حال ہے۔ رچنا کے اس طبقہ میں جہاں اس وقت ہماری نشست ہے سرت انگ میں اُسی روپ میں ان کی حالت جیوں کی تیوں نظر آئیگی کیونکہ یہ اختلاف کا طبقہ اور مرکب رچنا کا مقام ہے۔ تاہم پھر بھی بہت کچھ مشابہت نظر آئیگی۔

یہ مشابہت اگر کہیں کسی ذی حس مخلوق میں اپنا اظہار کرتی ہے تو وہ انسان کا جسم ہے۔ کیونکہ اس میں آکر سرت میں وہ تمام باتیں قریب قریب رہتی ہیں۔ جو سرت کے بھنڈار میں ہیں اور اس لئے انسان کو چھوٹا برہمانڈ کہتے ہیں انسان کا یہ بہت مجموعی مطالعہ کرنا آسان کام کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ انسانی جسم کے مختلف طبقات کے اجزا کو حواس تمیز تک نہیں کر سکتے۔ تاہم آہستہ آہستہ جس طرح یہ حواس لطیف ہوتے جائیں گے۔ اُسی طرح ان کی سمجھ بوجھ خود بخود آتی جائیگی۔ اور من کے اہنبد شکتی ان کے سمجھانے میں مددگار ہوتی جائیگی یہ سوچ اور سمجھ کی لطافت سرت شبد یوگ کے عمل سے بہ آسانی حاصل ہوتی ہے۔ جس کا اختیار کے ساتھ نام کے متعدد ابواب میں ذکر آیا ہے۔ اور آئندہ بھی اس کا ذکر کسی قدر اور وضاحت سے کیا جائیگا۔

کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس انسانی امتزاج اور انسانی

حالات کی پوری پوری خبر ہے۔ تم اسی ایک بات کو نہ دیکھ لو کہ جو غذا تم کھاتے ہو۔ اس کے تحلیل کرنیوالے تم آپ ہی ہو۔ یہ کام کوئی اور طاقت نہیں کرتی مگر جبتک تم غذا کو چباتے ہو۔ اس کی لذت محسوس کرتے رہتے ہو مگر جہاں وہ حلق کے نیچے اترا پھر خبر نہیں رہتی کہ کس طرح وہ ہضم ہوتا ہے۔ کس طرح خون وغیرہ بن کر وہ جسم کے رگ و ریشہ میں جذب ہوتا ہے۔ اور کس طرح لطیف حصہ جزو بدن بنتا ہے۔ اور کثیف خارج ہوتا ہے۔ کام کرنیوالے تم آپ ہی ہو۔ لیکن اگر تم سے پوچھا جائے کہ یہ عمل کیسے ہوتا ہے تو شاید انسان کی زیادہ تعداد قابل اطمینان جواب نہ دے سکے۔ مگر اس میں ذرہ بھی شک نہیں ہے کہ یہ کام کوئی دوسری طاقت نہیں کرتی انسان آپ ہی کر رہا ہے۔

اس طرح اور بھی بہت سی باتیں اس انسانی جسم کے تعلق میں کہی جاسکتی ہیں جسکا علم انسان کو نہیں ہے۔ مگر اس سے کوئی تمیزدار آدمی انکار نہ کرسکے گا کہ وہ کام اُسی کی ذات سے انجام پا رہا ہے۔

مگر رفتہ رفتہ سوچنے سمجھنے اور ابھیاس کے سلسلہ کے جاری رکھنے سے ایک وقت ایسا آجاتا ہے۔ جب اس کی خبر پڑنے لگتی ہے اور جیوں جیوں انسان اس خاکی جسم کے حالات سے خبر پاتا جاتا ہے۔ اُسی طرح اس کو سارے برہمانڈ کے حالات سے واقفیت ہوتی جاتی ہے۔ اور پھر ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب وہ کسی حد تک سرت کے بھنڈار کے متعلق انبھو کرنے لگتا ہے۔

بائیسواں باب

رچناکے تین طبقات اور چھ چکر

ہم نے کہا ہے کہ انسانی جسم برہمانڈ کا نمونہ ہے۔ اور جب اس طرح کہا گیا تو ضروری ہوا کہ اس میں برہمانڈ کے اوصاف موجود ہوں۔ اور جو طبقات برہمانڈ میں ہیں وہ اس میں بھی دکھائے جائیں۔

انسانی جسم کے تین طبقات ہیں:۔

پہلا طبقہ وہ ہے جس میں من اندریاں ہیں۔ اور پرکرتی کی تمام حالتیں ٹھوس۔ رقیق۔ بھاپ اور لطیف وغیرہ سب کچھ موجود ہیں اور خاص طرح پران میں سرت رچنا کے مصالحوں سے مل کر کام کرتی ہے۔

پرکرتی کے مصالح کی پانچ صورتیں ہیں۔ ایک پرتھوی جس میں ٹھوس پنا ہے۔ دوسرا اسپال جو پانی ہے۔ تیسرا تیج جس میں حرارت وروپ ہے۔ پانچویں ہوا یا وایو جو بھاپ کی شکل کی ہے اور پانچواں آکاش ہے۔ اور سرت ان سے مل ملا کر عجیب وغریب طریقہ پہ کام کرتی ہے۔

دوسرا طبقہ من کا ہے جس میں انتہ کرن کی چار صورتیں جو من۔ بدھی چت اور اہنکار ہیں۔ شامل ہیں۔ من سنکلپ وکلپ اٹھاتا ہے۔ چت چنتن کرتا ہے۔ اہنکار چنتن کو دوڑھاتا ہے۔ بدھی اسکا ساکشاتکار کراتی ہے۔

تیسرا طبقہ روح کا ہے۔ جو کسی خاص ستھان سے اتر کر اپنے دھار دل

سے ان تمام برکرتی کے مصالحوں کو زندگی دیتی ہے۔ اگر روح کی دھار نیچے نہ اُترے تو پھر یہ سب کی سب مجہولیت کی حالت میں پڑی رہتی ہے۔ شریر کا جو طبقہ کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے چھ حصے خواہ درجے ہیں۔

ان میں سے پہلا گدا چکر ہے جہاں سے ستھول علاظت کا اخراج ہوتا ہے۔ اس میں اور اس سے ملکر جو سرت کی دھار کام کرتی ہے اس کا نام گنیش ہے۔ یوگی اسی مقام سے عمل شروع کرتے تھے۔ اس لیئے سب سے پہلے گنیش جی کی پوجا کی جاتی ہے۔ اُن کے دیکھا دیکھی اور مت والوں نے بغیر اصلیت کو سمجھے ہوئے گنیش کی تعظیم کا پرچار کیا۔

دوسرا چکر اندری چکر ہے۔ جہاں پانی کی جگہ ہے یہاں سے استھول رچنا کے پرانیوں کی پیدائش ہوتی ہے۔ اور جو سرت کے جل سے مل کر کام کرتی ہے اس کا نام برہما ہے کیونکہ برہما ستھول جگت کو رچتا ہے اور چونکہ رچنے کے کام میں اس کو طرح طرح کی سوچ وچار سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ ان کی قابلیت رکھتا ہے۔

تیسرا چکر نابھی چکر ہے۔ جو اگنی کا ستھان ہے روپ دینا۔ غذا کو تحلیل کرکے جسم کے تمام حصوں میں پہنچانا اس کا فرض ہے۔ اس کو وشنو کہتے ہیں۔ چونکہ پالن پوشن کرنا وشنو کا کام ہے۔ اس لیئے اس کی ایسی عزت ہے۔ اور وہی اس چھوٹے برہمانڈ کا اس حیثیت سے سنبھال کرتا رہتا ہے

چوتھا چکر ہردے چکر ہے۔ جو ستھول وایو کا ستھان ہے۔ جہاں سے پرانوں کی اُتپتی ہے۔ اس ستھان میں جو سرت مقیم ہے اس کو شیو کہتے ہیں اور جس کی ساری حرکتوں کا سرچشمہ یہاں ہی ہے۔ یہ اگر بند ہو جاتے تو

پھر جسم ناکارہ ہوجاتا ہے۔ اس کی حرکت بالکل موقوف ہوجاتی ہے۔ اور آدمی مرجاتا ہے۔ اسی سے شیو کو سنگھار کرتا کہتے ہیں۔

پانچواں چکر کنٹھ چکر ہے۔ جہاں آکاش ہے یہاں جو سرت رہتی ہے اس کا نام درگا۔ بھوانی وغیرہ ہے جس میں باسنا شکتی ہے۔ اور چونکہ سارا کام باسنا سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی ایسی حیثیت مانی جاتی ہے۔

چھٹا چکر دونوں بھنووں کے بیچ میں ہے۔ جس کو میرا تل۔ تری نیتر اور شیونیتر بولتے ہیں۔ یہی صوفیوں کا لفظ سویدا ہے۔ یہاں جو سرت رہتی ہے۔ اُسی کا پسارا نیچے ہے۔

یہ کُل شٹ چکر سفول شریر کے پہلے طبقہ میں ہیں۔ اور جب سرت شبد کا ابھیاسی ابھیاس کرتا ہے اس کے سرت کی دھار ان تمام سفلی طبقات سے کھنچ کر دماغ کی طرف رجوع ہوتی ہے۔ سنت مت میں ابھیاس چھٹے چکر سے شروع ہوتا ہے۔ نیچے کے مقامات میں اس لئے سادھن نہیں کرایا جاتا کہ وہاں صرف ادنچے ستھان کی جھایا ہے۔ اور اگر کسی سے یہ ابھیاس ہیم پورک بن آوے تو آپ ہی آپ اسکو دن پرانایام یا اور یوگ کے سادھن مثلاً نیتی دھوتی۔ آسنی۔ کھیچری وغیرہ کا فائدہ ہوجاتا ہے۔ ان سب یوگوں کے کرنے میں خطرات ہیں۔ اور ان کے سمجھ اب بن نہیں آتے۔ طرح طرح کے امراض میں گرفتار ہونے کا خوف رہتا ہے۔ اور پھر بھی منزل مقصود تک رسائی محال ہوتی ہے۔ اور زندگی اکارتھ جاتی ہے۔ اس لئے سنت مت میں سوا سرت شبد یوگ کے جو سہل و سریع الاثر ہے باقی سب کا نشیدھ کردیا گیا ہے۔ تاکہ پرانیوں کا کاج تھ ہو۔ جو اسکو نہیں مانتے وہ تھا ہیں ان کو اختیار ہے۔ مگر موجودہ وقت اور موجودہ وقت کے سادھ سامان ان کے برخلاف

ہیں۔ اگر اس کو نہ سمجھ کر کوئی اور سادھن میں لگے گا تو اپنا نقصان کرے
گا۔ بات صاف صاف ہے۔ اسی وقت کی ضرورتیں اور قسم کی ہیں اس لیئے
یوگ کا سادھن بھی اور طرح کا ہونا چاہیئے۔ تاکہ جیوؤں کو آسانی سے پرمارتھ
کا پھل بھی مل سکے۔ اور اُن کو یقین ہو جائے کہ اس سے ہمارا کام بنے گا۔ اگر
اور یوگ اس زمانہ کے لیئے ہوتے تو ان کا پرچار بھی ہوتا۔ اور اُن کے
ابھیاسی بھی ملتے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔ اگر کہیں
کہیں کوئی مل بھی جائے تو وہ مستثنیات سے ہے۔ اور اس کا یہاں ذکر
نہیں۔ مگر ہمارا یہ خیال ہے کہ وہ بھی مشکل سے پرم پد کا ادھیکاری بنے
گا کیونکہ اس کے راہ میں ایسے وگھن پڑیں گے جن پر غالب آنا نہ صرف
مشکل بلکہ ایک طرح پر غیر ممکن ہے۔

دوسرے طبقہ کے کھٹ چکر میں برہمانڈی من ہے یعنی جیسے پنڈ میں
پنڈی من ہے۔ ویسے اس میں برہمانڈی من ہے۔ جیسے یہ پنڈ پنڈی من
کے آدھار پر ہے۔ ویسے ہی برہمانڈ برہمانڈی من کے آدھار پر ہے۔

تیسرے طبقہ میں جن کھٹ چکروں کا بیان ہوا ہے اس دوسرے
میں اس کی اصل شکل ہے۔ اور نیچے کے طبقے انہیں کی نقلیں ہیں۔ اسکا
آخری چکر سہس دل کنول ہے جس میں نرنجن رہتا ہے۔ اس کے اوپر ترکٹی ہے
جو برہم پد ہے۔ اس برہم پد کی تین صورتیں ہیں۔ اویاکرت۔ ہرنیہ گربھ۔ وراٹ
اور ان کے نام تین حالتوں جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی کی وجہ سے ہیں۔ اس
برہم کی حالت برہمانڈ میں ویسے ہی ہے۔ جیسے ہماری اس پنڈ میں ہے۔
اور جیو کے بھی یہاں جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی کے لحاظ سے تین نام ہو
جاتے ہیں۔ [illegible] پراگیہ۔ تیجس اور وشو

جاگرت اوستھا کے لحاظ سے برہم کا نام وراٹ اور جیو وشو ہے سوپن اوستھا کے لحاظ سے برہم کا نام ہرنیہ گربھ اور جیو کا تیجس ہے سوشپتی اوستھا کے لحاظ سے برہم کا نام ہرنیہ گربھ اور جیو کا پراگیہ ہے۔

برہمانڈی من ہیں جو تین دیوتاؤں کے تین اوصاف ہیں وہ درما کرت ہرنیہ گربھ اور وراٹ ہیں۔ اور وہ پنڈ کے ہردے چکر۔ نابھی چکر اور اندری چکر مشابہہ ہیں۔ جو کام اس سفلی طبقہ کے دیوتا کرتے ہیں وہ برہمانڈ میں ہرنیہ گربھ وغیرہ کرتے ہیں۔

ہم نے سفلی طبقہ میں بھی ہردے چکر کا دیوتا شیو کو۔ نابھی کا وشنو اور اندری کا برہما بنایا ہے۔ اس کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ اصلی برہما وشنو اور مہیش تو برہمانڈ میں ہیں انکی نقل یا عکس پنڈ میں ہے۔ پنڈ برہمانڈ کی نقل ہی ہے جو اس میں ہے وہی اس میں ہے۔

برہما پیدا کرنیوالا ہے۔ شیو سنگھار کرتا ہے۔ وشنو پالن پوشن کرتا ہے۔ یہ تینوں طاقتیں تمام مخلوق میں ہیں۔ اور جیسے برہمانڈ میں کام ہوتا ہے بالکل اُسی نقشے کے موافق پنڈ میں بھی ہوتا ہے۔ فرق صرف اصل اور نقل کا ہے اسکے سوا اور کوئی بھید نہیں ہے۔

برہما میں یہ طاقت ہے کہ وہ موافق سامان سے کر اُن کو ضروری شکل دیتا ہے۔ شیو اس کو برباد کرتا ہے۔ وشنو ان دونوں کو سہارا دے کر ستھتی کی حالت میں قائم رکھ کر سنبھالنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ ذی حس اور غیر ذی حس مخلوق دونوں میں اسی طرح ان کے کام کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پنڈ میں ان کی صورتیں مخصوص حالت میں نظر آتی ہیں۔ کیونکہ اس سفلی طبقہ میں [illegible] زیادہ ظاہر ہوتا ہے

برہمانڈ کی سمجھ ہر شخص کو نہیں ہو سکتی اسی وجہ سے سنت مت میں پنڈ کے مطالعہ پر بار بار زور دیا جاتا ہے۔ تاکہ اسکی سمجھ آوے۔ پھر عالم حیوانات اور عالم نباتات میں بمقابلہ معدنیات کے ان کی صورتیں محسوسیت کے درجہ میں نہیں ہیں۔ عالم معدنیات میں گو برہمانڈ کے تمام درجے موجود ضرور ہیں مگر وہ مجہولیت کی حالت میں رہتے ہیں۔ اس لئے جلد سمجھ میں نہیں آتے سبب یہ ہے کہ اوپر کے درجوں میں سرت کے دھار کی تمیز ہوتی ہے۔ معدنیات میں تمیز کم ہوتی ہے۔ حیوانات میں ہردے چکر۔ نابھی چکر اور اندری چکر سے ان کی وضاحت ہوتی ہے۔ نباتات میں پھول پتے اور درختوں کے چھال کے ذروں کی خارج کرنے اور بیج بنانے اور نباتات کی زندگی کے قائم رکھنے کی صورت میں ان کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کے اوپر سُن کا جو استھان ہے وہ پر برہمہ پد کا واچک ہے۔ اس طرح برہمانڈ میں بھی پنڈ کی طرح چھ درجے رچنا کے موجود ہیں۔ اس کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اوپر جو کچھ ہے۔ اسی کا عکس نیچے ہے۔ اوپر سوکشم ہے نیچے استھول ہے۔ جیسے اگر تم جھیل، دریا یا تالاب کے کنارے اگر کسی درخت کو کھڑا ہوا دیکھو تو اس کا پانی میں اُسی طرح کی شکل نظر آوے گی اور اس عکس میں اصلی درخت کے تمام مدارج موجود ہوں گے۔ ویسے ہی برہمانڈ کی نقل پنڈ میں ہے۔ کیونکہ پنڈ برہمانڈ کی نقل ہے۔

یہاں تک تو پنڈ اور برہمانڈ کے کھٹ چکروں کا ذکر ہوا۔ اب آگے اختصار مگر وضاحت کے [illegible] روحانی طبقہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قدرت میں ہر جگہ تین اوستھا کا ظہور نظر آتا ہے۔ جیسا بار بار اوپر ذکر آیا ہے۔

پنڈ میں اگر سرت نہ ہو اور چیتن کی دھار کا کام نہ کرے تو پنڈ کی کارروائی

نہیں ہوتی۔ اسی طرح برہمانڈی من بھی چیتن دھار کی محتاج ہے۔ پنڈ میں پنڈی من اور برہمانڈ میں برہمانڈی من ہے۔ یہ دونوں چیتن کے دست نگر ہیں۔ ان میں سے جب کبھی چیتن کی دھار نکل جاتی ہے۔ تو ان کا ابھار ہو جاتا ہے۔ زیادہ واضح لفظوں میں یوں کہا جائے گا کہ چیتن دھار کے کھچ جانے سے ان کا پرلے ہو جاتا ہے۔

یہ حالتیں من کی چیتن دھار کے شامل ہونے سے ہوتی ہیں۔ وہی برہمانڈی من میں بھی ہوا کرتی ہیں ان دونوں میں جو کھیہ چیز ہے وہ چیتن ہے۔ من میں جو تین شکتیاں بنانے بگاڑنے اور ستھتی رکھنے کا کام دیتی ہیں۔ برہمانڈ میں وہی شیو وشنو اور برہما کہلاتی ہیں۔ ان دونوں کے طے کرنے کے چیتن کا درجہ اپنی اصلی حالت میں آتا ہے۔

چیتن کے تین اوصاف اسی طرح ست چت اور آنند ہیں۔ ادراد پر کے درجوں میں ان کی بھی سرت کے اتار کے ساتھ ساتھ چھ حالتیں ہو جاتی ہیں جن کو روحانی طبقہ کا کھٹ چکر سمجھو۔ اور جس کی مزید وضاحت ست سنگ کے بچنوں میں ہوا کرتی ہے۔

تیئیسواں باب

کھٹ چکروں اور مقامات روحانی کی وضاحت

سرت یا روح کا اصلی مقام انامی سوامی کہلاتا ہے۔ اسی کو رادھا سوامی پد سنتوں کے یہاں کہا جاتا ہے۔ اس مقام پر جو رسائی حاصل کرتے ہیں انکو

پرم سنت بولتے ہیں۔ اس جگہ سے ایک موج اٹھی۔ اور شبد روپ ہوکر نیچے اُتری۔ اور دو مقام اگم الکھ میں ہو کر ست لوک میں آئی۔ یہ اگم الکھ اور ست لوک مہا پرکاشمان اور نرمل ہیں۔ اور چیتن یعنی روحانی محض ہیں جو لوگ یہاں تک پہنچتے ہیں وہ سنت اور ست پرش کہلاتے ہیں۔ ان چاروں کو دیال دیس کہتے ہیں۔

ست لوک سے دو مقام بھنور گپھا اور مہا سُن کو چھوڑ کر سُن یعنی دسواں دوار ہے۔ یہاں سے روح برہمانڈ اور پنڈ میں پھیلی۔ اور اسی ستھان سے پرش اور پرکرتی کا ظہور ہوا۔ یہ پار برہم پد کہلاتا ہے۔ یہاں تک سرت پانچ تتو۔ تین گن اور کارن سوکشم اور استھول شریر سے علیحدہ ہے یہاں تک جو پہنچتے ہیں وہ سادھ کہلاتے ہیں۔

سُن سے نیچے ترکٹی ہے۔ جس کو گگن کہتے ہیں۔ یہ برہم پد لو۔ اور اوم کا ستھان ہے۔ یہاں سے مہا سوکشم تین گن۔ پانچ تتو اور تمام رچنا کا سوکشم مصالحہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ وید کے ظہور کا ستھان ہے۔ اس کو مہا آکاش بھی کہتے ہیں۔ اس کو اور مذہب والے برہم کہتے ہیں بسنت اسکو برہمانڈی من بولتے ہیں۔

اس کے نیچے سہس دل کنول ہے۔ اس کو جوت نرنجن بھی کہتے ہیں۔ یہ پنڈ من ہے۔ سنت مت میں اسی ستھان سے ابھیاس شروع کیا جاتا ہے۔ یہاں سے پہلے سوکشم تتو اشبد سپرس روپ رس گندھ ابھرا ہیں کی ستھول شکلیں پانچ ستھول مہا بھوت کو آکاش۔ وایو۔ تیج جل۔ پرتھوی اگیان اور کرم اندریاں پرکٹ ہوئیں یہاں تک برہمانڈ ہے۔ اور کال دیس کہلاتا ہے۔
اس ستھان کا عکس پہلے نقطہ سویدا یعنی تیسری تل میں پڑا جو آنکھوں

کے پیچھے درمیان میں ہے۔ اور پھر دونوں آنکھوں میں اسکی دھار آکر ٹھہری
چیتن کے اہنبو کا سامان یہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس لئے چاہے
لفظوں سے کسی طرح کیوں نہ کہا جائے۔ بعض لوگ اس کو بھی برہمہ کہتے ہیں
اور دیاپک مانتے ہیں۔ اور اس میں شک بھی نہیں ہے کہ جس طرح پنڈ میں
نقطہ سویدا کا عکس دیاپک ہے۔ اسی طرح اس سفلی طبقہ میں جو مایا دیس
کہلاتا ہے سارے پنڈ میں دیاپک اور محیط کل ہو رہا ہے۔ اس کا نام
چدا کاش بھی ہے۔

چوبیسواں باب

رچنا کے تین کھنڈ اور اُنکے نام

اوپر کے بیانات کو ذہن نشین کر لینے سے رچنا کے تین طبقوں کا
علم کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔ زیادہ واضح کرنے کے لئے ہم اسکو یوں بیان
کرتے ہیں۔

اول طبقہ روحانی ہے جس کو دیال دیس، سنت دیس یا مقام روحانی
کہتے ہیں۔ یہ بہت نرمل، مہا پرکاشمان اور مہا چیتن ہے۔ اس میں روح
اپنی خالص اوستھا میں ہے۔ یہاں روح اصلی حالت میں ہے۔ اور یہاں نہ
ملونی ہے نہ مرکب رچنا ہے۔

دوسرا طبقہ کال دیس کہلاتا ہے۔ جہاں نرمل چیتن کی سوکشم مایا
کے ساتھ ملونی یہاں چیتن غالب اور مایا مغلوب ہے۔ یہاں مرکب

رچنا ہوتی ہے اور وہ سوکشم حالت میں ہے۔
تیسرا طبقہ مایا دیش ہے۔ جہاں نرمل چیتن کی ستھول مایا کے ساتھ ملونی ہوئی ہے چیتن دب گیا ہے۔ مایا اس پر غالب ہے۔ اور اس کے غلاف اننت تہ بہ تہ۔ درجہ بدرجہ موٹے ہوتے گئے ہیں کہ چیتن کا پرکاش اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔ اور تاوقتیکہ ابھیاسی ابھیاس کر کے ان دونوں کو پھاڑ کر برہمانڈ میں نہ جائے اور اس کے آگے دیال دیش تک رسائی نہ کرے۔ اس کو جنم مرن کے پھندوں سے چھٹکارا نہیں ہے۔

پچیسواں باب
بارہ کنول کی تشریح

مذکورہ بالا علوی و سفلی مقامات کو بارہ کنول کہتے ہیں۔ باقی اور اُنکے انترگت ہیں۔ جیسا اوپر برہمانڈ کے تعلق میں ذکر ہوا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ گدا چکر۔ چار دل کا کنول۔ اس کا دھنی گنیش کہلاتا ہے۔
۲۔ اندری چکر۔ چھ دل کا کنول۔ اس کا دھنی برہما ہے۔
۳۔ نابھی چکر۔ آٹھ دل کا کنول۔ اس کا دھنی وشنو ہے۔
۴۔ ہردے چکر۔ بارہ دل کا کنول۔ اس کا دھنی شیو ہے
یہ تینوں مقام صوفیوں کے عالم ناسوت میں داخل ہیں۔
۵۔ کنٹھ چکر۔ سولہ دل کا کنول۔ اس کی دھنی دُرگا ہے۔

۶. تیسرا تل. دو دل کا کنول. اس کا دھنی سُرت ہے۔ اس کے ساتھ انتہ کرن اور دسوں اندریوں کا رشتہ لگا ہوا ہے۔ اس کو شیونیترا در شیام سیت بھی کہتے ہیں۔ صوفی اس کو نقطہ سویدا بولتے ہیں۔ اور یہ ان کا مقام لاہوت ہے۔

۷. سہس دل کنول۔ آٹھ دل کا کنول۔ اس کا دھنی نرنجن ہے۔ یہاں سے دو آسمانی آواز پیدا ہوتی ہیں۔ جن کو پکڑ کر اوپر کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ یہ صوفیوں کا مقام جبروت ہے

۸. ترکٹی۔ چار دل کا کنول۔ اس کا دھنی ادم ہے۔ یہ ترکٹی سنتوں کی ہے۔ جو گیشروں کی نہیں ہے۔ اس کو ہنس مکھی بھی کہتے ہیں۔ یہ صوفیوں کا مقام لاہوت ہے۔

۹. سُن یا دسواں دوار۔ ایک دل کا کنول۔ اس کا دھنی پر برہمہ کہلاتا ہے یہ صوفیوں کا مقام ماہوت ہے۔

۱۰. مہاسُن اس میں چار شبد اور پانچ مقام گپت ہیں۔

۱۱. بھنور گپھا۔ اس کا دھنی سوہنگ پرش ہے۔ یہ صوفیوں کا مقام ہوت الہوت ہے۔

۱۲. ست لوک اس کا دھنی ست پرش ہے۔ صوفی اس کو ہوت کہتے ہیں۔

اس کے اوپر تین مقام ہیں۔ مگر یہ گپت کر کے نہیں کہے گئے صرف تلسی صاحب اور کبیر صاحب وغیرہ سنتوں کی بانی میں گپت رہتی سے ان کا برنن ہوا ہے۔ اس زمانہ میں مت پرش رادھاسوامی دیال صاحب نے اپنی دیا سے کچھ پرگٹ کر کے ورسایا ہے۔

چھبیسواں باب

ابھیاس سے ان طبقات تک رسائی

رچنا کے یہ جو تمام مدارج اوپر بیان کیے گئے ہیں یہ سب اس نشٹیہ کے پنڈ میں ہیں اور ایک کا دوسرے کیساتھ تعلق ہے۔ یعنی گو وہ اپنی خاص حیثیت و مرتبت کے لحاظ سے ایکدوسرے سے الگ اور مختلف ہیں مگر ملے ہوئے بھی ہیں۔ اور ایک کا تعلق دوسرے کے ساتھ بالکل اسی طرح کا ہے جیسے ایک تار میں بہت سے گولے پروئے ہوئے ہوں۔ سورج زمین سے جدا ہے مگر دھاروں اور تاروں کے سلسلہ کی وجہ سے اس سے ملا ہوا ہے۔

جسوقت آدمی سرت شبد کا ابھیاس کرنے لگتا ہے وہ شبد کی دھار کو پکڑ کر ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ اور پھر تیسرے طبقہ میں رفتہ رفتہ رسائی حاصل کر جاتا ہے۔

آدمی اگر ذرہ بھی غور کرے تو اسکو معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے جسم کے جس حصہ سے چاہے توجہ کی مدد سے اپنا خیال ہٹا لے اور کسی خاص جگہ پر قائم کرے۔ یہ یوں ہی نادانستہ روزانہ تجربہ میں بھی آتا ہے۔ جیسے کسی مقام پر پھوڑا ہے۔ جب تک توجہ کی دھار اسکے ساتھ بندھی ہے درد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہاں سے توجہ کو ہٹا لے اور دوسری طرف لگا دے تو نہ صرف اس کو اس وقت کے لیے درد سے نجات ہوگی۔ بلکہ وہ اپنے آپکو خاص حالت میں قائم کر سکے گا۔ سارا کھیل توجہ کا ہے۔

اسی طرح ابھیاس میں بھی ایک طبقہ سے توجہ ہٹا کر دوسرے طبقہ میں ٹھہرائی جاتی ہے۔ شبد اس میں مددگار ہوتا ہے۔ کچھ دنوں اس طبقہ سے تعلق رہتا ہے۔ کیونکہ ابھیاس کرنا ہوتا ہے جب اس پر اچھی طرح حاوی ہو جانے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔ اور اس طرح کچھ عرصہ تک ابھیاس کر کے آہستہ آہستہ دھرید تک رسائی حاصل کر لی جاتی ہے۔

یہ مقامات جو پنڈ میں ہیں دراصل برہمانڈ کے تمام طبقات کے نمونے ہیں۔ ان میں سے جسقدر اوپر کیطرف روح بڑھتی چلی جائیگی۔ اسی طرح ان مقامات کی لطافت اور پاکیزگی کی وارث ہوتی جائیگی اور جسم کے بندھن سے چھوٹتی جائیگی اور نجات حاصل کر لے گی۔

سوکشم طبقات میں داخل ہونے سے انسان کی حالت قریب ویسی ہی ہوتی ہے۔ جیسے سوکشم جگت کے پرانیوں کی ہوتی ہے سوکشم جگت کے رہنے والے سوکشم شریر والے ہوتے ہیں۔ ابھیاسی اس مستدول دیہہ کو رکھتا ہوا ابھیاس کی مدد سے وہ حالت اپنے میں حاصل کر لیتا ہے اور بیخبر نہیں ہوتا۔ اگر ابھیاس اس طرح کا نہ کیا جائے اور یوں ہی روح کو دوسرے لطیف مقامات تک پہنچنے کا موقع مل جائے تو اس حالت میں بیہوشی اور بیخبری نتیجہ ہوگی۔ مگر یہ کیفیت ابھیاس کرنے والوں کی نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ اپنے ہوش میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ابھیاسی مرتے وقت بھی دوسرے آدمیوں کی طرح بیخبر و بیہوش نہیں ہوتا۔ آخر وقت تک اس کی سمجھ بوجھ میں فتور نہیں آتا۔ مرتے وقت تک جو مقامات روح جسم کے اندر طے کرتی ہے وہ ابھیاس میں طے کر لیتا ہے۔ اور اس کو نہ صرف گھبراہٹ اور بیہوشی سے نجات نہیں رہتی۔ بلکہ وہ ہوش میں رہتا ہے۔

جیتے جی جس نے جتنے مقامات طے کر لیئے وہاں تک اس کو دخل مل جاتا ہے۔ اگر سارے طبقات طے ہو گئے تو پھر وہ ہمیشہ کے لیئے جنم مرن سے رہائی پا جاتا ہے۔ اور دکھوں سے مکتی ہو جاتی ہے۔ یہ ابھیاس کرنے کا فائدہ ہے۔

ستائیسواں باب

روحانی ترقی اور اُس کا شغل

پنڈ اور برہمانڈ کی مشابہت دکھا دی گئی۔ اس سے کسی قدر سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ جو کچھ برہمانڈ میں ہے وہی پنڈ میں ہے۔ ساتھ اشارتاً سرت شبد ابھیاس کا ذکر بھی کر دیا گیا۔ جس کی مدد سے اپنے اندر میں روحانی مقامات پر چڑھائی کیجا سکتی ہے۔ اس باب میں اس کی کچھ مزید صراحت کی جائیگی۔

سرت سنساری ہونے کی وجہ سے باہر مکھی بن گئی ہے اس کی توجہ کی دھار کا رخ باہر کی طرف ہے۔ اس لیئے اس کی کل طاقت اسی خارجی طبقہ میں صرف ہو رہی ہے۔ اندر جو طاقتیں دبی پڑی ہوئی ہیں۔ باہر مکھی ہونے کی وجہ سے ان کی نشو و نما کا موقع نہیں ملتا۔

روحانی ترقی آخر کس طرح پر ہو! یہ سوال ہے جو ہمیشہ زیر بحث آتا ہے اس کے جواب میں گورو نانک دیو یوں فرماتے ہیں۔

تین بند لگا کر سُن انحد ٹٹکور

نانک سُن سمادھ میں نہیں سانجھ نہیں بھور

یعنی تین بند لگا کر اپنے اندر میں انجد شبد کو سننا شروع کرو۔ اور جہاں سمادھی کی حالت آنے لگی پھر نہ وہاں شام ہے نہ صبح ہے۔

یہ تین بند کیا ہیں۔ اس کا جواب مولوی صافی دل یوں دیتا ہے:

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سر حق بر من بخند

آنکھ کان اور ہونٹ (زبان) کو بند کرو۔ اگر اس پر تم کو راز حق سے واقفیت نہ ہو تو پھر مجھ پر ہنسو۔

آنکھ ناک اور ہونٹ سے مراد آواز۔ زبان اور قوت بصارت کی تربیت ترقی تکمیل اور ضبط سے ہے۔ جسمانی نظام کی ضروریات رفع کرنے کے یہ ضروری سامان ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو یہ نتیجہ ہوگا کہ جسم کے کام کرنے والی طاقتیں یا تو معدوم ہو جائینگی یا مجہولیت کی حالت میں پڑ جائینگی۔ اور زندگی چند روز ہو جائینگی۔ جس قدر ان کی ضرورت انسان کے جسمانی طبقہ میں ہے ویسے ہی اوپر کے لطیف اور سوکشم طبقہ میں ہے جس کے پرداخت میں یہ عملی حصہ نہیں لیتے۔ تاہم اگر ان کی تربیت نہ ہو تو انسانی زندگی کا مقصد ہاتھ نہیں آتا۔ ان ہی کی مدد سے تین قسم کے روحانی سادھن کئے جاتے ہیں۔

ان میں سے پہلا سادھن سمرن ہے جس سے سرت کی زبان سے مالک کے نام لینے کی مراد ہے۔ دوسرا دھیان ہے جس سے درشٹی سادھن اور مالک کے روپ میں محویت حاصل کرنا مقصود ہے۔ تیسرا بھجن ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سرت کے کان سے شبد یا نام کے دُھن کو اندر سنا جائے۔

دل کی یکسوئی کے لیے ان تینوں کا ہونا امر لازمی ہے۔ اور جہاں

میں ترقی ہونے لگی۔ انسان خود بخود اعلےٰ روحانی طبقات میں سیر کرنے اور اس کے نظاروں سے بہرہ ور ہونے کے قابل بنتا جاتا ہے۔ یہ محض خیالی یا فرضی باتیں نہیں بلکہ ان کی جو اصلیت جسمانی طبقہ میں ہے ویسے ہی اونچے طبقوں میں بھی ہے۔ کیونکہ جو ارواح جسم کو چھوڑ چکی ہیں اور اوپر کے سوکشم رچنا میں رہتی ہیں ان میں بھی یہ موجود ہوتی ہیں۔ آدمی ذرا ان پر غور کرے اور وہ ان کے راز سے خود بخود ماہر ہوتا جائیگا۔

یہی تین طاقتیں ہیں جو باہر مکھی ہونے سے انسان کو باہر مکھی کر دیتی ہیں لیکن ان میں انتر مکھی بنانے کی بھی قدرتی قابلیت ہے۔ آدمی جس وقت خارجی دنیا میں کسی کی بات سنتا ہے من میں داخل ہو کر سوچنے لگتا ہے۔ جو چیز نگاہ کے سامنے آتی ہے وہ بھی اسی طرح کا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ گانے بجانے کی صدا سے دل پر وجد کی حالت طاری ہوتی ہے۔ جب باہری جگت میں ان کا یہ اثر ہوتا ہے تو جو لوگ اپنے انتر میں ابھیاس کرتے ہونگے ان پر اندرونی نظاروں اور اندرونی شبد کا کیسا کچھ اثر نہ ہوتا ہوگا۔

ان سب میں شبد کی طاقت بالخصوص زیادہ زور کی ہوتی ہے اور وہ خاص قسم کا اثر پیدا کرتی ہے۔ مثلاً بندوق کی آواز ہی کو لے لو۔ جس وقت گولی نشانہ پر پہنچتی ہے۔ اس وقت زور کے ساتھ آواز ہوتی ہے۔ اور اس کا کتنا اثر ہوتا ہے۔ اور دل متاثر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اور قسم کے شبد جیا ہے وہ بیر رس یا کرونا رس کے ہوں۔ اپنے اثر سے خالی نہیں ہوتے تو بدلی چمدلوں کا شبد اور بھی پُر اثر اور زوردار ہوتا ہے۔ اندر کا شبد جو دراصل ہو ۔ لی ہے اپنے اثر کے لحاظ سے اور بھی طاقتور ہے اور جو اس کو سنتے ہیں ممکن نہیں کہ اثر سے خالی رہ جائیں۔

اندرونی شبد میں خاص قسم کی کشش اور خاص قسم کا اثر ہوتا ہے۔ اور جب ابھیاسی اُن کو برابر کچھ عرصہ تک سنتا جاتا ہے اس میں نہ صرف یکسوئی ہوتی ہے بلکہ یہ آواز جس مقام سے نکلتی ہے۔ اسی طرف ابھیاسی کے سرت کو کھینچ لیتی ہے اور وہ نیچے کے طبقہ سے اونچے طبقہ میں باسانی آجاتا ہے۔

ابتدا میں نا آشنا کان اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بہت آدمیوں کے شبد لمحوں میں کھل جاتے ہیں۔ بہتوں کے لئے کچھ عرصہ تک برابر شغل کے جاری رکھنے کی ہدایت ہے۔ چند ہی روز بعد دو ہفتہ کے عرصہ میں یہ سنائی دینے لگ جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ حد درجہ کے رسیلے اور خوشگوار ہوتے ہیں۔ ابھیاسی کا جی ان کے چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔ جب تک یہ حالت نہ ہو۔ ابھیاس برابر جاری رکھنا چاہیئے۔ کبھی نہ کبھی دن شبد سنائی دے جائیگا۔ اور وہ اونچے کی طرف لے جانے کا خود بخود انتظام کرے گا۔

اس ابھیاس کی تین خصوصیتوں کا ذکر اوپر آگیا ہے اور وہ سب درجہ بدرجہ لطیف ہو کر ترقی کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ شغل آواز ان میں سے مکھیہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اسکا نام بھی سرت شبد یوگ رکھا گیا ہے۔

جو لوگ اس ابھیاس کو کرتے ہیں۔ ان کی صورت شکل خاص قسم کی بنے لگتی ہے۔ چہرہ پر ایک طرح کی لطافت اور پاکیزگی آجاتی ہے۔ آواز رسیلی اور زوردار ہو جاتی ہے۔ اور وہ جو بات کرتے ہیں بے اثر نہیں ہوتی۔ دل کی یکسوئی ان کا حصہ بن جاتی ہے۔ اور جو دنیا کا بھی کام کرتے ہیں ان کا کام موثر اور باثر ہوتا ہے اور بہت سے لوگ ان کے زیر رسوخ آجاتے ہیں۔ معمولی سی باتیں ہیں۔ جو بندی ابھیاسیوں سے مخصوص ہیں۔ جو زیادہ درجے اپنے اندر میں طے کر گئے ہیں ان کی روحانی طاقت کا بیان مشکل ہے۔ ــــــ سے زیادہ تمیز کا اندروانی

بات یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ دل و دماغ کے لطیف ہونے کی وجہ سے وہ بہت جلد ہر بات کو سمجھ لیتے ہیں اور چاہے کیسا ہی مشکل مضمون کیوں نہ ہو۔ بآسانی دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔

اٹھائیسواں باب

برہمانڈ کے تین کھنڈوں کے چھ کھنڈوں کی تفصیل ورنام

مایا دیس کے چھ چکر اور برہمانڈ کے چھ چکر کی تو اوپر کچھ وضاحت کر دی گئی یہاں ان کے علیحدہ علیحدہ نام دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ زیادہ صفائی کے ساتھ وہ سمجھ میں آسکیں گے۔

(۱) مایا دیس کے کھٹ چکر

گدا چکر
اندری چکر
نابھی چکر
ہردے چکر
کنٹھ چکر اور
تیسرا نیتر
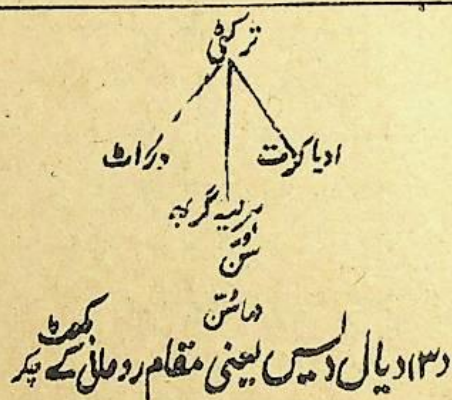
(۲) کال دیس یعنی برہمانڈ کے سہس دل کنول

ترکٹی

ادیا کرت — وراٹ

ہرنیہ گربھ

ستّ

دیا تمّن

(۳) دیال دیس یعنی مقام روحانی کے پکر (بکھنٹ)

بھنور گپھا

ستیہ لوک

اناامی

اگم

الکھ

رادھا سوامی

یہ رادھا سوامی ستھان سنتوں کا دُھر پد ہے۔ یہ کسی آدمی کا نام نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ ان سارے طبقات کو اپنے اندر طے کر جاتے ہیں اور اس پرم پد کو پہنچتے ہیں اُسی سے نام موسوم ہوتے ہیں۔ جیسے پدھ بھگوان بُدھی کے پد تک پہنچنے کی وجہ سے بُدھ کہلائے "برہمہ وِد برہمہ بھوتی" جو برہما کو جانتا ہے وہ برہمہ ہو جاتا ہے۔ وعلیٰ ہذالقیاس رادھا سوامی آئیڈیل۔ آدرش۔ سنج دھام۔ دُھر پد۔ کیولیہ پد۔ سنتوں کا مقام! فقرے! فقیروں کا منزل مقصود۔ اور اہل طریقت کا معراج ہے۔ یہ اس کی حیثیت ہے کبیر صاحب فرماتے ہیں۔

کبیر دھارا اگم کی ستگورد یو لکھائے
تاہی اُلٹ سمرن کرو سوامی سنگ لگائے

اسی طرح اہل طریقت میں اور بھی مقامات کے نام سے ابھیاسی یا سادھوجن کے نام ہوتے ہیں۔ مثلاً جو سُن پد کو پہنچے وہ ہنس کہلاتے ہیں دہی مان سرود رہتے اور مہاسُن کے پہنچے ہوئے پرم ہنس کا خطاب پاتے ہیں جو ستیہ لوک کے مقام کو طے کر جاتے ہیں وہ ستیہ پورش کہلاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

انتیسواں باب

اوتار اور سنتوں کے درمیان فرق

اوپر جو منڈل بتائے گئے ہیں وہاں سے اکثر روحیں نیچے آکر خاص قسم کے فرائض کو انجام دیتی ہیں۔ جو جس پد یا منڈل سے آتا ہے۔ وہ اسی کا اوتار کہلاتا ہے۔ وشنولوک سے جو آتے ہیں وہ وشنو کے اوتار ہیں۔ جو اور لوک سے آتے ہیں وہ ان کے اوتار کہلاتے ہیں۔ سنت خالص پریم کے بھنڈار اور روح کے منڈل سے آتے ہیں۔ یہ ان کا درجہ ہے۔ اوتاروں کا سنتوں کے مت میں اناد رنہیں کیا جاتا۔ بلکہ ان کا نام عزت اور تعظیم کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ تاہم ان کی اصلی حیثیت کے بتا دینے سے سچائی کی سمجھ زیادہ آتی ہے۔

صوفی فقرا میں گو اس طرح کی وضاحت و صراحت نہیں ہے مگر ان

ان دو اصطلاحوں کے سمجھانے کے لئے ان میں نبی اور ولی الفاظ مستعمل ہوتے ہیں نبی میں جمال اور جلال دونوں نمایاں صورت میں کام کرتے ہیں۔ جلال کا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔ ولی میں جمال کی جھلک رہتی ہے۔ اور وہ صرف پریم اور محبت کی تعلیم اور تلقین کرتے ہیں۔ ایک مریاد اپرشوتم ہے۔ جو سنسار کے برتاؤ کو درست کرتا ہے۔ دوسرا صرف خالص روحانی تعلیم کا سلسلہ جاری کرتا ہے۔ جلال و جمال دونوں ہی کام کرتے ہیں۔ مگر ولی اور نبی کی خصوصیتیں جدا جدا ہوتی ہیں۔ ولی کے اصلی شان صرف یہ ہے کہ وہ صرف پریم بھاؤ کا پرچار کرتا ہے اور اس کا طریق مذہب عشق کہلاتا ہے۔

جو لوگ ابھیاس کرکے کسی پد کو حاصل کرتے ہیں۔ ان کے لئے اوتار کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ سنتوں میں بھی جہاں دیوتاؤں کے لئے اوتار کا لفظ ہوتا ہے وہاں سنتوں کے لئے بھی یہ اصطلاح کبھی کبھی استعمال کی جاتی ہے ستیہ پرش اور انامی ستھان کے اوتار صرف وہ سنت کہلاتے ہیں۔ جو براہ راست اس پد سے دنیا میں آکر جیووں کا اُدھار کرتے ہیں۔ باقی اور لوگ جو ابھیاس کرکے ترقی کر جاتے ہیں وہ اوتار نہیں کہلاتے۔ یہ ان کے درمیان فرق ہے۔

تیسواں باب

اُتپتی اور پرلے

رچنا کی بابت جو تعلیم سنت مت میں دی جاتی ہے اس کے متعلق

ہم یہاں صرف ست پُرش رادھاسوامی صاحب کے بیان کو داخل کرتے ہیں۔ جو بطور خود بہت واضح اور عام فہم ہے۔ اس نظم پہلے اُتپتی کا بیان ہے۔ بعد کو پرلے کا بیان آتا ہے۔ پرلے کی حالتوں پر غور کرنے سے اُتپتی کے مدارج زیادہ سمجھ میں آتے ہیں۔ کیونکہ پرلے کے وقت نیچے کی طرف سے سمٹاؤ ہوتا ہے اور بتدریج ایک طبقہ دوسرے میں لے ہوتا جاتا ہے اس لئے پہلے ہم پرلے کے حصہ کو یہاں داخل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اُتپتی کا حصہ درج کریں گے۔

برہمانڈ کے پرلے کا بیان

اب پرلے کا بھاکھوں لیکھا ۔۔۔ سمٹاؤ جگت کا دیکھا
کال آئے جیون کو گراسا ۔۔۔ جیو سمانے کال کی سوانسا
یہی کارج پرتھوی ہوئی ۔۔۔ پرتھوی نے گرسی پن ہوئی
پرتھوی گھولی جل نے آئے ۔۔۔ جل کو سوکھا اگنی دھائے
اگنی ملی پون کے روپ ۔۔۔ پون ہوئی آکاش سروپ
آکاش سمانا مایا مانہہ ۔۔۔ تم رد پا دیکھے کچھ نا نہہ
مایا رلی برہم میں جائے ۔۔۔ شکتی شیو میں گئی سمائے
شیو پہنچے اونکار سنبھار ۔۔۔ اونکار سمانے سُن کے دوار
سُن گیا مہاسُن لواسی ۔۔۔ بھنور گپھا مہاسُن کا باسی
یہاں تک پرلے کبھی کبھی ہوئی ۔۔۔ ست لوک کا دوارا سوئی
پرلے گتی آگے نہیں جائی ۔۔۔ ست لوک میں کبھی نہ جائی

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب پرلے آتی ہے تو سب سے پہلے پرتھوی بگڑنی شروع ہوتی ہے پرتھوی گھٹ کر جل میں لے ہوتی ہے۔ جل اگنی

بیں لے ہوتا ہے۔ اگنی دایو میں لے ہوتا ہے۔ وایو آکاش میں آکاش مایا میں لے ہوتا ہے جس میں اندھکار ہے۔ مایا پھر جوت نرنجن میں لے ہو جاتی ہے۔ جوت نرنجن اونکار میں لے ہوتے ہیں۔ اونکار سُن میں سُن مہاسُن میں مہاسن بھنور گپھا میں لے ہوتا ہے۔ یہاں تک پرلے ہوتی ہے یہ بھنور گپھا ستیہ لوک کا ناکا ہے۔ اسکے لئے پرلے نہیں ہے۔

پنڈ پرلے

کال کیا جب تن پر دیش — جیو چلا تج یہ پر دیش
مول دوار پرتھوی کا باس — کھچا وہاں سے سولنی در بھاس
کھچ کر آیا اندری دوار — وہاں سے پہنچا نابھ منجھار
نابھی سے کھچ ہردے آیا — ہردے سے پھر کنٹھ سمایا
پرتھوی جل اگنی اور پون — کنٹھ ماہیں لگی روندھن ہون
چاروں تتو بھاس اور سوانس — یہاں سے چلے کھچے آکاس
دو دل کنول کال کے دیس — کرم انہار کھان پردیس

اس کا لب لباب یہ ہے کہ جب کال آتا ہے۔ جیو کو یہ دیس چھوڑنا پڑتا ہے پہلے کھچاؤ گدا چکر سے شروع ہوتا ہے۔ پاؤں اور ٹانگوں کی طاقت کھچ کر معہ چیتن کے بھاس کے اندری چکر میں آتا ہے۔ پھر وہاں سے نابھی چکر میں کھچتا ہے۔ نابھی چکر سے ہردے چکر میں کھچتا ہے۔ ہردے سے کنٹھ چکر میں کھچاؤ ہوتا ہے۔ جہاں ان تتوں کا روندھن ہوتا ہے اور وہ آکاس میں لے ہوتے ہیں۔ پھر آگے ترکٹی کھیتر میں ہو کر کرمانو سار جونی کو پراپت ہوتے ہیں جیسے نیچے کی طرف سے پرلے ہوتی ہے ویسے ہی اوپر کی طرف سے رچنا ہوتی ہے۔ اُس کی بابت یوں کہا گیا ہے۔

اُتپتی

سب کی آدی کہوں اب سوامی ۔ الکھ اگادھ اپار انامی
تن سے اگم پرش پرگٹائے ۔ اگم لوک میں آس لاسے
الکھ پرش کا ہوا اجلا ۔ الکھ لوک ان جو کی ڈالا
پھر ست نام پرش ست سوئی ۔ ستہ ستہ رچنا جہاں ہوئی
ستہ لوک وہ دیام سوہیلا ۔ ہنس کریں جہاں اچرج کھیلا
ان لوکن کی مہما بھاری ۔ کہوں کہاں دھنت لبستاری
سہس اٹھاسی دیپ نواس ۔ ہنس کریں جہاں سدا بلاس
سکھ کا دہام سدا سکھ وہاں ۔ دکھ کلیش کا نام نہ وہاں
نئی نئی لیلا سدا انند ۔ ہنس کریں نت پرمانند
امی آہار بھوگ پرچنڈ ۔ تیج کھنڈ وہ دہام اکھنڈ
تہاں سے بھنور گپھا رچ راکھی ۔ سوہنگ پرش نام کہہ بھاکھی
تہاں سُن یک رچا ٹھکانا ۔ دیپ اچنت مہا میدانا
تس کے نیچے شُن بلاس ۔ اکشر دیپ رکار پرکاش
وہاں سے رچا ترکٹی دھام ۔ اونکار کا جہاں بشرام
ویدکیت کا یہی مقام ۔ ترلوکی کا کارن دھام
جھنجری دیپ کی رچن رچائی ۔ ترگن کال کی جہاں ٹھکرائی
گن تینوں یہاں سے اُتپانے ۔ برہما. وشنو مہیش کہانے
یہاں سے سرگن رچا پسارا ۔ چار کھان اُتپتی وستارا

مطلب واضح ہے اس لئے تشریح نہیں کی جاتی۔

اکتیواں باب

چار کھانی ۔ چار مدارج ۔ چار و بیگ وغیرہ

تتو چار ہیں جو آکاش سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور انہیں چار تتوں سے چار طرح کے جیو جنتو پیدا ہوتے ہیں۔ جرایج ۔ انڈج ۔ سویج ۔ اور اُدبھج پہلے قسم کے جیون میں اگنی کی ادھکتا رہتی ہے۔ باقی تینوں میں وایو۔ جل اور پرتھوی کا بھاگ زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً انڈج میں وایو۔ سویدج میں جل اور اُدبھج میں پرتھوی زیادہ رہتی ہے اور ویسے ہی ان کے کام بھی ہوتے ہیں۔ آکاش ان سب میں عام ہے۔

جرایج پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں۔ انڈج انڈے سے۔ سویدج پسینے وغیرہ سے اور اُدبھج پرتھوی سے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ان میں صرف ایک ایک تتو ہوتے ہیں۔ نہیں۔ تتو سب ہی سب ہوتے ہیں۔ صرف کمی و بیشی کے لحاظ سے یہ بات کہی جاتی ہے۔

یہ نہ سمجھو کہ یہ تقسیم صرف پرتھوی ہی کے جانداروں تک مخصوص ہے بلکہ برہمانڈ میں بھی یہی حال ہے۔ صرف ان کی حالت کی خصوصیت کی وجہ سے تمیز کی جا سکتی ہے۔

زندگی کے چار درجے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔ لڑکپن بلوغت کی عمر تک رہتا ہے جس میں معصومیت ہے۔ بلوغت سے لیکر ادھیڑ پن تک زندگی بہت زیادہ زور کے ساتھ کام کرتی ہے۔ اور جد و جہد میں

مصروف رہتی ہے۔ ادھیڑپن ہیں وہ عالمگیر اصول اور میل ملاپ کی شناتیق ہوتی ہے اور اس عمر ہیں آدمی۔ دولت۔ شہرت اور نام کے کاموں ہیں زیادہ کامیابی حاصل کرتا ہے۔ ادھیڑپن کے بعد بڑھاپا آتا ہے۔ جو لڑکپن سے بہت باتوں کی مشابہت رکھتی ہے۔ اور خیالات و تجربے اس کو خاص طور پر شفانہ بنا دیتے ہیں جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ بڑھاپے ہیں چھوٹی چھوٹی باتوں سے تکلیف ہو جاتی ہے اور موسم کی سرد مہری اور بیماریوں کا خوف لگا رہتا ہے۔ لیکن اگر عمر کا اوائل حصہ اچھی طرح گزرا ہے اور زندگی پاک رہتی ہے۔ تو اُس ہیں بھی خوشیاں ہوتی ہیں۔ بالخصوص جو شخص ابھیاس کرتا رہا ہے۔ وہ بلا خوف خوشی کے ساتھ موت کے لیئے تیار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے جیتے جی ان مقامات کو طے کر لیا ہے جس ہیں سے روح کو گذرنا ہے۔ اسکو موت ستا نہیں سکتی۔

زندگی کے یہ مدارج بھی ہر طبقہ ہیں اسی طرح کے ہیں۔

یگ چار ہیں۔ ست۔ ترنیا۔ دواپر۔ اور کلی۔

ست یگ ہیں جیوالنیور کوٹی تھے۔ اور چونکہ ابھی رچنا کے تیسرے طبقہ ہیں ان کا نزول ہوا تھا۔ اُن کی کیفیت نسبتاً بہت خوشی کی حالت تھی تندرستی اچھی تھی۔ موسموں کی سختی اثرانداز نہیں ہوتی تھی۔ بیماریوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ بدکاری۔ فریب۔ دھوکا۔ حرص۔ غصہ وغیرہ سے ناآشنا تھے مرتے وقت بھی تکلیف محسوس نہیں کرتے تھے۔

ترنیا ہیں بھی کچھ کمی کے ساتھ یہ حالت تھی۔ ہاں رُوح کا اُتار بے شک نیچے کی طرف زیادہ ہو گیا۔ اس لئے نسبتی نقطہ نگاہ سے کچھ کچھ دکھ کا سامان پیدا ہو گیا۔ تاہم وہ یگ بھی قابل مذمت نہیں تھا۔

دواپر میں مصیبت کا سامنا ترتیا سے زیادہ ہوا. مگر پھر بھی زندگی قابل برداشت تھی. کھانے پینے کے سامان کثرت سے مل جایا کرتے تھے۔

کلی یگ میں خرابی زیادہ واقع ہو گئی. کیونکہ انسان روحانیت سے بہت نیچے گر گیا۔ اور اس کے دکھ کلیش نا قابل برداشت ہو گئے۔ اور اسی وجہ سے جیوں کو بہت دکھی دیکھ کر سنتوں نے ان کے اُدھار کے لئے ظہور کیا.

ست یگ میں صرف دھیان سے انسان اپنے کام لیا کرتا تھا۔ اور اس کی روحانیت کی گتھی سلجھ جایا کرتی تھی. ترتیا میں اس کے لئے یگیہ ہون کا انشٹھان کرتے تھے۔ دواپر میں اور قسم کی باتوں کا رواج تھا. کلی یگ میں چونکہ عمر بھی کم ہے. سنجم بھی پورے نہیں ہو سکتے. اس لئے سنتوں نے صرف نام کو اس کے اُدھار کا ذریعہ بتایا ہے۔ جس کا مفصل بیان نام کے سلسلہ میں آ گیا ہے۔ اور صرف نام ہی کے شغل سے اُدھار ہو سکتا ہے یہ نام کلی یگ کا دھرم ہے۔

بتیسواں باب

سُرت شبد کا ابھیاس

اس سرت کے ابھیاس کے متعلق اوپر بہت کچھ بیان آ چکا ہے. یہاں ہم پھر بطور یاد دہانی ست پرش رادھاسوامی صاحب کی زبان میں اسکی مدھی کھول کر لکھتے ہیں.

پانچ نام کا سمرن کرو۔ شیام سیت میں سورت دھرو

پھر تم سنو گگن میں باجا ۔ گھنٹا شنکھ چھانٹ دھن گاجا
سہس کنول دل جوت لکھائی ۔ بنک نال ہیں جائے سمائی
بنک پار ترکٹی میں گئی ۔ اونکار ۔ اور عدد ہن لئی
آگے پہنچی سن منجھارا ۔ ررنکار دھن سنی پکارا
کنگری اور سارنگی سنی ۔ مان سرد ور چڑھ پہنچ دھ گنی
آگے مہا سن میدانا ۔ جہاں چار دھن تتر سمانا
بھنور گپھا تا اوپر دیکھی ۔ سوہنگ بنسی بجتی پیکھی
تاکے پرے دھام ست ناما ۔ ہین بجے ست لوک ٹھکانا
سنت سرت پھر آگے چڑھی ۔ الکھ لوک میں جا کر دھری
کوٹ ارب سورج اجیارا ۔ الکھ پورش ادبھت چھبی دھار
تہاں سے اگم لوک کو چلی ۔ اگم پرش سے جا کر ملی
کھرب چند سور پرکاشا ۔ دھن کا دھاں کی اگم بلاسا
دھن کا برنن کیسے گاؤں ۔ جگ میں کوئی درشٹانت نہ پاؤ
تاکے آگے رہت انامی ۔ نج گھر سنتن برنا سوامی

بن ستگور کوئی بھید نہ پاوے ۔ ستگور بسو یہ دیش لکھاوے
ستگور کی مہا انی بھاری ۔ کوئی نہ جانے نیچ نیچ ھاری
کوئی کوئی جیوکریں وسواسا ۔ کر پرتیت وہ دھامیں آسا
سنت بچن جو سچا مانیں ۔ اس بانی کو سوسچ جانیں

تینتیسواں باب

کرامات

جو لوگ ابھیاس کرتے ہیں ان میں خاص قسم کی طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں ان
طاقتوں کے اظہار کا نام کرامات کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا اظہار قانون
قدرت کے برخلاف ہو۔ بلکہ اس قسم کی طاقتیں ہر شخص میں جو کسی طرح کا ابھیاس
کرتا ہے۔ پیدا ہو سکتی ہیں۔ سنت مت میں ابھیاسی کو سنت ستگوران کے استعمال
سے ہمیشہ روک دیتے ہیں حکم تو یہ ہے کہ نہ تو ان کی طرف دھیان دیا جائے نہ ان سے ہوا ریس کسی
قسم کا کام لیا جائے اگر وہ انگ سنگ ہو کر پڑی رہیں تو مضائقہ نہیں۔ سنت مت رضا
اور تسلیم کا طریق ہے ابھیاسی کو ہمیشہ مالک کی موج میں رہنے اور رہنے کا حکم ہے۔
اس قسم کی طاقتیں سرت کے کسی مقام خاص پہ متحد اور رکشد ہو جانے سے
پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آسکے ہر مقام کسی
نہ کسی طاقت کا بھنڈار ہے اور جہاں سرت اس سے ملی وہ اس کی طاقت کی
وارث ہو جاتی ہے مگر ابھیاسی چونکہ مالک کے حکم اور قانون کے ساتھ موافقت اور
ہم آہنگی کرنے والا ہے۔ وہ بالعوض انحراف ورزی کے اسی قانون کے ساتھ
چلنے کا خواہشمند رہتا ہے۔ اور موج کے موافق کام کرتا ہے۔

جو لوگ سنتوں کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں ان کو بھی کسی قسم کے کرامات
دیکھنے کی خواہش کی ممانعت ہے۔ اور نہ اس طرح کی درخواست بھی کرنی
چاہیئے اگر موج سے کوئی ایسی بات ہو جائے جو غیر معمولی ہو اور وہ ست سنگی
کے عقیدہ کو مضبوط کرتی ہے۔ تو اس تک اکتفا کرنی چاہئے۔ اصلی کرامات

سنت سنگور کی وہ ہوگی جو ابھیاسی اپنے اندر پرتیت کرے گا۔ اور ان کی مدد سے اپنے اندر اس کی رسائی ہوگی۔ باقی اور کی ہوس فضول ہے۔

سنت سنگور کے ست سنگیوں کو کبھی کبھی اندرونی پرچے ملتے رہتے ہیں جن سے ان کی بزرگی کا پتہ لگتا ہے اور جن کی چڑھائی ہوتی ہے۔ وہ ایسے پرچے سے کبھی محروم نہیں رہتے۔ ست سنگ کو یہی زبردست کرامات سمجھنے چاہیئے۔

باب چونتیسواں

آواگون

سنت مت میں آواگون اور پر جنم کو صحیح مانا گیا ہے۔

آواگون کے معنی ہیں آنا اور جانا۔ بار بار جنم لینا۔ آواگون کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جو انسان کی سمجھ میں نہ آسکے۔ دنیا میں ہر جگہ تبدیلی نظر آتی ہے اس تبدیلی کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کو اظہار کرنے کا موقع حاصل آوے۔ اسی تبدیلی کی بہتہ میں بنے اور بگڑنے کا سوال رہتا ہے۔ ایک حالت غائب ہو جاتی ہے۔ دوسری آجاتی ہے۔ اور اسی آنے جانے کو آواگون کہتے ہیں تیتری اس وقت انڈے میں ہے۔ انڈا پھوٹ گیا۔ وہ کیڑے کی صورت میں رینگنے لگی۔ دو چار دس روز بعد اس کیڑے کے جسم کو باہری غلاف چاک ہو گیا۔ اور وہی تیتری پر دار بن کر درختوں کے پھول اور پتوں پر منڈلانے لگی۔ تم دیکھو۔ تیتری کی زندگی نے اپنے اظہار کرنے کے لیئے تھوڑے ہی عرصہ میں اتنے قالب بدلے۔ اسی کو آواگون کہتے ہیں۔ مرنا جینا دراصل کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ یہ صرف نسبتی الفاظ ہیں۔ ورنہ نہ کوئی مرتا ہے نہ جیتا ہے۔ ایک ہستی ہے جو اپنے

اظہار کے لئے مختلف صورتیں اختیار کرتی رہتی ہیں۔

کرشن بھگوان ارجن کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے بھارت جس طرح انسان پرانے لباس کو اُتار کر نیا لباس پہن لیتا ہے۔ اسی طرح یہ آتما پورانے قالب کو چھوڑ کر نیا قالب اختیار کرتا ہے ہے یہ تعلیم اس قدر واضح ہے کہ تشریح کی محتاج نہیں ہے۔ اور دنیا میں تبدیلی کے قانون کے نظارے ہم کو ہر جگہ قدم قدم پر دیکھنے میں آرہے ہیں۔ اور اگر سچ پوچھو۔ تو قدرت کی اپرم پار لیلا کچھ اسی تبدیلی میں نظر آتی ہے۔ جہاں تبدیلی نہیں ہے۔ وہاں کوئی کیا دیکھے گا۔ اور اور کیا سنے گا۔ اور اصل میں اسی کو آواگون کہتے ہیں۔ جب زندگی کو جس قسم کا ناچ ناچنا منظور ہوتا ہے۔ اسی قسم کا لباس اس کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ امر لازمی ہے۔

جو بات تم مفرد زندگی میں دیکھتے ہو۔ وہی زندگی کے مجموعی ہیئت میں بھی موجود ہے جس کو تم وراٹ پرش کہتے ہو۔ اس کی بھی جسمی حالت بدلتی رہتی ہے۔ اور جن پرمانوؤں سے اُسکا شریر بنا ہے اسکے ذرے ذرے بدلتے رہتے ہیں۔ یہ برہمانڈ اس وراٹ کا شریر ہے۔ جس میں تمام زمین۔ قمر ستارے سیارے رہتے ہیں۔ اور جس میں تمام جاندار نباتات حیوانات وغیرہ بستے ہیں۔ برہمانڈ میں کبھی سرشٹی ہے کبھی پرلے ہے۔ کبھی اس کی حالت کچھ ہے کبھی کچھ ہے اور برہمانڈ کا یہ بدلتے رہنا آواگون ہے۔

جو لوگ صرف مرنے ہی پر آواگون مانتے ہیں وہ کسی قدر غلطی میں ہیں آنا جانا تو قدرت کی جان ہے۔ لحہ لحہ پرانیوں کا آواگون ہوتا رہتا ہے۔ تم ابھی جاگتے ہو۔ ابھی سو گئے۔ اس جاگنے اور سونے کے درمیان آواگون ہے۔ تمہاری ایک سانس جاتی ہے دوسری آتی ہے۔ اس سانس کے آنے جانے

کے درمیان آواگون ہے۔ تم کام کرتے ہو کام کرکے آرام لیتے ہو۔ اس مصروفیت اور سستانے کے درمیان آواگون ہے۔ کیونکہ جسم ایک حالت اور ایک حیثیت میں کبھی نہیں رہتا۔ اور چونکہ اس میں لمحہ لمحہ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اسکے ذرات اپنی جگہ چھوڑنے اور دوسرے ذرات کو جگہ دینے کے لئے مجبور ہیں۔ تمہارا جسم جو پانچ سات برس پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔ بالکل بدل گیا۔ جو تمہاری زندگی لڑکپن میں تھی۔ اب نہیں ہے۔ زندگی کے پہلو میں تبدیلی آگئی۔ مدرسہ کا پڑھنے والا طالب علم پڑھ لکھ کر تیب عدالت کی کرسی پر بیٹھکر انصاف کرتا ہے کیا تم اس کو وہی شخصیت کہو گے؟ ہائیکورٹ کا دیرینہ سال جج لڑکا تو نہیں رہا کچھ کا کچھ بن گیا یہ آواگون ہے۔ آواگون کس کا ہوتا ہے؟ زندگی کا آواگون ہوتا ہے۔

اکثر طبیعتیں سہ دھاتوں کے ماننے جاد دینے کی شائق رہی ہیں۔ آواگون کے مسئلہ کو جس فرقہ کے پیروکاروں نے زیادہ الجھا دیا۔ وہ چھنگ وگیان وادی ہیں کہ بدھی (گیان) لمحہ لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ یہی آتما ہے۔ یہ ان کی غلطی تھی! انہوں نے مادہ کے طبقہ سے آگے ترقی نہیں کی۔ بدھی ہی کو سب کچھ سمجھ کر رہ گئے۔ آگے نہیں بڑھے۔ جہاں تک تبدیلی کا تعلق ہے ان کی نگاہ بہت باریک اور لطیف بنگئی مگر چیتن کا اصلی روپ نظر نہیں آیا۔ ایک طرف یہ گروہ ہے دوسرے طرف وہ لوگ ہیں جو آواگون کی سچائی کے اقرار سے قاصر ہیں۔ ان دونوں میں نقص ہے اور وہ نقص افراط اور تفریط کا ہے۔ دونوں مادہ کے تہائی طبقہ پر نشست رکھنے کے خواہشمند ہیں۔ یہ ان کی صریحی غلطی ہے جو تبدیلی کو نہیں مانتے وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ قدرت میں ہر جگہ تبدیلی موجود ہے اور جو صرف تبدیلی ہی کو مانتے ہیں۔ اور کسی اعلےٰ وجود کو جو ایک رس دیا یک ہے اور جس کے آدھار پر یہ کھیل و تماشے ہو رہے ہیں اس کی طرف

توجہ نہیں کرتے۔ ان کے ہاتھ بھی کچھ نہیں آتا۔ کیونکہ تبدیلی کسی کے آدھار پر ہوتی ہے۔ اور وہ آدھار چیتن کہا جاتا ہے۔ تو بدھی کے پرے رہتا ہے تبدیلی زندگی کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اگر لوگ اس کو اچھی طرح سمجھ لیں تو پھر وہ اصلیت سے بالبلد اور ناواقف نہ رہ سکے گے۔ اور جہاں ان کے لئے آواگون کے راز کا معمہ کھل گیا۔ وہ ساتھ ساتھ بدھی کے پرے پہنچ کر اپنے نج روپ کا درشن کر سکے گے جو نہ ایک ہے نہ انیک ہے۔ اور جس کو ایک اور انیک بھی کہا جاتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے۔

جس طرح لمحہ لمحہ آواگون ہوا کرتا ہے ویسے ہی کوئی وقت ایسا آتا ہے کہ یہ جسم لطیف سے بالکل اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس وقت زندگی اپنے اظہار کے لئے دوسرا جسم دھارن کرتی ہے۔ اس تبدیلی کو عوام کی زبان میں موت کہتے ہیں جو دراصل جھل۔ بے معنی اور فضول لفظ ہے۔ کیونکہ موت کا مطلب جو عوام کے ذہن نشین ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ جسم فنا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ قدرت میں کوئی چیز فنا نہیں ہوتی۔ جو مقدار مادہ کی ہے وہ ہمیشہ رہتی ہے اس میں کمی بیشی کا امکان نہیں ہے۔ جو ہے وہ نہیں نہیں ہوتی جو نہیں ہے وہ کبھی بھی نہیں ہو سکتی ہستی سے نیستی اور نیستی سے ہستی کا ہونا نادانی اور جہالت کی گفتگو ہے۔ جب جسم زندگی کے مقصد کے پورا کرنے کے ناقابل ہو جاتا ہے پھر اس کو چھوڑنا ہی پڑتا ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ جب تم بچے تھے۔ اس وقت چھوٹے چھوٹے کپڑے پہنتے تھے۔ اب تم بالغ ہو گئے کیسے ممکن ہے کہ وہی لباس اب تمہارے جسم میں آسکے۔ اس کو تو اتارنا ہی پڑیگا۔ یہ قدرتی قانون ہے۔ اسی طرح جب زندگی نے زیادہ بیچ لنظری کی حالت حاصل کر لی۔ پھر یہ جسم جو اب تک کارآمد تھا۔ کیسے اس کے مقصد کو

پورا کر سکے گا۔ اس کے لئے اب کسی بڑے۔ اچھے اور موزوں کی ضرورت ہوگی۔ جو آئیندہ اُس کے ، بہار کے مقصد کی تکمیل کرنے کے قابل ہوگی۔

جسم بے شمار ہیں۔ اور زندگی کو بیشمار جسم یکے بعد دیگرے اپنی ترقی کے مرحلوں میں اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ ان بیشمار جسموں کی نوعیتوں کے تقسیم کو۔ کارن۔ سوکشم اور معقول کہتے ہیں۔ یہ نہ سمجھو کہ زندگی پانی سے نکل کر نباتات اور حیوانات کے مدارج سے گذر کر انسان میں آکر ختم ہو جاتی ہے۔ نہیں ابھی اس کو اور مرحلے بھی طے کرنے باقی ہیں۔ انسان کی صورت معقول تجربہ کی حد ہے اس کے بعد گندھرب دیوتا وغیرہ کتنے مرحلے آتے ہیں۔ جو سوکشم ہونے کی وجہ سے معقول نظر سے نہیں دیکھے جا سکے۔ ان سب مدارج سے گذرتے ہوئے زندگی کو زیادہ وسعت کے میدان میں آنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کے بعد کارن شریر کا مرحلہ باقی رہتا ہے جس کی وضاحت پیچیدہ اور مشکل ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ زندگی کے لئے بیشمار قالبوں سے گذرنے کی ضرورت ہے۔ اور اسی کو آداگون کہتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا زندگی کو بار بار انسان کے قالب میں آنا پڑتا ہے۔ یا صرف ایک مرتبہ؟ اس کا جواب کسی قدر اوپر کے بیان میں موجود ہے۔ مگر ہم اسکو اور واضح کئے دیتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کو غلط فہمی نہ ہو۔ یہ یاد رہے کہ جبتک کسی قسم کے قالب کے مقصد کی تکمیل زندگی نہیں کر لیتی تب تک اس کو بار بار اسی قسم کے قالب میں واپس آکر اسی سے تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ ایک بچہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی مرگیا۔ اسکی زندگی کو اس قالب میں پورا پورا نشو و نما پانے کا موقع ہاتھ نہیں آیا تھا وہ مجبور ہے کہ پھر دوسری مرتبہ انسان کے جسم میں آوے وعلیٰ ہذا القیاس جب وہ اس وسعت کو حاصل کرلے گی

اچو انسانی قالب کی حد اور انتہا ہے۔ پھر اس کو اور کسی موزون لباس میں حاضر ہونے
کی مجبوری ہوگی اور پھر بتدریج وہ برابر اونچے کی طرف اس وقت تک ترقی کرتی
جائیگی جب تک کہ اس کا پورا پورا اظہار نہ ہوگا۔ ترقی اور نشوونما پانا یہ زندگی کا
خاصہ ہے۔ اس خصوصیت سے اس کو کوئی زمینی یا آسمانی طاقت محروم نہیں
کر سکتی۔ زندگی کو اپنے منزل مقصود کی طرف جانا ہے۔ اور جب تک وہ منزل پر
نہ پہنچے گی۔ وہ کبھی چین نہ لیگی۔ دنیا کے رشک و حسد کے نظارے۔ دوستی و دشمنی
کے تماشے۔ حرص و ہوا کے الجھن۔ کام کرودھ کے بندھن۔ لوبھ موہ کے جال جو ہر
چار طرف نظر آتے ہیں۔ ان سب کی تہ میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی روح
چھپی رہتی ہے۔ اس کے سوا ان کا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ کامی کرودھی اور لالچی
کو برا نہ کہو۔ ان کے جذبات کو مطالعہ کرتے چلو۔ اور تم دیکھوگے کہ وہ صرف ترقی کے
شائق بن کر خاص طریقہ میں اپنا کام کر رہے ہیں۔ اگر تمہارا نوکر تمہارے سلوک
سے ناراض ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ تم سے بگڑا ہے بلکہ وہ تم سے بہتر
سلوک کا طالب ہے۔ اگر قیدی قید سے گھبراتا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ
آزادی کا خواہاں ہے۔ اگر غریب دھن دولت چاہتا ہے تو اس کے دل میں مفلسی
سے نفرت ہو رہی ہے۔ وہ بڑھنے کا خواہشمند ہے۔ اندھیرے کوٹھڑی کے
پودے روشنی کی طرف آنا چاہتے ہیں۔ جن کی آنکھیں نہیں ہیں۔ وہ دیکھنے کو متمنی
ہیں۔ جو چھوٹے ہیں وہ بڑے بننا چاہتے ہیں۔ تم ان کی روح کے رخ کو دیکھو اور
میری باتیں سمجھ سکوگے۔ یہ ترقی کا شعبہ آواگون کا سلسلہ ہے۔ اور پھر بھی
لوگ کہتے چلے جا رہے ہیں کہ آواگون کا مسئلہ غلط ہے۔ وہ غلط کہتے ہیں۔ کیسے ہوسکتا
ہے۔ وہ تو قدرت کی جان ہے۔ اور جو اس کو صحیح نہیں جانتے وہ سخت بھرم اور
دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور غلطی کر رہے ہیں۔

کام. کرودھ. لوبھ. موہ. اہنکار پُہ نہیں ہیں۔ ان کو صرف نادان بُرا کہتے ہیں۔ یہ زندگی کے اوصاف ہیں یہ ستون ہیں۔ جن پر زندگی کی عمارت کھڑی ہے۔ ان کی جڑ کاٹ دو پھر خاک ترقی ہوگی۔ مطلب صرف اتنا ہے۔ کہ ان کو لطیف بناؤ۔ اور لطیف بناتے چلے جاؤ۔ تاکہ زندگی کو وسعت نصیب ہو کب تک ستول طبقہ میں پڑے رہوگے۔ موقع دو کہ زندگی کا رخ آگے کی طرف پھر جائے اور وہ اپنی مکمل حالت کو حاصل کر سکے۔ کیونکہ ستول حصہ میں رہ کر زندگی صرف جزوی حالت میں رہتی ہے۔

کایا مرے نہ من مرے - مر مر جات شریر
مایا ترشنا نا مرے کہ گئے داس کبیر

یہ مایا اور ترشنا زندگی کا خاصہ ہے جو مرتی نہیں۔ بلکہ زندگی کو آگے کی طرف بڑھنے کے لئے دھکہ دیتی رہتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر مکمل زندگی کیسے آوےگی۔ اس کو سمجھ لو۔ اور حقیقت کو جان جاؤ گے۔

آواگون سچا اور صحیح مضمون ہے۔ اگر اس کی صداقت سے انکار ہے تو پھر بھی زندگی کے ترقی کی مدارج سے بھی تم کو انکار کرنا پڑیگا۔ کیونکہ آواگون اصل میں ترقی کا اٹل قانون ہے۔

پچیسواں باب

آواگون (مسلسل)

آواگون کے متعلق اکثر لوگوں کا یہ اعتراض ہوا کرتا ہے۔ کہ اگر یہ سچ

اور وہ دراصل ہستی مختلف قالب تبدیل کیا کرتی۔ تو پھر اس کو اپنی پہلی زندگی کے
واقعات کیوں نہیں یاد رہتے۔ اور کیوں وہ یہ نہیں بتا سکتی کہ پہلے وہ کون تھی
کس کے یہاں پیدا ہوئی تھی اور کیا کیا کام کئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ
کہ بعض ایسے بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جو اپنے سابقہ جنم کے حالات لوگوں
کو سنا دیتے ہیں۔ مگر چونکہ پیدائش اسی کرہ ارض تک محدود نہیں ہے۔ لوگ
دور دور پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے ہر شخص سے امید نہیں کی جاتی۔ کہ وہ اپنے
حالات سنا سکیگا۔ زندگی کے واقعات دراصل اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ جیسے
خواب کے حالات ہوتے ہیں۔ کتنے آدمی دنیا میں ایسے ہیں جو خواب کی باتوں
کو یاد رکھ سکتے ہیں۔ زیادہ تر آدمی ان کو بھول جاتے ہیں شاذ آدمی ان کو یاد
بھی رکھ سکتے ہیں۔ بہت سے خواب کے واقعات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ
ہم کو بے ساختہ ان کے پہلے بھی کبھی دیکھنے کا گمان ہو جاتا ہے۔ اور ہم سوچنے
کے لئے مجبور ہوتے ہیں کہ اس شخص کو یا اس واقعہ کو ہم نے پہلے بھی کہیں دیکھا
ہے۔ اس قسم کی یاد کسی نہ کسی طرح لطیف بن کر ہم میں موجود رہتی ہے۔ یہی پہلے
جنم کی یادداشت کا حال ہے۔ بالعموم ایک جنم کے دوسرے جنم میں سینکڑوں کیا
بعض مرتبہ ہزاروں برس کا بعد حائل ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے واقعات
سب کو یاد رہیں۔ ہاں جس خیال نے خاطر میں خطور پیدا کیا ہے۔ وہ کبھی زائل
نہیں ہوا کرتا یعنی گشتہ روپ سے موجود ضروری رہتا ہے۔ لیکن یہ ایسا
لطیف ہوتا ہے کہ معمولی سلسلہ خیالات پرانے خیالات کو سلسلہ خیالی
کر کے بیدار نہیں کر سکتا۔ ہاں پہلے جنم کی باتیں دو طرح سے یاد آسکتی ہیں
یا تو غیر معمولی واقعات سے ہماری ضمیر کا انکشاف یا اعلامی حرکت میں
آئے یا یوگ کی مشق ایسا درجہ ہم پہنچائیں۔ کہ خود سو پر کاش سی پرجیوتی

جا ہیں چلے جائیں۔ اس صورت میں ہمارے تمام پچھلے جنم ہماری آنکھوں کے سامنے ہونگے۔ ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں جہاں پرانے جنموں کی یادداشت کا ذکر آتا ہے۔ بالعموم ایسی طاقت والے آدمیوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ یہ طاقت جو شخص چاہے بہم پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ آدمی سب ایک ہیں۔ ہاں مزاولت اور مشق شرط ہے۔

اس کے سوا تم دیکھتے ہو کہ دنیا میں جتنے آدمی مخلوق ہوئے ہیں ان سب میں اختلافات ہیں۔ سب کے رنگ ڈھنگ جدا ہیں سب کے قول و فعل جدا ہیں۔ سب کے حالات و خیالات جدا ہیں۔ سب کے جذبات اور محسوسات جدا ہیں۔ یہ اختلافات کیوں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے پچھلے جنموں کے کرم جدا جدا تھے۔ اور انہیں کرموں کی وجہ سے ان کے سنسکار جدا جدا ہیں۔ چنانچہ کہ سب مدرسہ میں پڑھتے ہیں ایک جلد استاد کی بات سمجھ لیتا ہے۔ دوسرا دیر سے سمجھتا ہے۔ ایک تیز ذہن دوسرا کند ذہن اور بدتمیز ہے استاد کی تعلیم تو ایک قسم کی ہے مگر سب پر یکساں اثر نہیں پڑتا کیونکہ ان کی میلان طبعی اور ان کے دل و دماغ ایک طرح کے نہیں ہیں۔ ایک لڑکا ابتدائے عمر سے شرابیوں اور جواریوں کی صحبت میں جاتا ہے دوسرا سادھوؤں اور فقیروں کے ست سنگ کا خواہشمند رہتا ہے۔ ایک نیک اور رحمدل ہے دوسرا بےرحم اور سنگدل ہے۔ ایک سرل سوبھاؤ والا ہے تو دوسرا متکبر اور شریر ہے۔ اگر تم غور کے ساتھ ان کے حالات کا مقابلہ و موازنہ کیا کرو تو تم کو بہ آسانی آواگون کی ماہیت سمجھ میں آ جائیگی۔ اور تم خود نتیجہ نکال سکوگے کہ سوائے جنم جنمانتر کے کرموں کے اور کسی طرح اس کی قابل اطمینان تشریح نہیں ہو سکتی ہے۔

اگر آواگون کو صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو پھر ایشور کے انصاف پر بہت بڑا دھبہ

آوے گا۔ کیا سب کو ایشور نے اس طرح مختلف حالات میں پیدا کیا ہے۔ یہ کبھی ممکن نہیں۔ ایشور منصف ہے اس کے یہاں ظلم اور بے انصافی نہیں ہوتی۔ جو جیسا کرتا ہے اس کو ایشور کے یہاں سے ویسی ہی جزا اور سزا ملتی ہے۔ ایک شخص پیدائشی اندھا ہے۔ بیچارہ دنیا کے عذاب میں مبتلا ہے۔ دوسرا لولا لنگڑا اپاہج ہے کچھ کام نہیں کر سکتا۔ تیسرا اجوڑی پر چلتا ہے۔ رئیس زادہ ہے۔ دولتمند ہے نوکر چاکر کثرت سے ہیں آخر ان کی حالتوں کا فرق کس وجہ سے۔ کیا ایشور اس کے لئے جوابدہ ہے یا اس کے کرم جوابدہ ہیں۔ عقل سلیم تو یہی تسلیم کریگی کہ ان کے اعمال ہی کی وجہ سے یہ مختلف لحالی ہے اور ان سب کے سبب یہ کرم کا اٹل قانون کے زیر اثر یہ حالت نظر آتی ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھوگتا ہے جو جیسا بوتا ہے ویسا کاٹتا ہے نیکی کرو۔ نیک پھل ملے گا۔ بدی کرو۔ برے ثمرے ملیں گے۔ یہ تم روز روز اپنی زندگی کے روزانہ تجربہ دیکھتے ہو۔ کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے آفتاب کی طرح صاف ظاہر ہے۔

ممکن ہے تم یہ کہو گے ہم دنیا میں کبھی کبھی برے آدمیوں کو خوشحال اور فارغ البال دیکھتے ہیں۔ برعکس اس کے نیک آدمی تکلیف کی حالت میں نظر آتے ہیں۔ یہ معمہ اتنا مشکل نہیں ہے۔ جتنا تم سمجھ رہے ہو اس کی تہہ میں بھی وہی کرم کا سلسلہ کام کر رہا ہے جن برے آدمیوں کو تم خوشحال دیکھو۔ سمجھ لو پہلے جنم میں ان کے کام اچھے تھے۔ اور جب یہ کرم اپنا پھل دے لیں گے اسکو آخر میں دکھی ہونا پڑے گا۔ اسی طرح جو اچھے لوگ دکھی ہیں پہلے جنم میں برا کام کیا تھا جب برے کرم کٹ جائینگے۔ سکھی ہونگے۔

ایک سوال اور بھی کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اکثر حد درجہ کے فاسق و بدکار آدمی آنا فاناً میں کبھی کبھی حد درجہ کے نیک اور پارسا بنجاتے ہیں اور کبھی کبھی

حد درجہ کے نیک اور پارسا آدمی بدکار اور فاسق ہو جاتے ہیں۔ یہ تعجب کی بات ضرور ہے۔ مگر یہاں بھی وہی قانون عمل کرتا ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جو بالکل اچھا خواہ بالکل ہی بُرا ہو۔ انسانی قالب بُرے اور بھلے کرموں کا نتیجہ ہے جب تک اچھے کرموں کا زور رہتا ہے۔ انسان اچھا کام کرتا رہتا ہے۔ جب پھر کبھی بُرے کرموں کا دبا ہوا سنسکار زور پکڑ جاتا ہے نیک کام دب جاتے ہیں۔ اور بُرے کرم کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسطرح بُرائی کرتے ہوئے جب کبھی اچھے کرم کا دبا ہوا سنسکار اُبھر کر ظاہر ہوتا ہے انسان کو نیکی کیطرف مایل کر دیتا ہے ہر انسان میں نیکی و بدی دونوں کے جذبات رہتے ہیں۔ تم جو کسی کام کیوقت پس و پیش کیا کرتے ہو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ تمہارے نیک و بد سنسکار کشمکش کرتے ہیں اور جو اس وقت غالب آجاتا ہے وہ دوسرے کو دبا لیتا ہے یہ اس کا سبب ہے۔ دوسرا اور کوئی سبب نہیں ہے اور ایسے ہی موقعوں پر انسان کی قوت ارادی کا تماشہ دیکھنے میں آتا ہے جو نیک آدمیوں کی صحبت میں رہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے وہ بُرے کرموں کے زور پر غالب آجاتے ہیں۔ جنکو ست سنگ میسر نہیں آتا وہ گر جاتے ہیں۔

یادداشت

اگر تم ان واقعات پر برابر غور کرتے رہو تو تم کو معلوم ہوگا۔ کہ قوت یاد زایل نہیں ہوتی۔ وہ انسان میں موجود رہتی ہے۔ ہاں اس کے تفصیلی مدارج کا سامان وہاں نہیں رہتا۔ کیونکہ قدرت میں تفصیل و صراحت کا انتظام کہیں بھی نہیں ہے۔ سارے کرم اپنا سنسکار چھوڑ جاتے ہیں اور یہ سنسکار انسان کے دل پر نقش کا مجمر بنکر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ اور ذرا سوچو تو سہی اس بات کے یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے کہ ہم کہاں پیدا ہوئے تھے کون ہمارے ماں باپ تھے۔ ہم کو تو صرف تجربہ حاصل کرنا ہے اور وہ تجربہ

سنسکار بنا ہوا ہم میں موجود رہتا ہے جو چیز پیدا ہوتے ہی بچہ کو نیکی اور بدی کی طرف مایل کر دیتی ہے وہ اس کا پہلے جنم کا سنسکار ہے۔ جیسی پہلے عادت تھی۔ جیسا پہلے کام کرتا تھا۔ ویسے ہی اس کی میلان طبعی ہوتی ہے اور دنیا میں آتے ہی اس کا رخ ویسے ہی کاموں کی طرف مخاطب ہو جاتا ہے اس کا سمجھنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ تم نے ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں، ممکن نہیں ہے کہ تم اس کے ایک ایک لفظ ایک ایک سطر ایک ایک حرف ایک ایک صفحہ یاد ہوں مگر ہاں ان کتابوں کا مضمون اور ان مضمونوں کا حصل تمہارے دل و دماغ پر نقش ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات تم کو کتاب اور کتاب کے مصنف کا نام بھی یاد نہیں رہتا۔ مگر علم تمہارے اندر ہے۔ اور ان کا سنسکار باہر نہیں گیا جس طرح تمہاری پیدائش تمہارے ماں باپ سے ہوتی ہے ویسے ہی تمہارے علم کی پیدائش ان مصنفوں کے تصنیف سے ہوتی ہے۔ جیسے تم کو دوسرے جنم میں باپ ماں گھر بار کی یاد نہیں رہتی ویسے ہی پڑھی ہوئی کتابوں اور ان کے مصنف کے نام یاد نہیں رہتے۔ کیونکہ قدرت میں تفصیلی وضاحت کے محفوظ رکھنے کا اس قدر اہتمام نہیں ہے۔ اور دوسری طرح اگر غور کر کے دیکھو تو تم میں وہ ساری باتیں بھی موجود ہیں۔ اور جن جن مرحلوں سے تم گذر کر آئے ہو غور کرنے سے ان پر عبور پا سکتے ہو۔ مگر یہ بیان بہت زیادہ طول طویل ہے۔ اس پر بحث کرنا بالکل فضول ہے۔

آواگون کا مقصد صرف تجربہ کا اکٹھا کرنا ہے۔ تاکہ ہم پر اگیان کا جو پردہ پڑا ہوا ہے وہ پھٹ جائے اور آہستہ آہستہ ہم اپنے روپ کو دیکھ سکیں۔ اور زندگی کا مقصد حاصل ہو جائے۔ اور اس گورکھ دھندا کا مقتضا یہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ جس وقت کسی ہستی پر اگیان کا پردہ آ جاتا ہے۔ وہ

تبدریج اس کے دور کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ اور اس کوشش کے سلسلہ میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ اور جن جن مرحلوں سے گذرنا ہوتی ہی آداگون کہا جاتا ہے زندگی ابتدا میں ایشور کے سنکلپ سے اٹھتی پہلے سنکلپ کی دھار نیچے کی طرف چلی۔ پھر اوپر کی طرف رجوع ہوئی۔ ایک دائرہ بن گیا اور دائرہ ہی کی صورت میں زندگی حرکت کرتی ہے۔ اور حرکت کے مدارج ہی آداگون کہلاتے ہیں۔

سفر روحوں کو جب اس طرح آداگون کے سلسلہ میں تجربہ ہو جاتا ہے۔ اس میں دو حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ خواہ ان دو حالتوں کا اس کو علم ہوتا ہے حالت اور علم اس میں پہلے ہی سے رہتی ہیں کہیں باہر نہیں آتیں۔ صرف اصلیت پر پردہ پڑا رہتا ہے اور جب وہ پردہ پھٹ جاتا ہے۔ تب سچائی کا گیان ہوتا ہے۔

باب چھبیسواں

کرم

سنت مت میں کرم کی مراد محدود اور وسیع معنی میں لی جاتی ہے۔ جس اصول کے موافق کائنات کا کام ہو رہا ہے وہ بھی کرم ہے۔ اور جو کام پرانی کرتے ہیں وہ بھی کرم ہے۔

پرانیوں کے کرم تین طرح کے ہوتے ہیں۔ پرابدھ۔ کریمان۔ سنچت جس کرم کو ہم کر رہے ہیں وہ کریمان ہیں۔ جس کا پھل ہم بھوگ رہے ہیں۔ وہ

پرابدھ ہے۔ جس کا پھل ہم کو بھوگنا پڑے گا وہ سنچت ہے اور اکھٹا ہوتا جاتا ہے۔

ہر ایک شخص میں بُرے اور بھلے کرم ہوتے ہیں۔ کسی کا سنسکار دبا رہتا ہے کسی کا ابھر جاتا ہے۔ جو اُبھرے ہوئے ہیں وہ پھل دیتے رہتے ہیں جو دبے رہتے ہیں۔ ان میں آہستہ آہستہ پھل دینے کی پختگی کا موقع آ رہا ہے۔

بعض آدمی جس وقت کسی پاک اور مقدس سادھو کے ست سنگ میں جاتے ہیں تو ایسا دیکھا گیا ہے کہ چاہے اس کے پاس جانے سے پہلے اس کی حالت کچھ ہی کیوں نہ ہو رہی ہو۔ اس کے بچن کے سنتے ہی دل میں کئی طرح کے یاد دلانے والے خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں اور اس کی زندگی ایک خاص قسم کی نئی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس کے دل کے شیشہ میں پہلے زندگی کے واقعات کمزور شکل میں پڑے ہوئے تھے۔ سادھو کے درشن اور بچن سے اس کو دھکہ لگ گیا۔ اور وہ اسی وقت اُبھر کھڑے ہوئے۔ اور اپنا کام کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ دبے ہوئے سنسکار کے اُبھرنے کی ایک مثال ہے۔ اسی طرح آدمی سوتے سوتے اکثر واقعات خواب میں دیکھ لیتا ہے۔ جن سے اُس پر اثر ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی دوسری طرح کی ہو جاتی ہے ان سب واقعات سے دبے ہوئے کرموں کے سنسکار اور اثرات کا پتہ لگتا ہے۔

سنت مت میں جہاں کرموں کی وضاحت ست سنگ میں اچھی طرح مختلف شکلوں میں کی جاتی ہے۔ وہاں موجودہ زندگی کے کرم کی تشریح اس طرح کر دی جاتی ہے۔ جس کرم کی وجہ سے مالک کے چرنوں سے دوری ہو۔ وہ اشبھ ہے۔ اور جس کے کرنے کی وجہ سے قربت ہو۔ وہ شُبھ ہے! لیکن اس کو پتہ

کیسے لگے کہ کس کرم سے دوری کتنی قربت ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے
کہ اس کے پرکھنے کی کسوٹی خود انسان کے دل میں ہے اور کسی سے سوال
کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص بُرا کام کرے گا۔ اس کو سرت شبد یوگ
ابھیاس کا رس نہ آئے گا۔ ہزار جتن کرے۔ جب تک اچھی طرح پچھتاوا
کر کے کچھ پرائشچت اور اس کی تلافی نہ کرے گا۔ دل اس کام میں نہ لگے گا کیونکہ
وہ بلا دوسرے کے کہے ہوئے جانتا ہے کہ بُرا کام کیا گیا ہے۔

ہر انسان جانتا ہے کہ اس کے ساتھ اچھی طرح سلوک کیا جائے پس
اس کو بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ بھی اوروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے
سلوک کرنے سے پہلے اس کو اپنے دل میں داخل ہو کر سوال کر لینا چاہیئے کہ اگر
اسی قسم کا سلوک میرے ساتھ کیا جاتا۔ تو میں راضی ہوتا یا ناراض اور اس کا جو
جواب ملے۔ اس کے موافق کام کرنے سے انسان میں ہمیشہ نیک کرم کرنے
کی رغبت پیدا ہوتی جائے گی اور وہ نیک بنتا جائیگا۔

پرابدھ کرموں کے پھل تو بھوگ لئے جاتے ہیں لیکن اگر آدمی کہیں سنتوں
کے ست سنگ میں شامل ہو کر سرت شبد یوگ کا ابھیاس کرنے لگے تو اسکے
باقی کرم کا پھل دلی طبقات کے چڑھائی کے وقت کٹ جائیں گے کرم کٹنے کے
مختلف طریقے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف جسمانی ہی طبقہ میں ان
کا پھل بھوگا جا سکتا ہے۔ اور جس قدر تیزی کے ساتھ چیتن کی دھار انتر
میں پیدا ہو گی۔ بہت سے کرم دگدھ ہوتے جائینگے۔ دل کے رُو بدلنے
سے بھی اکثر دبے ہوئے بڑے کرم کمزور ہو ہو کر کٹ جاتے ہیں۔ سادھوؤں
کے سنگ۔ درشن بھجن اور بچن سے ان کا بہت کچھ حصہ دگدھ ہوتا رہتا ہے۔
اسی وجہ سے سادھ سنگ کی بڑائی کا سنتوں میں اکثر تذکرہ رہتا ہے اور

اور جو لوگ اس پر غور کرینگے وہ اس میں کچھ سچائی پائیں گے۔

انسان کرم تین طرح کے کرتا ہے۔ تصور، نعل۔ اور کلام۔

کرم میں من۔ بچن۔ کرم سب ہی آجاتے ہیں۔ کرم کی جڑ اصل میں من میں رہتی ہے۔ من جیسا سوچتا ہے ویسے ہی بچن زبان پر آتے ہیں۔ اور ویسا ہی انسان کام کرنے لگتا ہے۔ ہر قسم کے کرم خواہ وہ برے یا بھلے ہوں خواہ ان دونوں سے مختلف ہوں سب میں من شامل رہتا ہے۔ اگر من شامل نہ ہو تو انسان سے کوئی کلمہ بن سکے۔ اس نے سنت مت میں ایسی من کے روکنے اور تربیت کرکے اس پر قادر ہو جانے کی ضرورت بتائی جاتی ہے۔ من ہاتھ میں آجائے۔ پھر باقی کیا رہتا ہے۔ سارا من کا کھیل ہے اور سرت شبد یوگ کا ابھیاس کرنے سے اس من میں باسانی یکسوئی آجاتی ہے۔ اور تھوڑے دن اس کے سلسلہ کے جاری رکھنے سے جیسے جیسے اونچے مقامات کے شبد کان میں پڑنے جائیں گے۔ ویسے ہی یہ من لطیف ہوکر انتر مکھی بنتا جائے گا۔ اور ابھیاس کی مدد سے خود بخود سے کرم انتر ہی انتر کٹتے ہوئے ایک دن شامل اور ابھیاسی کو پرم پد کا ادھکاری بنا دیں گے۔

سرت شبد یوگ کلپدرم

تیسرا حصہ

شبد بنا سرت آندھری کہو کہاں کو جاے
دوار نہ پاوے شبد کا بار بار بھٹکاے

جس میں دوسرے مذاہب کی کتابوں کے حوالجات دیکر اسکی قدامت ثابت کیگئی ہے۔

از
بابو شیوبرت لال ورمن ایم اے
ایڈیٹر سادھو وغیرہ
لاہور

فہرست مضامین
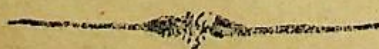
سرت شبد یوگ کلپدرم تیسرا حصہ

دیباچہ

ابھیاس

سرت شبد یوگ کے ابھیاس کے اشارہ کا قریب قریب دنیا کے تمام مذہبوں کی مقدس کتابوں میں ذکر ہے۔ مگر یہ اشارے اور تلمیحات صرف اتنے ہیں کہ اُن سے کچھ کچھ پتہ لگ جاتا ہے۔ ان کی مشرح کیفیت صرف سنت مت کے ابھیاسوں کے ست سنگ میں ملے گی۔

ویدوں میں اس شبد کے بہت حوالے آتے ہیں۔ مثلاً "شبد برہم، شبد برہم پر او برہم" وغیرہ وغیرہ۔ مہرشی پتنجلی کے یوگ شاستر میں بھی کچھ اس کا اشارۃً ذکر ہے۔ اپنشدوں میں بھی جابجا حوالے آتے ہیں۔ بودھوں میں اس کا کسی وقت بہت رواج تھا۔

یونانی فلاسفروں میں پتھاگورس وغیرہ اس کو صدائے آسمانی کہتے ہیں۔ سکندریہ کے نیو پلوٹسٹس کے مقلد اس کو کسی قدر جانتے تھے اور اس کا علم غالباً ہندوؤں سے حاصل کیا گیا ہوگا۔ جو مہاراجہ اشوک کے زمانہ میں پالسطائن، یونان اور سکندریہ میں بھیجے گئے تھے۔

پارسیوں کے سفر نامہ دساتیر میں بھی کچھ کچھ نشانات موجود ہیں۔ ہیں وہ

کتاب پہلوی زبان میں پڑھی تھی۔ افسوس ہے اس وقت میرے پاس موجود نہیں ہے مسیحی تعلیم کے ابتدائی زمانہ میں لوگ اس سے واقف نظر آتے ہیں۔ گو اب ان کو اس کی سمجھ نہیں رہی۔

صوفی جو سلطان الاذکار کا شغل کرتے ہیں۔ اس کی وقعت سے باخبر ہیں بمقابلہ اوروں کے ان کی مجلسوں میں اس کا زیادہ ذکر رہتا ہے بصورت مریدی شغل نصیرا کے اجیاسی جواب تک مسلمانوں میں ملیں گے۔ اس سے کسی قدر باخبر ہیں۔ مگر اس کی مکمل تعلیم صرف سنتوں میں نظر آویگی۔ کیونکہ یہاں اسکے تمام پہلو کے محفوظیت کا سامان موجود ہے۔

ہندوؤں کے فقیروں میں گورو گورکھنا تھ اس سے واقف تھے اُن کے سلسلہ کے فقیر جو بھجن گاتے ہیں ان میں اس کے اشارے بہت آتے ہیں۔ راما نند دسار اج بھی اس سے ناواقف نہیں تھے۔

افسوس ہے میرے پاس اچھا کتب خانہ نہیں ہے۔ اور میں نے چونکہ جلدی میں اس کتاب کو ترتیب دی ہے اسلئے بہت سے حوالہ جات فراہم نہ کر سکا۔ تاہم اگر زندگی باقی ہے اور یہ کتاب دوبارہ چھپیگی تو اس کی نظرثانی کرتے وقت اور مفید اضافہ کیا جائے گا۔

انتا بھی او سکاریوں کے واسطے کم نہیں ہے جن میں روحانیت کا خمیر ہے وہ اس کو پڑھ کر جوش کرے گا۔ اور وہ سچائی کی تلاش میری طرح دھرم کے مختلف طبقات سے گذرتے ہوئے اس طرح رجوع ہونگے۔ صرف یہی اس کے ترتیب دینے کا مقصد ہے اور بس۔

شیوبرت لال

دفتر ساد ہو ہر جولائی ۱۹۱۱ء

سرت شبد یوگ کلپدرم

تیسرا حصہ

اپنشدوں کے حوالے

شبد کے متعلق

(۱) یہ شبد برہمہ ہے۔ اس شبد سے مراد سب سے اونچا ہے جو اس شبد کو جانتا ہے۔ اپنے من کے کاماؤں کو پورا کر لیتا ہے۔

کٹھ اپنشد۔ دوسری بلّی۔ ۱۶ ویں آیت

(۲) جنیوں نے مجھ کو سکھایا شبد برہمہ ہے۔۔۔ سلنا کے لڑکے نے بتایا کہ شبد برہمہ ہے۔ وہ شخص کس کام کا ہے جو بول نہیں سکتا۔

دریہد آرنیک۔ چوتھا ادھیائے پہلا براہمن ۲

(۳) اس کو جان کر گیانی برہمہ کا خیال کرتے ہیں۔ وہ بہت سے شبدوں کا دھیان نہ کرے۔ کیونکہ شبد پریشان کرتے ہیں۔

ایضاً۔ چوتھا براہمن چوتھا ادھیائے ۲۱۔

(۴)۔۔۔ اس نے شبد یعنی سورکا سہارا لیا۔

چھاندوگ۔ پہلا ادھیائے ۴ کھنڈ ۳۔

(۵) وہ جو اس کو جانتا ہے اس ولوم (اکشر) کی ستتی کرتا ہے اور امرت ہو کر اکشر کو پراپت ہو کر دیوتا ہو جاتا ہے۔

ایضاً۔ ایضاً۔ ایضاً ۵

آتما کے متعلق

(۱) پرش دہنے آنکھ میں رہتا ہے......

در ہدار نیک چوتھا ادھیائے۔ دوسرا برہمن ۲

(۲) پرش جو آنکھ میں رہتا ہے بالکل لوٹ آتا ہے تب آدمی رنگ کی تمیز کرتا ہے۔

ایضاً۔ ایضاً۔ چوتھا برہمن ۱

(۳) جو پرش آنکھ کے درمیان رہتا ہے وہی آتما ہے۔

ایضاً۔ چوتھا ادھیائے ۵ اکھنڈ ۱۔

پنتھ۔ (۱) راہ میں برہمہ ہی برہمہ ہے جو اس راہ پر چلتا ہے برہمہ کو جانتا ہے۔ وہ نیک کام کرنے والا ہے اس کا سوبھاؤ پرکاش ہے۔

در ہدآ نیک چوتھا ادھیائے چوتھا برہمن ۹

(۲) اس تنگ اور وسیع راہ کو جو قدیم ہے میں نے طے کیا۔ دوسرے گیانی اس راہ پر چلے جو برہمہ کو جانتے ہیں اس جسم کو چھوڑ کر اپنے لوک کو گئے۔

ایضاً ایضاً ۸۔

ابھیاس۔ (۱) من کے اندر اس کے لئے سورگ کے پانچ پھاٹک ہیں۔ مشرقی پھاٹک وہ ہے جو درشٹی ہے۔ جو ادیتہ ہے۔ اسی درشٹی وجوہ پران کو جو پوجتا ہے۔ وہ جلال کا نکلنے والا ہوتا ہے اور جو اس کو اس طرح جانتا ہے وہ جلال والا ہوتا ہے۔

چھاندوگ۔ ۳ ادھیائے ۱۳ اکھنڈ ۱۔

(۲) تب ولی راستہ کان ہے جو چندر ہے اس کو اس طرح سمجھ کر جو اس کی پرستش کرتا ہے اس کو دولت و شہرت ملتی ہے۔

ایضاً۔ ایضاً ۲۔

(۳) اس سے گھٹ کا راستہ روشن ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح روشن ہو کر وہ آنکھ۔ سریا جسم کے اور دوسرے حصوں سے کوچ کرتی ہے۔

در ہدآ نیک۔ ۴ ادھیائے۔ برہمن ۴۔ آیت ۲

(۳) میڈم بلیوٹسکی کا وائس آف دی سائلنس کے حوالہ جات جو بودھوں کے یوگ کی کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں

شبد (۱) وہ جو نادر شبد کو سنتا ہے اور شبد ناد کو سنتا ہے ۔ اُس نا کی کیفیت کو پہچانتا ہے ۔ پہلا باب ۱۴ صفحہ پہلی سطر

(۲) پہلی آواز بلبل کے چہچہے کی طرح میٹھی ہے ۔

دوسری چاندی کی جھنکار ہے ۔

تیسری سمندر کے لہروں کی ہے ۔

چوتھی بین کی صدا ہے ۔

پانچویں نفیری کی سی ہے ۔

چھٹی بادل کی گرج ہے ۔

جب یہ ساتویں آواز آتی ہے سب آوازیں مر جاتی ہیں اور وہ ایک ہی سنائی دیتا ہے اور (۳) ہی ایک سنائی دیتی ہے ۔ صفحہ ۱۴ ۲ ۵ ۰ ۲

---

(۴) سینٹ جون کی انجیل

شبد (۱) ابتدا میں شبد تھا شبد مالک کے ساتھ تھا ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

یوحنا کی انجیل باب ۱ آیت ۱

آسمانی بادشاہت ۔ آسمانی کی بادشاہت ۔ رہیہ ۔ انجیل

(۵) صوفیوں کے کلام

صفت آواز آسمانی و طریق حصول آں

پنبۂ وسواس بیروں کن تا گوش — تا بگوشت آید از گردوں خروش
پس محل وحی گردد گوش جان — وحی چہ بود گفتن از حس نہاں
گر بگویم شمۂ زاں نغمہا — جانہا سر بر زنند از دخمہا
گوش را نزدیک کن کاں دور نیست — لیک آں گفتن بتو دستور نیست
جمع را در زیر پا آر اے شجاع — بشنو از فوق فلک بانگ سماع
ہر ندائے کہ ترا بالا کشید — آں ندا میداں کہ بالا رسید
ہر ندائے کہ ترا حرص آورد — بانگ گرگے داں کہ او ظلم درد
گفت پیغمبر کہ آواز خدا — میرسد در گوش من ہمچوں صدا
مہر بر گوش شما بنہاد حق — تا بآواز خدا نارد سبق
نک صریح آواز حق می آیدم — ہمچو صاف از دُرد می پالایدم
اندریں رہ می تراش و می خراش — تا دمی آخر دمی فارغ مباش

(حضرت مولانا روم)

(۶) عشق

عشق زندہ در رواں و در بصر — ہست ہر لحظہ ز غنچہ تازہ تر
عشق آں بگزیں کہ جملہ اولیا — یافتند از عشق او کار و کیا
اے خنک جانے کہ بہر عشق حال — بذل کردہ خانماں و ملک و مال

کرد ویراں خانہ بہر گنج و زر — بعد ازاں گنجش کند معمور تر

ملک دنیا تن پرستاں را حلال — ما غلام ملک عشق لازوال

عشق بشکافد فلک را صد شکاف — عشق لرزاند زمیں را از گزاف

عشق جوشد بحر را مانند دیگ — عشق ساید کوہ را مانند ریگ

از محبت مردہ زندہ می شود — وز محبت شاہ بندہ می شود

از محبت تلخہا شیریں شود — وز محبت مسہا زریں شود

از محبت دردہا صافی شود — وز محبت دردہا شافی شود

از محبت خار گل می شود — وز محبت سرکہ مُل می شود

ملت عشق از ہمہ دینہا جداست — عاشقاں را مذہب و ملت خداست

مولانا روم

آواز

امر ربی ست روح جوہر خداست — ذکر بے کلام و بے زبان او راست

حیف در بند جسم در مانی — نشنوی صوت پاک رحمانی

یار ما ہر دم ہست با تو کلیم — حیف تو نشنوی کلام قدیم

ہمہ عالم پر ہست از آواز — لیک در ہای گوش خود کن باز

باز کردن ہمیں بس ہست ترا — بند سازی رہ شنیدن را

نشنوی یک کلام نا منقطع — از حدوث و فنا بود مرفوع

اول و آخرش چو ہیچ نشد — زاں سبب نام او انحد شد

عالم صورت از و ظہور گرفت — از حضورش بساط نور گرفت

گر با ظہار رو نہاد روی — نام آواز ایں جہاں نہ بدی

بشنو آں بانگ پر سر دار گوش — کن فراموش خویش را ذی ہوش

شاہ نیاز

خواجہ حافظ

دوش با من گفت پنہاں کاردان تیز ہوش — کز شما پنہاں نشاید داشت راز مے فروش
گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روئے طبع — سخت مے گیرد جہاں بر مردمان سخت کوش
تا نگردی آشنا زیں پردہ رمزے نشنوی — گوش نامحرم نباشد جای پیغام سروش

دیگر

ترا ز کنگرۂ عرش می زنند صفیر — ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد است

دیگر

کس ندانست کہ منزل گہ معشوق کجا ست — اینقدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

خواجہ معین الدین چشتی

ربود جان و دلم را جمال نام خدا — نواخت تشنہ لباں را زلال نام خدا
میان اسم و مسمیٰ چو فرق نیست ببیں — تو در تجلی اسما جمال نام خدا
وصال حق طلبی ہمنشین نام خدا باش — بود وصال خدا در وصال نام خدا
جمال دوست در آئینہ دلت ناید — اگر زدودہ شود از صقال نام خدا
یقیں بداں کہ تو با حق نشستہ شب و روز — چو ہمنشین تو باشد خیال نام خدا
ترا ز سدرہ طیران دفضای عالم قدس — بشرط آنکہ بہ پری بہ بال نام خدا
معین ز گفتن نامش ملول کے گردد — کہ در ملالت نامش بود ملال خدا

بو علی شاہ قلندر

زہد و تقوی چیست ای مرد فقیر — نا طمع بودن ز سلطان و وزیر
دل چو آسودہست از حرص و ہوا — کے شود مکشوف اسرار خدا
صد تمنا در دل ست آلو الفضول — کے کند نور خدا در دل نزول
دین و دنیا ہر دو یکجا آید بدست — این فضولی را بکن ای خود پرست
گر چہ باشند پردہ از روے مجاز — نفرتے گیری ز زال حیلہ ساز
زشت روی او چو آید در نظر — از خدا خواہی امان اے بے خبر
گر نہ از عشق او باشد جنبشے — از تو مشتاق ہست او مشتاق تو

بہر طاعت نفس را باید حلال — تا نیفزاید ترا رنج و ملال
گر شوی از لقمہ مشتبہ نفیس — نفس را سازی ز فضل حق اسیر
نفی گردان از عمل خود ماسوا — تا نگنجد در دلت غیر از خدا
تا تو ای یکے یا گردد یار تو — چون نباشی یار باشد یار تو
تو میاش اصلا کمال اینست و بس — تو در و گم شو وصال اینست و بس
ہر کہ او از خویشتن بیزار گشت — بیشک آن کس محرم اسرار گشت
چشم بند و گوش بند و لب ببند — گر نہ بینی سر حق بر من بخند
دل تہی کن از فکر باطل ہمہ باہ — از خدا غیر از خدا دیگر مخواہ

صفت مرشد

پیر را بگزین کہ بے پیر این سفر — ہست بس پر آفت و خوف و خطر

گر نباشد سایۂ پیر اے فضول — پس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول
اندر آ در سایۂ آں عاقلی — کس نشاید بردہ از ناقلی
گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی — چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
ہمنشینی ساعتے با اولیاء — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا — گو نشیں اندر حضور اولیاء
اولیاء را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گرداند ز راہ
آنکہ از حق یابد او وحی و جواب — ہر چہ فرماید بود عین صواب
مرد حقی ہمرنگ حاجی طلب — خواہ ہندو خواہ ترک و یا عرب
منگر اندر نقش و اندر رنگ او — بنگر اندر عزم و در آہنگ او
اے بسا ہندو و ترک ہمزباں — اے بسا دو ترک چوں بیگانگاں
در لشکر رو پوش کردست آفتاب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب

مولانا روم

دیگر

ہندوئے یک مرد صاحبدل شوی — کہ بر فرق سر شاہاں روی
ہر دمے او را یکے معراج خاص — بر سر تاجش نہد حق تاج خاص
ہر نفسے بر قلب از مرشد بہ بیں — بے محک زر را مکن از ظن گزیں
گر محک یابی میان جان خویش — ورنہ دانی راہ مرد تنہا تو پیش
بانگ غولاں ہست بانگ آشنا — آشنائے کو کشد سوئے فنا
بانگ میدارد کہ ہاں اے کارواں — سوئے من آئید یک راہ و نشاں
چوں رسد آنجا ببیند گرگ و شیر — عمر ضائع راہ دور و روز دیر
چوں شود آں بانگ غول آخر بگو — مال خواہم جاہ خواہم آبرو
از درون خویش ایں آوازہا — منع کن تا کشف گردد رازہا

شیخ افغان ست و بے الف چو حق با مریداں داد بے گفتن سبق

ہر کجا ہست او حکیم ست اوستاد بانگ او زیں کوہ دل خالی مبد

اے فغاں از یار ناجنس اے فغاں ہمنشیں نیک جوئید اے مہاں

زاں جلیس اللہ گشت آں نیکبخت کہ بہ پہلوئے سعید برد رخت

یار بد جانت ستاند اے سلیم یار بد آرد سوئے نار جحیم

ہر نخواہی کہ رود تو پای باش در پناہِ قطب صاحب را باش

بو کہ استادی رہاند مر ترا وز خطر بیروں کشاند مر ترا

تا نہ خسپی در پناہ ناقلی در جوار رحمت صاحب ولی

از حضور اولیا گر بگسلی تو ہلاکی زانکہ جزوے نہ کلی

سایۂ شاہاں طلب ایندم شتا تا شوی زاں سایہ بہتر ز آفتاب

گر سفر داری بدیں رایت برو در خضر باشی ازیں غافل مشو

ناتوانی زاد لیا رو بر متاب جہد کن واللہ اعلم بالصواب

ایمنی بگذار جائے خوف باش بگذر از ناموس و رسوا باش فاش

درمیانِ جان ایشاں خانہ گیر بر فلک خانہ کن اے بدرِ منیر

ہر ترا دشنام و سیلی شہاں بہتر آید از ثنائے گمرہاں

زانکہ زیشاں خلعت دولت رسید در پناہ روح جاں گردد جسد

صاحب دل آئینہ شش رو بود حق ازو از شش جہت ناظر شود

بے ازو ندہد کسے را حق نوال شمۂ گفتم ز اصحاب وصال

قطب شیر و صید کردن کار او باقیاں ایں خلق باقی خوار او

پس رو و خاموش باش از انقیاد زیر ظلِ امر شیخ اوستاد

یار لب شو کہ غالب شوی یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی

دلّت او بہ رطاعت نرو حق — پیش کفرش جملہ ایماناں خلق
مثنوی مولانا روم

ویدانت کی لاجواب کتابیں

(۱) وچار کلپدرم

لوگ کہتے ہیں ویدانت سمجھ میں نہیں آتا۔ کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ سنسکرت لفظوں کی بھرمار نے اس کو اوق اور مشکل بنا رکھا ہے۔ مگر اب اس قسم کی شکایت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ جہاں تک سادہ اور سلیس لفظوں کا تعلق ہے وچار کلپدرم بہت بیش بہا نعم اور کارآمد کتاب ہے۔ یہ بابو شیوبرت لال صاحب ایم۔ اے کی نادر تصنیف ہے جو وچار ساگر نامی ویدانت کی مشہور کتاب کے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے۔ ایک ایک مسئلہ عام فہم کر دیا گیا ہے نہ کہیں اصطلاحات کی دقت ہے نہ لفظوں کی پیچیدگیاں ہیں۔ فلسفہ کی کتاب ضرور ہے مگر خشک فلاسفی اس کتاب میں مزیدار اور دلچسپ ہو جاتی ہے۔ سیکڑوں آدمیوں نے اس پڑھا۔ کہتے ہیں اب جا کر ویدانت سمجھ میں آنے لگا اگر آپ کو شوق ہو تو اس کو پڑھ دیکھئے اس میں سینکڑوں ضروری مضامین ہیں۔ ان میں سے بعضوں کی فہرست یہاں دی جاتی ہے۔

ادہکاری۔ سمبندھ۔ وشے۔ پرایوجن۔ ادریا۔ ایشور جیو کا بھید۔ جیو جیو کا بھید جڑ جیو کا بھید۔ ایشور جڑ کا بھید۔ جڑ جڑ کا بھید۔ سنسار فرضی ہے آتما آنند روپ ہے۔ پانچ طرح کی بھرانتی۔ جگت کا آدھار۔ برہم گیان اگیان۔ گیان کی سات و سھتائیں۔ پروکش و اپروکش گیان۔ وید گورو متھیا ہیں۔ جیو و شتی سے سرشٹی۔ اندریاں کرم اندریاں۔ گیان

اندریاں۔ انہنکرن۔ پران کی قسمیں پنچی کرن۔ سرشٹی کے چودہ طبق
جیو ایشور کے تین شریر۔ پنچ کوش۔ گیانی اگیانی کے لکش۔ آتما ایک
ہے یا انیک۔ ست چت آنند۔ ایشور جیو۔ برہم۔ پرکرتی۔ پریم اور
گیان۔ ایشور جیو کی تین اوستھائیں۔ بندھ۔ موکش۔ موکش کی
کتھا۔ اوتار۔ دویت اور ادویت کی صراحت۔ مٹھیا پنا۔ وغیرہ وغیرہ
الغرض اس میں بیشمار مضمون ہیں۔ قیمت عہ ہے۔ مگر سنت ناتھ کے خریدروں کو
صرف ۱۲ میں مل جاتی ہے۔ بہت سی کتابیں بک گئیں۔ صرف تھوڑی سی رہ گئی ہیں۔
ضخامت ۲۱۲ صفحہ

(۲) برہم وچار کلپدرم

اس کتاب میں آٹھ شاستر کتھا اور بہت سی فصلیں ہیں۔ اور شروع سے آخر
تک صرف برہم پر وچار کیا گیا ہے۔ اس کو پڑھ لیجئے۔ اپنشدوں کے سمجھنے کی
کنجی ہاتھ آجاویگی۔ کیونکہ اپنشدوں کا تمام جو ہر اور نچوڑ اس میں قلمبند کر دیا
گیا ہے۔ لوگ ایشور کو برہم کہتے ہیں۔ اسکے پڑھ لینے سے خود بخود سمجھ میں آجاویگا
برہم سے مراد کیا ہے۔ قیمت عہ سنت ناتھ کے خریداروں سے صرف ۱۲ ضخامت ۲۰۰ صفحہ

(۳) آتم وچار کلپدرم

اس میں شروع سے آخر تک صرف آتما پر وچار ہے۔ بیچ بیچ میں مباحثے
اور مکالمے بھی آئے ہیں۔ جو نہایت سلیس و عام فہم عبارت میں بیان ہوئے ہیں۔ کتاب
کیا ہے ایک دلچسپ ناول ہے۔ جی چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔ ضخامت ۱۳۲ صفحہ ۸/ سادہو کے
خریداروں سے ۲/۔ انکو پڑھ کر پھر آپ کہیں کہ ویدانت خشک فلاسفی ہے تو ہم لاجواب
ہو جائیں گے ملنے کا پتہ منیجر ادھیاتمک کارخانہ سادھو مترسٹ جنگڑ محلہ لاہور

تصانیف
بابو شیوبرت لال صاحب ورمن ایم۔اے کی نایاب پستکیں

گیان کلپدرم۔ ویدانت کی لاثانی کتاب ضخامت ۵۳۲ صفحہ قیمت عللہ روپیہ

وچار کلپدرم۔ ویدانت (ادویت واد) وچار ساگر کے ڈھنگ پر عہ

بویک کلپدرم۔ علم۔ تجربہ۔ عقل وتمیز کی بڑھانیوالی۔ ہر شخص کی لائبریری میں ہونی چاہئے ۱ر

چرتر کلپدرم۔ رشی۔ منی۔ راجہ۔ مہاراجہ یسو دہیر جودھاؤں کے حالات قیمت ۱ر

برہم وچار کلپدرم۔ اپنشدوں کا عطر ویدانت کا انمول رتن ۱۲ر

کتھا کلپدرم۔ بھگتوں کے دلچسپ حالات پڑھئے اور روز دیکھئے تو بہار اور قیمت عہ ر

آتم وچار کلپدرم۔ آتما کا برنن۔ آتما کی وضاحت وصراحت۔ ۱۶ر

رشی برتانت کلپدرم۔ رشیوں کی کتھائیں روحانی نقطہ نگاہ سے نہایت ہی دلچسپ ہیں ۱۶ر

جین برتانت کلپدرم۔

یہی تو ہے۔ } ایک جلد میں ۶۰ر

گیتا منظوم (نغمہ روحانی) مکمل مع ترجمہ حصہ بہت ہی عمدہ ۹ر

کلکی پوران۔ مکمل۔ ۱۰ر ؍ ۷ر وشنو پوران۔ جلد اول پورانوں میں سب سے بہتر ۱۴ر

الحیات بعد الممات۔ موت کے بعد کے حالات ۱۰ر

عملی ویدانت (سوامی رویکانند جی کے لیکچر) مترجمہ منشی سورج نرائن مہر ۱۰ر

عجیب و غریب قصے استی آموز دلچسپ قصے جنکو قصوں کا شوق ہو ضرور منگائیں ۱ر

کلام اختر۔ مصنفہ منشی گوری شنکر لال اختر مینیجر سادھو لاہور دلچسپ لفظوں کا مجموعہ ہے

دیوان مقفیٰ حصہ اول منشی گوری شنکر لال اختر مینیجر سادھو لاہور جنہی دل لگی کے لئے آنا یا ضرور ۳ر

سادھو کے نئے چھپے نمبر جون ۱۹۱۱ء دوسروں سے فی پرچہ ۱ر

مینیجر ادھا سوامی کارخانہ سادھو سٹریٹ چینگڑ محلہ لاہور

ہندی کے انمول رتن

از تصانیف بابو شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے

پراچین ہندو ماتائیں - قدیم ہندو عورتوں کے حالات دلچسپ پیرایہ میں ۔ ۱۲/

گیان کلپدرم سار - ویدنت کی لاثانی کتاب ۱۰/

وچار کلپدرم سار - وچار ساگر کے ڈھنگ پر ۸/

کتھا کلپدرم - بھگت مہاتماؤں کی کتھائیں ۸/

منونیم - من کے سمجھانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا راز نایاب کتاب ۱۲/

رشی برہمانت کلپدرم - رشی مہاتماؤں کی کتھا ۱۰/

آتم وچار کلپدرم - آتما کی صراحت و وضاحت ۱۰/

چیتر دیپ - کتھائیں - عجیب و غریب اور دلچسپ کتابیں ۸/

سنتا امرت بانی - ۶/ ۔ ۶/ چرتر کلپدرم - دیر برش رشی منی کے چرتر ۷/

محصولڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا۔

جو صاحب ان کتابوں میں سب سے خریدنا چاہتے ہیں وہ بجائے اسکے ہم سے تتو درشی سنہ ۱۹۱۰ع کا فائل منگالیں۔ اسمیں یہ سب نمبر موجود ہیں ہم ان کو صرف ۴ روپیہ میں بھیجدینگے مگر محصولڈاک ذمہ خریدار ہوگا۔

تتو درشی کا مکمل فائل سادھو کے خریدار اپنے ہندی خواندہ دستوں کے لئے ضرور منگالیں۔ قیمت اُن سے صرف ۸ روپیہ علاوہ محصول لیجادیگی۔ مگر اور دونسے للعہ

المشتہر

مینجر رادھا سوامی کارخانہ سادھو سٹریٹ لاہور

تصنیف ہے جو دنیا میں شائع ہوا ہے اس سے زیادہ کہاں نہیں جلد اول ضخامت ۲۱۲ صفحہ قیمت ۱ ر

الحیات بعد الممات یعنی موت کے بعد کے حالات — یہ کتاب فرانسیسی زبان میں پہلے چھپی۔ پھر دنیا کی تمام زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ یورپ میں یہ تمام دکانداروں کے ہاں فروخت ہوتی ہے اردو میں اس کا ترجمہ بھی نہایت ہی دلچسپ اور کارآمد ہے۔ اس میں انسانی زندگی کی تمام ترقیوں کے مدارج۔ لوک لوک کا ذکر دیوتا فرشتے۔ ایشور وغیرہ کا ذکر ہے۔ اور مصنف نے بڑی خوبی سے دکھلایا ہے۔ کہ زندگی کس طرح پانی سے شروع ہو کر انسان کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اور پھر انسان بتدریج کیسے لوک لوک کا سفر کو جیت لیتا ہے۔ نہایت غیر متعصبانہ پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔ کہیں کہیں ویدوں کی تعلیم کا بھی حوالہ دیا گیا ہے۔ ضخامت ۱۷۶ صفحہ۔ قیمت ۸ ر

عجیب و غریب قصے — آپ کہاں فضول ناولوں کی دنت کتھاؤں میں بھولے ہوئے ہیں۔ ذرا اس کتاب کے عجیب و غریب اور حیرت انگیز ہندو کہانیوں کو پڑھیے اس میں سب طرح کے قصے موجود ہیں۔ قصے کے قصے اور ساتھ ہی نصیحت اور اخلاق کی تعلیم۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام یہ تو ہے ہی پڑھیے اپنے گھر کی کہانیوں کو تو ذرا دیکھیے کیسی مزیدار چیز ہے ضخامت ۱۳۲ صفحہ قیمت ۸ ر

ویدانت کلپدرم — کرم۔ اپاسنا اور گیان کی پوری پوری تشریح اپنشدوں کے آدھار پر بے حد درجہ کی زندہ کتاب ہے جو اہمیت کے قفل کی کنجی پڑھنے والوں کے ہاتھ میں دے دیتی ہے۔ اس میں اس بات کو صاف طور پر دکھا دیا گیا ہے۔ کہ کیوں باوجود صدیوں کے گزر جانے پر بھی اپنشدوں کی تعلیم اب بھی سب سے زیادہ زندہ ہے۔ اگر آپ اس کو غور و فکر اور انہماک سے پڑھیں تب ان کو آسانی سے سمجھ جائیں گے۔ اس میں اپنشدوں کے پوشیدہ راز اور اسرار نہفتہ کی واضح تشریح ہے۔ ضخامت ۱۸۰ صفحہ۔ قیمت صرف ۱۲ ر

ملنے کا پتہ — منیجر رادھاسوامی کارخانہ چھگڑ محلہ ساد ہو سٹریٹ لاہور

منتخب سندیش

اہل طریقت کے اسرار ہفتہ اور تصوف نکات تحقیقی کی مفصل تفسیر مع تفصیلی بیان سرت شبد یوگ کلپدرم
علم سینہ کے محرم سفینہ بنانے کی پہلی کوشش۔ اگر اسکو پڑھکر بھی تصوف کے مدارج کی سمجھ نہ آوے تو افسوس سمجھا اور پوچھا کیا جاوے

فہرست مضامین

قیمت ایک روپیہ دو آنہ

ملنے کا پتہ۔ منیجر راداسوامی کارخانہ چکر محلہ سادہو سٹریٹ لاہور۔

شری وگیان رامائن اُردو

مُصنّفہ و مؤلفہ مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے

رامائن سے زیادہ عزیز کوئی کتاب دنیا میں نہیں ہے - اُردو زبان کا تو کہنا ہی کیا ہے - گو چھوٹا مُنہ بڑی بات سمجھی جائے - مگر شری وگیان رامائن جیسی اچھی کتاب سنسکرت زبان میں بھی نہ نکلیگی ؞

یہ کتاب پہلے ۱۹۱۸ء میں چھپی تھی - چھپتے ہی اس کی تمام جلدیں ہاتھوں ہاتھ بِک گئیں لوگ مُدت سے اس کے خواہشمند تھے - مہاراج سر کشن پرشاد صاحب بہادر جی سی آئی سابق وزیر اعظم حیدرآباد دکن نے اس کی زیادہ قیمت دیکر پرانی کتاب مول لی - اور اپنے کتب خانہ میں جگہ دی - کشمیر دربار نے ۵۰ کتابوں کا آرڈر دیا تھا - غرضیکہ ان واقعات سے پتہ لگ سکتا ہے - کہ یہ کسقدر دلچسپ نصیحت آموز اور مفید کتاب ہے جس میں نہ صرف اوتار کی اہمیت صداقت اور ضرورت ہی کو ثابت کیا گیا ہے - بلکہ انسانی زندگی کے مدعا کا نہایت ہی مؤثر پیرایہ میں منتخب اور موزوں لفظوں میں خاکہ اتارا گیا ہے - ہر لفظ کی تشریح - ہر نام کی صداقت اور ہر واقعہ کی وضاحت لغوی مجازی اور اصطلاحی نکتہ نگاہ سے صاف طور پر کر دیگئی ہے - اُمید ہے کہ اب اسکو پڑھ کر پورانوں کے کسی سخت سے سخت متعصب نکتہ چین دشمن کو کھنڈن کر لینے کی ہمت نہ ہوگی - ہاں ہٹ دھرمی اور چیز ہے - اس کا علاج دھنونتری نے بھی ہاتھ نہیں آیا - یہ کتاب لطور خود لاجواب - لاثانی اور اپنے طرز کی بالکل نرالی ہے - صرف دیباچہ ہی ساٹھ صفحوں کا ہے - کتاب کیا ہے - دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا ہے - اور اس کے کوزہ کا پانی گنگا جل کیطرح لطیف اور قند کیطرح لذیذ اور شیریں ہے - ممکن نہیں کہ اس کو پڑھ کر آدمی حقیقی کی دولت سے محروم رہ سکے - کتاب ہاتھ میں لیجئے - صرف ایک صفحہ کا مطالعہ کیجئے - اگر آپ تمام کتاب پڑھے ہوئے بغیر رہ سکیں تو پھر کہئے کہ جادو نگار مصنف کا قلم اپنی تاثیر سے خالی ہے - پہلا ایڈیشن اس کتاب کا ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا - اور کئی اصحاب کو یہ کتاب نہ مل سکی - اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے - شائقین اپنی درخواستیں جلد بھیجیں - ورنہ کتاب نہ ملنے کی شکایت معاف ؞

قیمت للعہ ۲ - رعایتی قیمت عہ ۱۲ - مجلد بیعہ ۳

محصولڈاک بذمہ خریدار

پتہ: [illegible] لاہور

تصنیفات مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے

وگیان کرشنائن

پورن کلا۔ برہم اوتار۔ مہا پربھو شری کرشن چندر آنند کند کے منوہر اور منورنجن چرتر شیو اور جگیا سو کے سمواد میں
من اور بدھی کی سلت درشٹی سے نام روپ اور شبدوں کی ویاکھیا کے سہت ۔ یہ ساجھ
ویدانت اور یوگ کی روح ہے ۔ تمام شبد شاستروں کا عطر ہے ۔ گائے روپی شرتی سمرتی ۔ پوران
وغیرہ کا لذیذ اور طاقت بخش دودھ ہے ۔ قصہ کا قصہ ۔ کہانی کی کہانی ۔ اور ساتھ ہی ہندو
تصوف کی تعلیم روحانی ۔ آپ نے کرشن چرتر کو سمجھا کیا ہے ۔ اس کو پڑھیں ۔ تب آنکھیں کھلیں
ایک مرتبہ پڑھ کر بار بار پڑھنے اور سوچنے کے لئے مجبور نہ ہوں ۔ تو ہمارا ذمہ ۔ اس میں مہابھارت
کا سار ۔ بھگوت کا اور بھاگوت گیتا وغیرہ کا عطر کھینچا گیا ہے ۔ ضخامت ٤٣٦ صفحے ۔

قیمت ۳ رعایتی ۲

وگیان سنتائن

پورن برہم گیانی پرم پورش پرم سنت حضور رائے سالگرام صاحب بہادر کا منوہر اور منورنجن جیون چرتر میں نانک صاحب ۔ کبیر صاحب
داؤد صاحب اور دوسرے سنتوں کی تعلیم کا مغز اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے ۔ مع ارشادات
و فیوضات کے مصنف نے بڑی خوبی سے موحدوں کی تعلیم کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے
اس کی تحریر کی نسبت دنیا اقرار کرتی ہے ۔

اثر الجھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے ۔ کسی کی آنکھ میں جادو تیری زبان میں ہے

قیمت عہ رعایتی ۸

وگیان وشنائن پرشوترائن

ویدانت کا جوہر ۔ ویدانت کا لب لباب ۔ معرفت کے مجمع
کہانیوں کی شکل میں ۔ اور بچوں کی سادی زبان میں نہایت اعلیٰ اور اچھی کتاب ۔

قیمت ۲ رعایتی ۱

پتہ: دیوانچند مینیجر ... سوامی ... جنگ ... لاہور

تصنیفات مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے

(۱) **سوَرج بیدی گیان** یعنی سوَرج کا علم تصوف کی زبان میں - - ۶/

(۲) **شیوجی کی ادبھت کہانی** } یہ سانکھ کی لاثانی کتاب ہے - - ۱۰/

(۳) **رُوحانی سبق** یعنی رازِ باطن کے سوچنے سمجھنے اور اس کے عملاً - معناً - قولاً - فعلاً اور خیالاً جانچنے کا گُر - - - ۶/

(۴) **پنج پترما** } یعنی پانچ خط جن میں رُوحانی زندگی بسر کرنے کے متعلق مفید ہدایتیں درج ہیں - اور جو ایک شخص کے نام بھیجے گئے تھے - اور اب اس کی خواہش کے بموجب بجنسہٖ اوروں کے نفع کے خیال سے کتابی صورت میں لائے گئے ہیں - - ۶/

(۵) {
(۱) من بچ کرم وچار - ایک چھوٹی مگر نہایت ہی مفید کتاب - - -
(۲) بدھ سکشا وچار - بھگوان بدھ کی تعلیم دینے کا ڈھنگ آسان پیرایہ میں - - -
(۳) بھگتی گیان وچار - چند خیالی تصویریں آنند و فلسفہ کی مراتب و وضاحت دھرات - - -
(۴) شیو سنکلپ اُپنشد - یجروید کے ۳۴ ویں ادھیائے کے چھ کھنڈ کا دن کے چھ منتروں کی دلچسپ تشریح - - -
} چاروں ایک جلد میں قیمت صرف ۶/

(۶) {
(۱) سہج وچار - معمولی معمولی باتوں پر معمولی غور +
(۲) سپتاہ وچار - ہفتہ کے ساتوں دنوں کے لئے بچار کا سامان - دلوں کی کتھائیں اور سادھوؤں کی کہانیاں
} دونوں ایک جلد میں - قیمت ۶/

(۷) {
(۱) بزرگ ولی رام صاحب کے کچھ مختصر حالات معہ اُن کے منتخب کلام کے نمونوں کے +
(۲) گورو کے بچن - یعنی شری سوامی رام کرشن پرم ہنس جی کے منتخب کلام
(۳) سرب اُپنشد - اتھروید کی ایک چھوٹی اُپنشد کا اردو زبان میں لفظی مگر مطلب خیز ترجمہ - - - -
} تینوں ایک جلد میں - قیمت صرف ۶/

(۸) {
(۱) پرشنوتر - یعنی سوال جواب جو کئے گئے خواہ جو ملیں پیدا ہوئے
(۲) اسراپان وچار - یعنی مے نوشی کے مکروہ نتیجوں پر غور و فکر -
(۳) مہاتما بابا پانپ داس جی مہاراج کا مختصر جیون چرتر -
} تینوں ایک جلد میں قیمت ۶/

تمام درخواستیں اس پتہ پر آئیں:

پتہ: دیو سنگھ منیجر [illegible]

(۹) رُوحانی ترقی } فضل و مجاہدہ کی رُوح کے سفلی۔ درمیانی اور علوی طبقات کی تشریح معہ ترکیب و تدبیر مجاہدہ ... ۶/

۱۰ سچا اور سناتن آریہ دھرم } اس کے مول گرنتھ اور بویک وچار وغیرہ } ... ۶/

(۱۱) بچن بِلاس حصہ اوّل ... ... عہ/

۱۲ بچن بِلاس حصہ دوم ... ... عہ/

۱۳ بچن بِلاس حصہ سوم } جس میں بالعموم اونچے درجہ کے ست سنگیوں اور عمل و شغل میں ترقی کئے ہوئے ابھیاسیوں کے مفاد کے لئے وہ قابل غور اور قابل عمل بچن شامل ہیں جو کشمیر کے دوران سفر میں لالہ برج (رنگون نواسی) اور رائے کشوری لال صاحب (کشمیر) سے اکثر کہے گئے تھے اور لوگ بھی بطور خود وچار کر سکتے ہیں ۱/

(۱۴) (۱) بچن بِلاس حصہ چہارم } جس میں بلند خیال۔ بلند نظر اور بلند ہمت ابھیاسیوں کے غرض جو بچن کہے گئے۔ وہ درج ہیں
(۲) چند ضروری نصیحتیں ... ...
(۳) آئینہ کشمیر یعنی کشمیر کے مختصر حالات ...
(۴) معجون مرکب۔ مذہب تعلیم اور فلسفہ کا عطر
} چاروں ایک جلد میں ۱۲/

(۱۵) ست کبیر کی ساکھی ... ۱۲/

(۱۶) ست کبیر کی شبداولی ۸/

(۱۷) گورو تیغ بہادر کی بانی ۳ ... پنچ رتنی ۲

پتہ:۔ ویدیو پنچند منیجر رادھا سوامی کارخانہ ۱۰ چنگڑ محلہ ساہو بیشو ... لاہور

ایک سے ایک بڑھ کر روحانیت کی بےنظیر و بیش بہا قیمتی کتابیں

انکو پڑھ کر بھی اگر کوئی روحانیت کی دولت سے محروم رہ جائے تو اُسے نصیب کو کیا کہا جائے

(۱) گیان سندیش سنتوں کے نقطۂ خیال اور ان کی تعلیم علم باطنی کے رموز ۔ ۔ ۸ر

(۲) ترہم سندیش تصوف کے مضامین کی مکمل تفسیر روحانیت کے دلپسند نقش و نگار ۸ر

(۳) آپا سنا سندیش پریم بھگتی کی مہما سند سب عشق کے مسائل کی واضح تفسیر ۔ ۸ر

(۴) کبیر چرتر سندیش معرفت کی عملی مثال حقانی نظارہ کا بےنظیر نقشہ ۔ ۸ر

(۵، ۶) سندیش الطریقت کا موضوع اور عملی فلسفہ ۔ یوگ کی دلپسند تفسیر

(۷) سندیش اسرار عرفانی و نکات توحید کی واضح اور مکمل تفسیر ۔ ۸ر

(۸) یاترا سندیش مختلف ملکوں کے حالات عجیب و غریب ۔ ۸ر

(۹) سچ سندیش ۔ رموز حقیقت کے اشارے ۔ عرفان کے راز ۸ر

(۱۰) پریم سندیش پریم مارگ کے متعلق مفید سبق ۔ قابل دید ۸ر

(۱۱) درشٹانت سندیش قصوں اور کہانیوں کے سلسلہ میں روحانیت کی تشریح ۔ ۸ر

(۱۲) وچار سندیش معرفت کی دلچسپیوں کا خزانہ ۔ گیان رتنوں کا بھنڈار ۔ ۔ ۸ر

(۱۳) انبھو سندیش روحانیت و حقیقت کی سچی باتیں ۔ قابل مطالعہ کتاب ۸ر

(۱۴) دھرم سندیش تصوف کے راز سفینہ و مذہب فقرا کی سر باطن کی وضاحت ۸ر

(۱۵) اپدیش سندیش توحید کے مضامین کا دل آویز سلسلہ عام فہم ۸ر

(۱۶) وگیان سندیش عالم روحانی کی سیر ۸ر

(۱۷ ۔ ۱۸ ۔ ۱۹ و ۲۰) پانچ سندیش یعنی پریم سندیش کبیر صاحب مہاراج کا تحفہ ۔ ۸ر

(۲۱) انگم سندیش ۔ سات مکالموں میں تتو وچار کے بہترین سبق ۔ ۸ر

(۲۲) ادبھت سندیش ۔ عجیب و غریب پیرایہ میں تصوف کے نکات کا حل ۸ر

(۲۳) ست سندیش مذہب فقرا کی اخلاقی تعلیم کا موثر خاکہ ہند کا بیش بہا خزانہ ۸ر

(۲۴) سار سندیش تصوف کی مسلسل زنجیر کی مکمل کڑیاں فقیرانہ خیالات کے موتی کی خوبصورت کڑیاں ۔ ۔ ۸ر

پتہ ۔ ... منیجر راہاسوامی کارخانہ ... محلہ ... لاہور

تصانیف مہرشی شیوبرت لال صاحب ورمن ایم اے

لوک پرلوک سدھار } یعنی دین و دُنیا کی بہتری حاصل کرنے کی آسان تدبیر۔ اور حقیقی انسان بنانیکے راز درج ہیں۔ قیمت صرف ۸ ر

پرلوک سدھار } یعنی عاقبت کی خبر اور خیالات عقائد۔ توہمات کی وضاحت۔ گیان دھیان کرم کی صراحت اور نکتے لطیفے و رموز کی تفسیر و تشریح ۸ ر

جیون سدھار } زندگی کی اصلاح ہر انسان کا شغل اور عمل چاہیئے۔ اس کے بغیر آرام و آسائش کا امکان محال ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے آپ کو یہ تمام باتیں معلوم ہوں گی۔ ۸ ر

لوک سدھار } لوگ کے اقسام مقاصد اور طرزِ عمل وغیرہ پر عام فہم اور دلپسند بحث واضح پیرایہ میں درج ہے۔ عہ ر

سکھ سدھار۔ پرمارتھ سدھار۔ پر اپکار سدھار

تینوں ایک جلد میں

سکھ سدھار جس میں راحت و آرام دسکون۔ قرار صحت و سلامتی خوشی اور مسرت سے زندگی بسر کرنیکے راز۔ پرمارتھ سدھار پرمارتھ کیا ہے اسکے سمجھانیکے راز حقیقی کے اصول اور تکمیل کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ پر اپکار سدھار یعنی اپنی سنبھال مقدم ہے۔ اگر خود نہیں سنبھلے ہو۔ تو اوروں کا سنبھالنا آسان نہیں ہوگا۔ اپنے سنبھلنے اور بنانے کے راز اس میں بتائے گئے ہیں۔ قیمت ہر سہ کتب کی ایک جلد میں صرف عہ ر

شبد سار

جس میں تصوف۔ حقانیت۔ روحانیت وغیرہ کے دلچسپ مفید اور قابل عمل باتیں درج ہیں۔ ضخیم کتاب ہے۔ قیمت صرف عہ ر

پتہ:- دیوا نچند مینیجر راد ھاسوامی کارخانہ چنگڑ محلہ سادھو سٹریٹ۔ لاہور

بردھی سُدھار | یعنی ذاتی ترقی کے اصول اور دُنیاوی عروج کے حصول کے گُر۔ نہایت دلچسپ - پُرلطف بھگتی گیان - ویراگ اور تصوف کے رموز سے پُر تواریخی واقعات اور چھوٹے چھوٹے دلپسند قصے کہانیاں آج کل کے حالات اور واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت پُراثر پیرایہ میں درج ہیں۔ قیمت صرف ۱۰؍

نوجیون سُدھار | یعنی سچا حقیقی اور برہمہ گیان - ادب اور اخلاق تصوف فلسفہ اور رُوحانی تعلیم و تلقین کی لاثانی اور لاجواب کتاب جو گھر بیٹھے ست سنگ کا لطف دیتا ہے - اور انسانی زندگی کی اصلاح کرتا ہے۔ قیمت باوجود ان خوبیوں کے صرف ۱۰؍

سنت سنجوگ | جلد اول - یعنی سنت مت کی نئی اور تازہ ترین تصنیف جس میں طریق فقرا اور سنت مت کے اعلیٰ اصول اور زبردست سدھانت پر مطول بحث کے سلسلہ میں وسیع النظری کے دلپسند سبق درج ہیں - جن کے مطالعہ کرنے سے تمام مذہبی فلسفانہ مسایل کی نہ صرف وضاحت ہو جاتی ہے - بلکہ توہمات اور غلط خیال سے نجات مِلجاتی ہے - قیمت صرف عہ؍

ہندو بھائی کی ساکھی | یعنی بھگتی - گیان - ویراگ وغیرہ کے پُراثر دوہوں کا مجموعہ - قیمت کچھ بھی نہیں - صرف ۱۲؍

اُردو کا نیا بھگت مال | جلد اول - بھگت مال ہندو مذہب کی نایاب کتاب دھرم کے خزانہ کا انمول رتن ہے - یہ اپنی طرز کی لاثانی کتاب ہے - جس کو مہرشی شیو برت لال جی ورمن ایم اے نے اپنے طور پر لکھی ہے - کتاب نہایت ضخیم ہے - اور ایسی زبان میں لکھی گئی ہے - کہ پڑھنے والے عش عش کرینگے - کیا مجال ہے کہ اسکا مطالعہ کر کے ایک شخص بھی بھگتی کی دولت سے محروم رہنے پاوے - کتاب کیا ہے - معجزہ ہے - دو تین جلدوں میں یہ کتاب مکمل ہوگی - پرانے بھگتوں کے حالات پہلی جلد میں ہیں اور نئے بھگتوں کے حالات مثلاً سوامی رام تیرتھ - رام کرشن پرم ہنس اور تیلنگ سوامی وغیرہ دوسری جلد میں ترتیب دیئے جائینگے - ہر عقیدہ کے آدمیوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہوگی - سنت سماگم کے خریداروں کو ایسے سلسلہ میں ملتی رہیگی - سنت سماگم ۱۲ نمبروں کی قیمت عہ؍ معہ محصولڈاک - اگر مستقل خریدار بنیگے - تو جلد اول کی قیمت صرف عہ روپے لی جائیگی - باقی جلدیں زیر ترتیب ہیں ؎

پتہ: دیوا چند منیجر ... کارخانہ ... جنگی محلہ سادھو سٹریٹ لاہور

شاہی سلسلہ کے بے نظیر ناول

عدم تعاون

یعنی ایک شاہی طالب علم کا طرز عمل ناول کے پیرایہ میں۔ آج کل ہمارے ملک میں عدم تعاون کے خیالات زوروں پر ہیں۔ ملک کے ہر طبقہ کے آدمی اسکے زیر اثر آگئے ہیں۔ نن کوآپریشن کیا ہے۔ اس کا مطلب جن کی سمجھ میں آگیا ہے وہ تو اسکی بزرگی اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور یہ جان گئے ہیں کہ یہ اوزار کسقدر مضبوط اور تیز ہتھیار ہو۔ لیکن جنہوں نے اسکو نہیں سمجھا۔ وہ اس ناول کے مطالعہ سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں ایک طالب علم کی زندگی کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں جسکے دل میں پہلے پہل عدم تعاون کا جذبہ پیدا ہوا تھا۔ اور اسنے اپنی قابلیت کے موافق نمایاں کامیابی حاصل کرلی تھی۔ عدم تعاون کیا ہو اور وہ کسطرح بعض اوقات یقینی طور پر کامیابی کی صورت پیدا کرلیتا ہو۔ قابل مصنف نے اس بحث کو اس کتاب میں کچھ اس انداز سے قلمبند کیا ہے۔ جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہو۔ قیمت باوجود ان تمام خوبیوں کے صرف عہ رعایتی عہ

شاہی سوراجیہ

یہ کتاب بابو شیو برت لال صاحب ورمن کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ اس کتاب میں قابل مصنف نے بتایا ہو۔ کہ سوراجیہ کیا ہو اور ہر قوم کیلئے حاصل کرنا کیوں ضروری ہو۔ اس میں کیسی کیسی برکتیں ہیں۔ سوراجیہ انسانی زندگی کی اصلی خیالی اونچی معراج ہے۔ اور جس قوم کی دنیا میں اپنی حکومت نہیں ہے۔ وہ ناحق دھرم کرم اور روحانیت کی ڈینگ مارتی ہے۔ بغیر سوراج کے ان میں سے کسی کا بھی اہتمام نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ اس ہندوستان میں ایک مردہ قوم کے دل میں کسطرح سوراجیہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور کسطرح اس جذبہ کو حرکت دیکر اس قوم نے اپنے آپ کو زندہ بنایا۔ اور ابتک بھی کسی نہ کسی حد تک زندہ اور زندہ دلوں کی تعظیم کی مستحق ہے۔ کتاب نہایت دلچسپ ہے۔ قیمت صرف عہ رعایتی ۱۲ر

شاہی جوگی

جس میں مقدس کتاب مہا پربھو سدھارتھ گوتم بدھ کے پوتر اور منورنجن چرتر جو ہندوؤں کے نویں اوتار اور بودھوں کے پچیسویں بدھ تھے قلمبند کیا گیا ہو۔ ویدانت کا اصلی تتو گیان کا خاص جوہر ہر سطر سے نمایاں ہوتا ہو۔ عہ

پتہ:- ودیا چند مینیجر رادھا سوامی کارخانہ راجگڑھ محلہ ستیا دھرم سٹریٹ لاہور

شاہی لکڑہارا | جودھپور کے ایک اجکمار کی زندگی کے نشیب و فراز۔ اس کی بیوی کی دانشمندی و عصمت۔ نیکی و بدی کے انجام کا مؤثر خاکہ۔ قیمت بزبان ہندی باتصویر عہ۔ بزبان اردو صرف ۱۴ ر

شاہی ٹھاکو | اس سلسلہ کے تمام ناولوں سے زیادہ دلآویز۔ بوندی راج کے بانی میانی جھارا تارائے دیوا کے پولیٹیکل ڈاکے۔ وطن کی محبت و مصیبت کے وقت آزادی قائم رکھنے کی ہمت بخش داستان۔ اس سے بہتر پولیٹیکل کتاب ناول کے پیرایہ میں آج تک آپ کی نظر سے نہ گذری ہوگی اردو عہ ہندی عہ

شاہی بھکاری | قسمت کا کھیل۔ ہونے والی بات کا ہو کر رہنا۔ بھگتی بھاؤ۔ اور فلسفہ کی سبق آموز و حسن عشق کی دلچسپ داستان۔ استری و پرش کیلئے یکساں مفید۔ نہایت ہی سبق آموز کتاب ہے اردو ۱۲ ہندی عہ

شاہی پتی پرائن | گجرات دیش کی ایک رانی کی پرسوز و رقت انگیز داستان۔ پتی برت دھرم کا ایک بینظیر درشن۔ قیمت بزبان اردو ۱۰ ر بزبان ہندی صرف ۱۰ ر

شاہی جادوگرنی | ملک آسام کی ایک رانی کا حال جو جادو سے کام لیتی تھی اس کی جادو کی ماہیت کتاب کے پڑھنے سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ اور اس قدر دلچسپ ہے۔ کہ ہاتھ میں لیکر ختم کئے بغیر کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ قیمت بزبان اردو عہ ر ہندی عہ

شاہی بھوت | ایک قومی غدار اور ملکی نمکحرام کی سبق آموز و عبرت خیز تاریخی داستان۔ قیمت بزبان اردو صرف ۱۰ ر

شاہی بٹمار | پولشوازم پر دلچسپ محققانہ بحث ناول کے پیرایہ میں۔ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نئی کتاب ہے۔ ایک جلد ضرور منگائیں۔ قیمت بزبان اردو صرف ۱۴ ر

شاہی سلسلہ کے دیگر دلچسپ قابل دید ناول

شاہی بھگت ۵ ر۔ راج بھگت ۵ ر۔ راج بھگتنی ۵ ر۔ بھگت بھگونت بھگتی ۵ ر۔ شاہی چور اردو ۲ ر ہندی ۲ ر۔ شاہی ساہسی ۱۰ ر۔ شاہی تپسوی ۸ ر

پتہ :- دیوا کھنڈ مہتہ پرادر سوتی کارخانہ راجنگر محلہ سنادہوشیٹ لاہور

کبیر جوگ کبیر جوگ اپنی مجموعی و جزوی حیثیت میں جامع کتاب ہے۔ جب تک کوئی شخص اسے پڑھ نہ لیگا۔ ممکن نہیں کہ وہ سنت مت یعنی رادھا سوامی پنتھ۔ نانک پنتھ۔ داؤد پنتھ یا اور کسی پنتھ کے اصول سے باخبر ہو سکے۔ کبیر صاحب آد سنت تھے۔ اُن کی تعلیم ہر پنتھ کی بنیاد ہے۔ متعصب پنتھائی جو چاہیں کہیں۔ ہم بے تعصبی سے اُن کی تعلیم پیش کر رہے ہیں۔ ضخامت تقریباً ایک ہزار صفحہ۔ قیمت صرف چار روپیہ (للعہ) کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ ✦

نانک جوگ یہ لاثانی دلچسپ اور اعلیٰ درجہ کی مفید کتاب ابھی حال ہی میں چھپی ہے اس میں پرم گورو نانک صاحب کے باطنی اور روحانی جاہ و جلال کا دلفریب نقشہ کچھ اس خوبی کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔ کہ دیکھتے ہی آنکھوں میں سرور و لطف پیدا ہوتا ہے۔ گورو نانک صاحب کے حالات کمالات اور کمالات کے علاوہ اس میں "پران سانگلی" نامی کتاب کے حوالہ جات کے موافق ان کے سہج جوگ۔ طرز عبادت و طریق ریاضت کا خاکہ بھی موجود ہے۔ جس کا جاننا ہر سکھ کیلئے بالخصوص اور تصوف پسند طبائع کے لئے بالعموم ضروری ہے۔ قیمت عہ ر رعایتی صرف عہر ر

رادھا سوامی جوگ علم سینہ کے تمام سربستہ راز جو آج تک مقفل تھے۔ کھول دیئے گئے ہیں۔ اور سنت مت کی تعلیم اس جلد میں حتی الامکان مکمل کر دی گئی ہے۔ اس کا مطالعہ پڑھنے والوں پر ثابت کر دیگا۔ کہ یہ تصوف کی پیاس بجھانے کا طریق ہو۔ یا علم عرفان کی تحصیل و تحصیل کا بہترین ذریعہ ثابت ہو۔ عہ ر

مکمل تلسی کرت رامائن سٹیک باتصویر رنگین سلیس اردو ترجمہ۔ اس کتاب میں وہ خوبیاں اور بوٹے نقشہ ہائے درج فرمائے ہیں جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ساتھ ہی آپنے سری گوسائیں تلسی داس جی کی سوانحعمری نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں لکھ کر شامل کی ہے۔ تقطیع ۲۲×۲۹/۸ ضخامت تقریباً ۱۴۰۰ صفحات نہایت خوشخط واضح قلم۔ قیمت کاغذ سفید ولایتی بلا جلد لعہ مجلد عہ، کاغذ رنگین بلا جلد عہ مجلد عہ کاغذ خاکی بلا جلد سلعہ مجلد عہ ر ✦

پتہ:۔ دیوان چند منیجر رادھا سوامی کارخانہ راجگڑھ محلہ سادھو سٹریٹ لاہور

بابو شیوبرت لال صاحب ورمن کی دیگر تصانیف اردو

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
ہماری ماتائیں	۱۲ر	سچی دیویاں	۸ر	سنگھ ناد	۲ر
سچی استریاں	۸ر	راجستھان کی بیرانیاں	۱۰ر	ہندو ماتائیں	۶ر
کلکی پوران	۸ر	خانہ داری کی فلاسفی	۸ر	سادھو کی صدا	۴ر
گوسائیں تلسی داس	۴ر	بھگت برتانت	۶ر	کبیر بھگت	۴ر
گیان کلپدرم	[illegible]	وچار کلپدرم	۱۲ر	راجستھان کا عطر	[illegible]
نیرنگ خیال	۵ر	آئینہ خیال	۴ر	معجون خیال	۵ر
فانوس خیال	۶ر	قانون خیال	۶ر	کرم یوگ	۸ر
بھگتی یوگ	۸ر	یوگ کے عملی سبق	۸ر	راج یوگ	۱۲ر
معدن تہذیب	۳ر	روحانی آدرش	۴ر	گھر کا راستہ	۲ر
بدھ دھرم و ہندو دھرم کا میل	۴ر	بدھ دھرم کا علم اخلاق	۲ر	ویدانت فلاسفی	۲ر
		روحانی اشارے	۴ر	پنجابی سو کا حصہ اول	۸ر
سنت برتانت	۵ر	عروج روحانی	۴ر	عقلی کیمیا	۳ر
سائیں کے سو خیال	۶ر	انمول موتیوں کی مالا	۶ر	ہماری زندگی اور موت	۶ر
سندر جوڑی	۵ر	چریتر کلپدرم	۱۰ر	اپنشد	[illegible]
گیتا کلپدرم	۶ر	کلیان دھرم	۱۲ر	رشی برتانت کلپدرم	۶ر
جین برتانت کلپدرم	۶ر	سرشٹ شبد یوگ کلپدرم	[illegible]	برہم وچار کلپدرم	۱۲ر
آتم وچار کلپدرم	۶ر	ویدانت کلپدرم	۱۲ر	ویدانت [illegible]	۱۰ر
وشنو پوران	۱۰ر	بوتیک کلپدرم	۱۰ر	الحیات بعد الممات	۸ر
برہم گیان پریکچھ	۸ر	معیار المکاشفہ	۸ر	دلچسپ کہانیاں	۶ر
عجیب و غریب قصے	۸ر	اچھوتے قصے	۸ر	[illegible]	۸ر
راز خوبصورتی	۸ر	بہار تصوف	۱۲ر	معدن تہذیب	۳ر
طوفان جنگ اردو	۱۴ر	ستی برتانت	[illegible]	آہا گھنٹے	۱۰ر
شجاع و عالم استریوں کے کارنامے ۔ قابل دید کتاب	۴ر			خاتون ہند	۸ر

پتہ:- دیو انجند مینیجر رادھا سوامی کارخانہ (۱) چنگڑ محلہ سادھو سٹریٹ لاہور

دلچسپ نظموں کا مجموعہ - ۲ر راجہ رسالو - ۱ر سچی ماتائیں - ۴ر

کتب بزبان ہندی

سچی دیویاں - ۱۲ر میتری یاگولکیہ سمواد ۸ر ویر ماتائیں ۶ر
چتوڑ کا شاکھا - ۴ر سچی استریاں - ۱۲ر عالم استریاں - ۸ر
ستی پرمانت - ۶ر راجپوتنی کا بولہ - ۴ر پراچین ہندو ماتائیں ۶ر
ست کبیر کی ساکھی - ۶ر چتوڑ کی چڑھائیاں - ۱ر شبھ سمار لکھنا - ۷ر

کتب بزبان گورمکھی

ساڈیاں ماواں - ۱۲ر سچیاں دیویاں - ۱ر پنجابی سوامنبط ۲ر ۶ر دوجھو

بنگالی زبان کے معرکتہ الآرا ناولوں کے شاندار ترجمے

ترچھی چتون } یعنی ملک الشعرا سر رابندرا ناتھ ٹیگور کے مشہور عام بنگالی ناول چوکھیر بالی کا پرلطف اردو ترجمہ اس کا ترجمہ قریباً تمام مروجہ زبانوں میں ہو چکا ہے - نہایت ہی دلکش و دیدہ زیب ناول ہے۔ قیمت ۱ر رعایتی صرف ۱۲ر

رسیلی چتون } مشہور آفاق رائے بہادر بابو بنکم چندر چیٹرجی کے رجنی نامی ناول کا اردو ترجمہ ایک اندھی لڑکی کے حالات و خیالات کا نہایت موثر خاکہ ۶ر رعایتی ۵ر

اتھاہ ساگر } صوبہ بنگال کی لاثانی ناول نویس شریمتی نروپما دیوی جی کے ان پورنا کا مندر نامی بنگالی ناول کا ترجمہ - نہایت رقت افزا - ۸ر رعایتی صرف ۶ر

کپال کنڈلا } زندہ جاوید رائے بہادر بنکم چندر چیٹرجی سی آئی ای کے کپال کنڈلا نامی بنگالی ناول کا ترجمہ - طرز بیان نہایت ہی دلکش - ۱۲ر رعایتی ۸ر

بردگن } صوبہ بنگال کے مشہور مضمون نگار بابو اناش چندر داس ایم اے بی ایل کے کماری نامی ناول کا عکس لطیف - قیمت ۱ر رعایتی صرف ۱۲ر

اُما } حسرت و درد کی تصویر یہ دل جذبات کا ہچکیدہ ساغر - قابل مصنف نے ایک اخلاق آموز معلم کا فرض ادا کیا ہے - قیمت ۱ر رعایتی صرف ۱۱ر

پتہ :- دیوا نند منیجر راوھا سوامی کا تخانہ راجہ گلی محلہ شادی موسٹریٹ لاہور

باہر کے چھپے ہوئے ناول

عروسِ مصر ایڈیٹر الہلال مصر کے ایک معرکۃ الآرا ناول کا ترجمہ عـہ رعایتی عـہ؍

عزیزہ سہیلی عام فہم اردو میں عورتوں کے مذاق کا ناول لکھا گیا ہے ۶؍ رعایتی ۳؍

انقلاب قسطنطنیہ ترکوں اور اتحادیوں کے جان توڑ مقابلوں کا فوٹو عـہ رعایتی ۸؍

خلیفہ عبدالرحمن ناصر ایڈیٹر الہلال مصر کے ایک نہایت دلچسپ ناول کا ترجمہ عـہ رعایتی عـہ؍

حیرت انگیز شہر - ایک عربی ناول کا ترجمہ واقعات نہایت دلچسپ ہیں ۸؍ رعایتی ۴؍

حجاج بن یوسف - ہجر و وصال کے تذکرے - رزم بزم کے سین عـہ رعایتی ۱۰؍

سیلاب خون - غدر ۱۸۵۷ء کے عبرتناک واقعات جھانسی کی رانی کی بہادری عـہ رعایتی ۱۲؍

ناول مصنفہ خان احمد حسین خانصاحب بی اے - ایم آر - ایس اے

بے نظیر بیگم - بے روزگاری میں شادی کی تکلیفات - نہایت دلچسپ عـہ رعایتی ۸؍

آہ - نہایت نتیجہ خیز - مستورات کو خاص شوق سے پڑھنا چاہئے - ۱۲؍ رعایتی ۹؍

آئینہ سوز گار - بچوں کو زیور پہنانے کی خرابیاں ناول کے پیرایہ میں عـہ رعایتی ۸؍

گیتی آرا - ایک مغرور کوتہ اندیش خودسر نوجوان کی حرکات قیمت ۱۲؍ رعایتی ۹؍

واہ - ہر زمانے کا اس سے بہتر ناول آج تک شائع نہیں ہوا عـہ رعایتی ۱۰؍

سرمہ حروف - ایک پر انتقام شوہر نے اپنا انتقام کسطرح لیا نہایت عبرت خیز ۱۲؍ رعایتی ۹؍

دل کے ٹکڑے - نہایت دردانگیز ناول قیمت ...

حسرت گردش زمانہ کی تنگی - اقبال و ادبار کے دلکش سین عـہ رعایتی ۸؍

سوز - ایک ہوش ربا ناول ہے - ہر ایک کو دوست سمجھ لینے کے نتائج اور خرابیاں عـہ رعایتی ۸؍

درد - ایک لاجواب ڈیٹکٹو ناول - شمع شبستان کے بعد سب سے بہتر ناول ہے عـہ رعایتی ۱۰؍

شمع سحر - جادوگری کی شکست - فتح نیکی کی فتح - سچی محبت کے نتائج ۱۲؍ رعایتی ۹؍

گلبدن ڈیٹکٹو ناول - عیاروں کی عیاریاں سادہ لوح حواصیوں کی درگت ۱۲؍ رعایتی ۹؍

مکافات عمل ایک اعلیٰ درجہ کا دل ہلا دینے والا ناول قیمت ۱۲؍ رعایتی ۹؍

"وہ عورت جس نے مجھے دکھایا" اپنی قسم کا ...

رادہا سوامی سائین

رادہا سوامی سائین کو دار السلطنت پنجاب لاہور سے مشہور و معروف رادہا سوامی دشنید ہالیہ کے حکیم لیکھ چند صاحب نے ویدک و یونانی پستکوں اور بہت سے ایسے گرنتھوں میں سالہا سال کی محنت اور اپنی عملی لیاقت اور مدت کثیر کے بعد پبلک کے سامنے پیش کیا ہے۔

رادہا سوامی سائین کے استعمال سے تمام دماغی امراض مثلاً یادداشت کا کم ہو جانا یا حافظہ کا کمزور ہو جانا۔ ذہن کا کند ہو جانا۔ تھوڑی سوچ بچار کرنے یا پڑھنے سے ہی دماغ کا چکرا جانا۔ سر کا گھومنا یا اس میں درد پیدا ہو جانا۔ بار بار نیند کا آنا۔ خواب میں ڈرنا۔ سوتے وقت گھبراہٹ کا معلوم ہونا اور طرح طرح کے خوفناک خوابوں کا دیکھنا۔ غشی پاگل پن مرگی وغیرہ کے امراض کا دورہ ہو جانا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جانا۔ نزلہ زکام میں ہمیشہ گرفتار رہنا وغیرہ امراض فوراً رفع ہوتے ہیں۔

رادہا سوامی سائین امراض دل مثلاً دل کی کمزوری دل کی دھڑکن دل کی بےچینی کسی کام کاج میں دل کا نہ لگنا معمولی کام پہاڑ معلوم ہونا۔ رات دن طرح طرح کے خوف و وہم میں ڈوبے رہنا و نسیان وغیرہ امراض کا قلع قمع کرنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔

رادہا سوامی سائین تمام امراض مخصوصہ مرداں مثلاً جریان (پرمیہ) احتلام (خواب میں منی کا نکل جانا) منی کا پتلا پڑ جانا۔ پیشاب کے پہلے یا پیچھے مل کر گرنا۔ پیشاب کا بار بار آنا۔ زیادہ یا کم آنا۔ سرعت انزال کا ہونا۔ قوت باہ کا کم ہو جانا۔ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ رہنا۔ مرض ذیابیطس یا مرض سوزاک سے پیشاب کے ساتھ پیپ کا مل کر آنا وغیرہ امراض کو فوراً رفع کر کے قوت کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ سنبھالنا دشوار ہو جاتا ہے جسم کو فربہ مضبوط اور خوبصورت بنا کر چستی پیدا کر دیتی ہے۔

رادہا سوامی سائین عورتوں کی تمام امراض متعلقہ حیض مثلاً حیض کا بےقاعدہ آنا۔ وقت مقررہ سے پہلے یا پیچھے آنا۔ یا کم و بیش آنا۔ سیلان الرحم۔ اختناق الرحم۔ اسقاط حمل ان تمام امراض کو دور کر کے عورتوں کے جسم کو طاقتور مضبوط اور چست بنا دیتی ہے۔

رادہا سوامی سائین تپدق سل وکھانسی و پرانے بخاروں کے واسطے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ اس کے علاوہ سنگرہنی۔ نئی و پرانی ہچکی۔ اسہال مزمنہ۔ بواسیر خونی و بادی۔ نئی و پرانی ارش کو دافع ہے۔ معدہ و جگر و دل و دماغ و پیٹ کی خرابیاں دور کر کے خون صالح پیدا کرتی ہے۔ تندرست آدمی بھی استعمال کریں تو طاقت از حد بڑھاتی ہے۔ کسی مرض کو پاس تک نہیں پھٹکنے دیتی۔ ہر ایک بچہ بوڑھا جوان مرد عورت ہر موسم میں استعمال کر سکتے ہیں۔ اور کسی پرہیز وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ قیمت فی شیشی (بڑی) [illegible] نصف شیشی (چھوٹی) [illegible] نمونہ ۱۲؍ خوراک ۲؍ ۔ محصول ڈاک علاوہ

[illegible]

شو وٹی

ہر ایک بلغمی و بادی امراض مثلاً دمہ کھانسی۔ تپ لرزہ۔ پانڈو روگ۔ دردپیٹ۔ درد چشم ناخونہ وغیرہ امراض چشم کے لئے از حد مفید۔ بلغمی و بادی سنیپات ہر قسم کی بیماریوں قبض شکم۔ قولنج۔ بواسیر۔ پانچوں قسم کرم شکم تنگی بول۔ بدہضمی۔ کمزوری معدہ۔ سنگرہنی سوزاک گنٹھیا۔ آتشک۔ پرمیہ۔ ذیابیطس بدبودہن۔ دردسر۔ جلودہر ضعف باہ۔ مرگی۔ ناسور گنج۔ شبکوری۔ زہریلے جانور وغیرہ کے ڈنگوں۔ زکام۔ درددانت تنگی نفس۔ سنگ مثانہ۔ ذبہ اطفال اور بہت سی کی ایک واحد بجلی دنائی ہے۔ قیمت ۶۴ گولی دو روپیہ۔ ۳۰ گولی

استری سنجیون وٹی

یہ دوائی استریوں کی کل بیماریوں ولیعنی ماسک جود (حیض کا کم آنا حیض کا نہ آنا۔ یا درد سے آنا۔ یا قاعدہ آنا) اور بانجھ پن کی کل بیماریوں کے لئے اکسیر حکم رکھتی ہے۔ ارتھات ان سب پرانی سی پرانی بیماریوں کو ایک مہینہ کے اندر دور کر کے سارے شریر کو موٹا تازہ بنا دیتی ہے۔ اس سے سمپورن بادی کے روگ کوڑھ۔ بواسیر۔ سنگرہنی پرمیہ۔ وات رکت (خون کے بگاڑ) نابھی شول (پیٹ درد۔ بھگندر۔ دکھ۔ روگ وغیرہ۔ گولے کا روگ۔ مرگی۔ ہسٹیریا یعنی اختناق الرحم۔ مندا گنی۔ کھانسی۔ شواس اور اروچی (بدہضمی) وغیرہ وغیرہ سب روگوں کو دور کر کے طاقتور بناتی ہے۔ پُرشوں کے دہاتو وکار کو دور کر کے دہاتو کو اور زیادہ بڑھا کر اولاد دیتی ہے۔ اور بانجھ استریوں کو گربھ وتی بنا کر اولاد کے قابل بناتی ہے۔ ہر قسم کے سب وات روگوں کو دور کر دیتی ہے۔ ایک دفعہ آزما کر فائدہ اٹھائیں اور ملک کی تیر بہدف سودیشی ادویات کی قدر کریں ٭

قیمت باوجود ان تمام خوبیوں کے

سات خوراک کیلئے صرف ۱۲ ۔ ۱۵ خوراک کیلئے ۱۸

نیز ہماری اوشدھالیہ میں ایسے تمام مریضوں کا جو کہ ہر قسم کے علاج سے نا امید ہو چکے شرطیہ علاج کیا جاتا ہے۔ اور روپیہ وغیرہ صحت یاب ہونے پر لیا جاتا ہے۔ جو مریض نئی خواہ پرانی بیماری سے تکلیف اٹھا رہے ہوں۔ وہ ضرور ہمارا علاج کرائیں۔ دیگر ہر قسم کی امراض کے لئے اوشدھالیہ میں نہایت مجرب اور زود اثر دوائیں ہر وقت تیار رہتی ہیں مفصل فہرست ادویات طلب کرنے پر مفت ارسال ہوتی ہے

پتہ:- حکیم وید ... منیجر ... اوشدھالیہ ... محلہ ...